خود نوشت سوانحِ حیاتِ نسّاخ

مؤلفہ

عبدالغفور نسّاخ

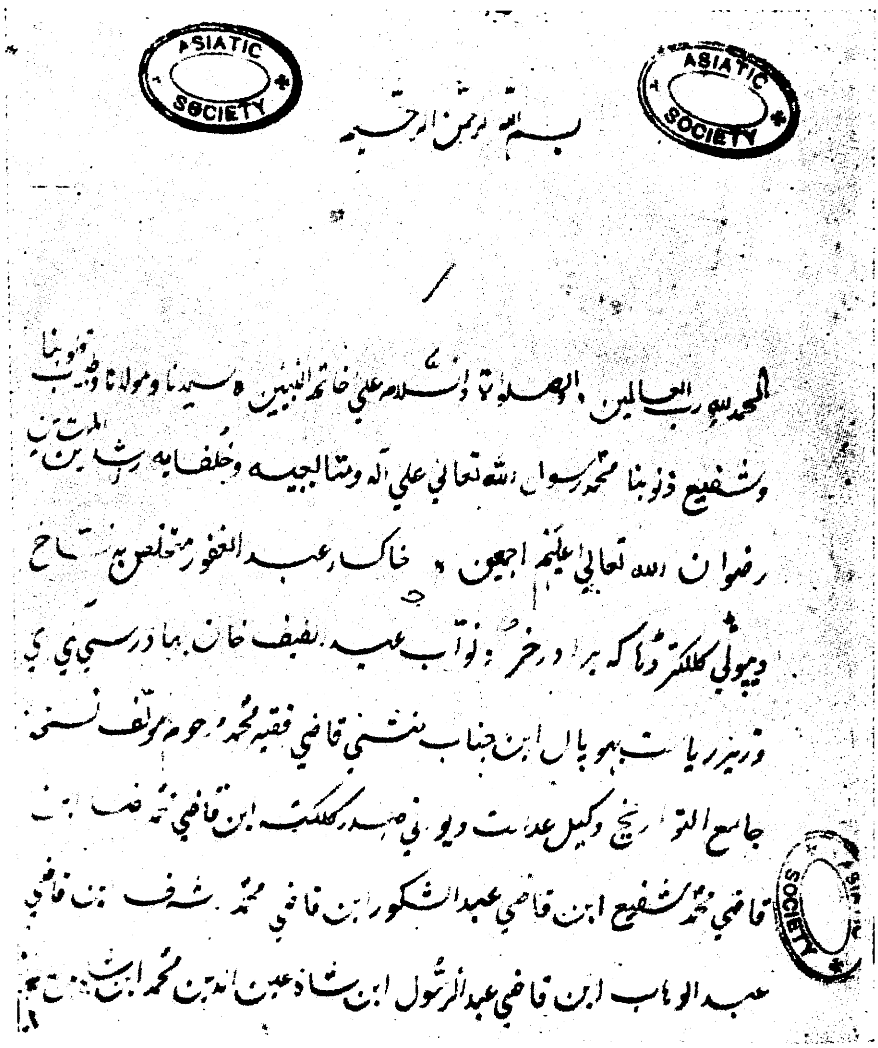
مرتبہ

عبدالسبحان ایم اے، پی ایچ ڈی، ایف اے ایس

اُستاد زبان و ادبیات فارسی

مولانا آزاد کالج کلکتہ

ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ



بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی خاتم النبیین سیدنا ومولانا وحبیب ذنوبنا
وشفیع ذنوبنا محمد رسول اللہ تعالی علی آلہ وتابعیہ وخلفایہ راشدین
رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین ۔ خاکسار عبد الغفور متخلص بہ نساخ
ڈپوٹی کلکٹر ڈھاکہ برادر خرد نواب عبد اللطیف خان بہادر سی آئی ای
وزیر ریاست بھوپال ابن جناب مفتی قاضی فقیر محمد مرحوم مولف نسخہ
جامع التواریخ وکیل عدالت دیوانی صدر کلکتہ ابن قاضی محمد شریف ابن
قاضی محمد شفیع ابن قاضی عبد الشکور ابن قاضی محمد شرف ابن قاضی
عبد الوہاب ابن قاضی عبد الرسول ابن شاہ عبد اللہ ابن محمد ابن [illegible]

قلمی نسخہ کا پہلا صفحہ

ابن شاہ احمد ابن محمد قاسم ابن ابو عبد اللہ حسین ابن شمس الدین محمد
ابن ابو اسمعیل نجم الدین ابن علی ابن عبد العزیز ابن محمود ابن محمد ابن
عبد اللہ ابن ابو عبد اللہ محمد ملقب بہ شرف المعالی عمدۃ الدین معروف
بہ ابن القیسرانی ابن نصر ابن صغیر ابن داعر ابن محمد ابن خالد ابن نصر ابن داغر
ابن عبد الرحمن ابن حضرت مہاجر ابن حضرت سیف اللہ خالد بن ولید
مخزومی رضی اللہ عنہما

حسب خواہش احباب اپنی زندگی کے مختصر حالات و سوانح اس رسالہ میں
درج کرتا تھی کہ میری مورث اعلی حضرت سیف اللہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا
حال ظہر من الشمس ہے اگر کوئی چاہتی کہ اونکی حالات کو دریافت کری تو مغازی رسول
صلعم و فتوحات یہ و فتوح المصر واقدی رحمۃ اللہ علیہ میں دیکھی اونکا انتقال
سنہ ۲۱ ہجری میں مدینہ منورہ میں ہوا اونکی فرزند ارجمند حضرت مہاجر رضی اللہ عنہ
بجنگ صفین میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ تھی اور اونکی بڑی بھائی حضرت
عبد الرحمن رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ کے ساتھ تھی اور
میری بزرگوں میں جناب ابو عبید اللہ بن قیسرانی بہت بڑی عالم و ادیب تھی
و ملک شام میں عکہ میں پیدا ہوئی اور سنہ پانسو اڑتالیس ہجری میں

قلمی نسخہ کا دوسرا صفحہ

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمْ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا وَ طَبِیْبِ قُلُوْبِنَا وَ شَفِیْعِ ذُنُوْبِنَا مُحَمَّدٍ رَسُوْلِ اللّٰہِ تَعَالٰی وَ عَلٰی اٰلِہٖ وَ مُتَّبِعِیْہِ وَ خُلَفَائِہِ الرَّاشِدِیْنَ الْمُھْتَدِیْنَ رِضْوَانُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْھِمْ اَجْمَعِیْنَ -

حسب و نسب و ولادت

خاکسار عبد الغفور متخلص بہ نساخ، ڈپوٹی کلکٹر ڈھاکہ، برادر خرد نواب عبد اللطیف خان بہادر، سی - آئی - ای، وزیر ریاست بھوپال، ابن جناب منشی قاضی فقیر محمد مرحوم، مؤلف نسخۂ 'جامع التواریخ' وکیل عدالت دیوانی صدر کلکتہ، ابن قاضی محمد رضا ابن قاضی محمد شفیع ابن قاضی عبد الشکور ابن قاضی محمد اشرف ابن قاضی عبد الوھاب ابن قاضی عبد الرسول ابن شاہ عین الدین محمد ابن شاہ بدیع الدین احمد [۲] ابن شاہ احمد ابن محمد قاسم ابن ابو عبد اللہ حسین ابن شمس الدین محمد ابن ابو اسماعیل نجم الدین ابن علی ابن عبد العزیز ابن محمود ابن محمد ابن عبد اللہ ابن ابو عبد اللہ محمد ملقب بشرف المعالی عمدۃ الدین معروف بہ ابن القیرانی ابن نصر ابن صغیر ابن واغر ابن محمد ابن خالد ابن نصر ابن واعذ ابن عبد الرحمان ابن حضرت مہاجر ابن حضرت سیف اللہ خالد ابن ولید مخزومی رضی اللہ عنہ، حسب خواھش احباب اپنی زندگی کے مختصر حالات و سوانح اس رسالہ میں درج کرتا ھے کہ میرے مورث اعلی حضرت سیف اللہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا حال اظھر من الشمس ھے - اگر کوئی چاھے کہ انکے

حالات کو دریافت کرے تو مغازی الرسول صلعم و فتوح الشام و فتوح المصر واقدی رحمة الله علیه میں دیکھے - ان کا انتقال سنه ۲۱ هجری میں مدینۂ منوره میں هوا - انکے فرزند ارجمند حضرت مهاجر رضی الله عنه جنگ صفین میں حضرت علی کرم الله وجهه کیساتھ تھے اور انکے بڑے بھائی حضرت عبد الرحمان رضی الله عنه معاویه کے ساتھ تھے اور میرے بزرگوں میں جناب ابو عبید الله ابن قیرانی بہت بڑے عالم و ادیب تھے اور ملک شام میں مکه میں پیدا هوئے اور سنه پانچسو اڑتالیس هجری میں [۳] دمشق میں فوت هوئے - انکی اولاد میں بعض بعض بزرگ بغداد میں جا بسے - ان میں سے جناب شاه عین الدین محمد قدس سره سنه ایک هزار بتیس هجری میں جب شاه عباس صفوی بادشاه ایران کربلا میں زیارت کو جاتے وقت بغداد کو محاصره کر کے فتح کیا بغداد سے دهلی چلے آئے - اسوقت جهانگیر بادشاه هندوستان کے بادشاه تھے - انکا انتقال دهلی میں سنه ایک هزار ایکتالیس هجری میں هوا - اور انکے والد ارشد جناب قاضی عبد الرسول کو شهنشاه هند شاه جهان بادشاه نے سند قضائی سرکار فتح آباد چکله بهوسنه وغیره ضلع فرید پور درمیان ممالک باره بهوئیاں بنگاله کی عطا کی اور فرید پور میں آ کر موضع لشکردیه کے قطب دانشمند کی صاحبزادی سے جو نواسی تھیں مجلس عالی بایزید زمیندار پرگنه فتح آباد کی عقد کیا اور وهیں بسنے کا اراده کر کے باره کهاده زمین لاخراج موضع سکهپالدیا میں حاصل کیا اور وهیں بسے - انکے صاحبزادے قاضی عبد الوهاب مرحوم نے سید بهرام بغدادی رئیس راجه بینی کی دختر نیک اختر سے شادی کی اور شهنشاه دهلی اورنگ زیب عالمگیر بادشاه سے اور باره کهاده زمین لاخراج موضع راجه پور میں حاصل کر کے اس کا نام باره کهاده رکھا اور وهیں بس گئے - چنانچه وه جگه اب تک اسی نام سے باره کهادیه مشهور هے - ان کی اولاد عهدۂ قضا پر مقرر تھی اور جائداد [۴] حاصل کر کے بعزت آبرو اپنی اوقات بسر کرتے تھے - والد مرحوم کے چچیا سسر منشی بقاء الله مرحوم

جب نظامت و عدالت صدر دیوانی کلکتہ میں مقرر ہوئے اس وقت وکیل مقرر ہوئے اور والد مرحوم بعد شادی کے منشی صاحب مرحوم کے کام میں تائید کرتے تھے یعنی ان کے اسسٹنٹ تھے - جب منشی صاحب کا انتقال ہوا تو ان کے کام پر حکام صدر دیوانی عدالت نے والد مرحوم کو وکیل مقرر کیا اور وہ اٹھائیس برس تک بحسن و خوبی اپنے کام کو انجام دیکے سنہ ۱۲۵۹ ھجری میں انتقال کیا - وہ بڑے مؤرخ تھے اور ان کی تصنیفات میں 'جامع التواریخ' اور 'منتخب النجوم' مشہور ہیں -

منشی بقاء اللہ مرحوم کا ایک دو منزلہ مکان مدرسۂ عالیہ کلکتہ کا دروازہ جہاں ہے اسی مقام پر تھا - جب مدرسہ کی بنا ہوئی تو وہ مکان ان سے خرید لیا گیا اور والد مرحوم کلکتہ کے محلہ کلنگا میں پیرو خانساماں کی گلی میں اپنے خریدے ہوئے مکان میں رہتے تھے - وہ مکان شکست ہوگیا - اب رعایا بستی ہے - اسی مکان میں میں سنہ ۱۲۴۹ھجری کے عید الفطر کے روز منگل کو قبل نماز عید متولد ہوا اور پرورش پائی - بعد ساڑھے چار برس کے پڑھنے لگا - مولوی رمیض الدین صاحب چاٹگامی میرے پڑھانے کو مقرر ہوئے - ان دنوں ہملوگوں کے مکان میں چالیس پچاس ساٹھ طالب العلم رہتے تھے -

والدین کا انتقال

[۵] میں سات برس کی عمر میں مدرسۂ عالیہ' کلکتہ میں داخل ہوا - اس وقت ہملوگ چار بھائی تھے - میں اور نواب عبد اللطیف خان بہادر سی - آئی - ای ایک والدہ کی طرف سے' اور مولوی عبد الحمید مرحوم اور مولوی عبد الباری مرحوم اور ایک والدہ کی طرف سے - مولوی عبد الحمید مرحوم بڑے تھے' نواب عبد اللطیف خان بہادر ان سے چھوٹے' مولوی عبدالباری ان سے چھوٹے میں سب سے چھوٹا تھا - آخر عمر میں والد مرحوم نے خواب میں دیکھا کہ ایک

بزرگ ان سے کہتے ہیں کہ اب چلو - اس میں والد مرحوم نے کہا میری اولاد سب چھوٹی ہے - ابھی جا نہیں سکتا - اس خواب کو انہوں نے میرے عم بزرگوار قاضی محمد صابر قدس سرہ سے کہ وہ صاحب کمال تھے بیان کیا - انہوں نے تعبیر دی کہ کچھ اندیشہ و خوف کا موقع نہیں ہے - دوسرے سال والد مرحوم نے پھر انہیں بزرگ کو خواب میں دیکھا اور انہوں نے کہا کہ چلنے کی تیاری کرو کہ تمہارا منجھلا لڑکا قابل ہو چکا ہے - اس پر والد مرحوم راضی ہوئے - بعد ازاں اس خواب کو بھی عم بزرگوار موصوف سے بیان کیا - انہوں نے تعبیر دی کہ اب چلنے کی تیاری کیجئے - اس میں والد نے وطن یعنی راجہ پور ضلع فرید پور کا قصد کیا اور چاروں اولاد کو ساتھ لیجانے کی نیت کی - اس پر میری والدہ شریفہ نے جو کلکتہ میں تشریف رکھتی تھیں والد سے کہا کہ مجھکو کلکتہ میں چھوڑ جائیں کہ میں بہت چھوٹا تھا اور عمر میری درمیان نو اور دس [٦] برس کے تھی - لیکن والد مرحوم نے کہا کہ اس دفعہ میں اپنے کسی لڑکے کو چھوڑ کر نہ جاؤنگا - آخر ہملوگ سب کلکتہ سے راجہ پور کو گئے - ایک دن شب کو بوم بولنے لگا اس کی آواز سنکے نواب عبد اللطیف خان بہادر نے (کہ وہ اور میں ایک بچھونے پر سوتا تھا) مجھکو کہا کہ خدا جانے کلکتہ میں کیا ہوا - اسکے تین چار روز کے بعد کلکتہ سے خبر آئی کہ والدہ ماجدہ کا انتقال ہو گیا - اس خبر کے سنتے ہی مجھکو تپ آگئی اور بعد اس کے والد مرحوم بیمار ہوئے اور والدہ کے انتقال کے ستائیس روز بعد ان کا انتقال ہوگیا - میں نے اس واقعہ کی یہ تاریخ کہی ہے :

والدینم کہ ز دنیا رفتند — جگرم چاک شد و خاک بسرم
چشمم لبریز سر اشک طوفان — کہ ازان نوح بکشتی مضطرم
بر لبم شور قیامت پیدا — کہ ازان عرش بلرزہ یکسر
در چنین حال بگفتم تاریخ — "خلد ساکن پدرم" با مادر

۱۲۵۹ھ

تیرنا سیکھنا

ایک دن راجہ پور میں مکان میں جو تالاب تھا اس میں کشتیاں تھیں - ان میں سے ایک پر میں اور میرا بھانجا مولوی عضد الدین محمد دوپہر کو سوار ہوکر سیر کرتا تھا اور اس وقت تالاب میں یا اس کے نزیک کوئی آدمی نہ تھا - ایسے حال میں میرے بھانجے [۷] نے جسکی عمر مجھ سے کچھ کم تھی مجھکو کشتی پر سے ڈھکیل کے تالاب میں ڈالدیا - میں ڈوبنے لگا کہ مجھکو تیرنا آتا نہ تھا اور میرا بھانجا کشتی پر سے کود کے تالاب میں اور تیر کے بھاگ گیا - میں سمجھا کہ میں ڈوبا - ھاتھ پاؤں مارتا تھا - اسمیں ایک بانس میرے ھاتھ لگا - اس کو پکڑ کے دم لیا تو دیکھا کہ میرا بھانجا کنارے پر کھڑا ھے - جب اس نے دیکھا کہ میں نے بانس پکڑ لیا ھے تو وہ بھاگ گیا - میں بانس کے سہارے کنارے پر آیا اور اسی روز سے میں نے تیرنا سیکھا - کنارے پر آ کے اس کو تلاش کیا پایا نہیں - بعد ازاں یہ بات سب کو معلوم ھوئی تو اسنے کہا کہ اسنے مجھے تالاب میں اسلئے گرایا تھا کہ مجھکو تیرنا آجائے -

ابتدائی تعلیم

بعد ازاں ھملوگ کلکتہ میں آئے اور پڑھنے لگے - نواب عبد اللطیف خان بہادر، سی - آئی - ای، امیران سندھ کی سرکار میں مترجمی کے عہدہ پر مقرر ھوئے - میں پڑھتا رہا - میں سات برس کی عمر سے کچھ کچھ شعر موزوں کرتا تھا - ان دنوں جو شعر کہتے تھے وہ یاد نہیں اور یاد بھی رھنے سے قابل لکھنے کے نہیں تھے - مجھکو سلہٹ کے پرگنہ کی طرف کے مولوی ازھر مرحوم پڑھاتے تھے اور خواہمخواہ بغیر قصور کے مارتے تھے - ایک دن بے قصور انہوں نے مجھکو مارا تو میں عم بزرگوار قاضی محمد صابر مرحوم جس مکان میں تھے وھاں روتا

ھوا چلا گیا اور وھاں ایک شمشیر ایرانی لٹکتی تھی اس کو پکڑ کے رونے لگا اور آھستہ آھستہ سب کی نظر بچا کے اس کو کھولا - میرے اُستاد مجھکو بلاتے تھے میں جاتا نہ تھا - آخر وہ بید لیکے مجھکو مارنے کو آئے - میں نے جلد شمشیر [۸] کو میان سے نکال کر ان پر حملہ کیا - وہ بھاگے یہاں تک کہ مکان کے دروازے سے سڑک پر نکل گئے - اور میں شمشیر عریاں بکف دھاوا کرتا ھوا ان کے پیچھے پیچھے دو تین سو قدم تک گیا - بعد ازاں پھر آیا - اُستاد صرف ایک لنگی پہنے ھوئے تھے اور ننگے پاؤں اور ننگے سر تھے ان کے ھاتھ میں ایک بید تھا - اس روز کے بعد سے میں نے انہیں دیکھا نہیں - ان کا اسباب وغیرہ سب رہ گیا - بعد ازاں سلہٹ کے مولوی رضوان علی مرحوم میرے پڑھانے کیلئے مقرر ھوئے - یہ آدمی بہت اچھے تھے - معلوم نہیں ایک دن شام کے بعد ان کو خواہ مخواہ مجھ پر غصہ آیا - انہوں نے مجھکو مارا - میں چھوٹا تھا مگر بہت قوی تھا - وہ بہت کمزور، ضعیف اور ناتواں تھے - مجھکو بھی غصہ آیا میں نے ان کو پکڑ کے دے مارا - وہ ایک صندوق پر گرے - میں بھاگ گیا - گھر کے طالب علم لوگ مجھکو پکڑنے کو دوڑے - میں مدرسۂ عالیہ کے متعلق جو تالاب ھے اس کے اندر گیا اور تالاب اور مدرسہ کے درمیان ریل ھے اس کو پھاند کے مدرسہ کے اندر گیا - جو طالب علم لوگ مجھکو پکڑنے کو گئے وہ لوگ ریل پر چڑھے کہ پھاند کر مدرسہ میں جا کے مجھکو پکڑیں - میں نے چور چور کہکے پکار کی شور کیا کہ ریل کو پھاند کر جانا منع تھا - وہ لوگ تالاب کی طرف رہ گئے - میں مولوی واحد اللہ خاں بہادر ڈیپوٹی مجسٹریٹ کے کمرے میں گیا کہ وہ ان دنوں تحصیل علم کرتے تھے اور وھیں شب کو سو رھا - علی الصباح سب کے اٹھنے کے آگے مدرسہ سے نکل گیا اور خالہ ماجدہ کے مکان میں جا کے رھا - کھانے کے وقت رھتا تھا بعد ازاں چلا جاتا تھا - تیسرے دن نواب عبداللطیف خان بہادر

وہاں گئے اور مجھکو ساتھ [۹] لے آئے - بعد ازاں مجھکو عربی پڑھانے کے لئے مولوی محمد فیض صاحب باشندہ کمرلہ مقرر ہوئے - مجھکو یہ بات ناگوار ہوئی کہ میں ان دنوں مدرسۂ عالیہ میں سب سے عمدہ شطرنج کھیلتا تھا اور ان کو شطرنج میں گویا اپنا شاگرد سمجھتا تھا لیکن ساتھ اسکے انکا رعب مجھ پر چھا گیا - وہ جس روز سے مجھکو پڑھانے کے لئے مقرر ہوئے اسی روز سے شطرنج چھوڑ دی اور کبھیں شطرنج کا ذکر نہیں کیا اور ان کو پڑھانے کا بہت عمدہ قاعدہ معلوم تھا - انہوں نے کبھی کوئی لفظ سخت بھی مجھکو نہیں کہا - ان سے میں نے 'میزان' سے 'شرح ملا' تک ازبر پڑھا اور میرے ذہن کا یہ حال تھا کہ صبح کو بعد آموختہ کے وہ ایک بار سبق پڑھا دیتے تھے دوسری بار میں پھر اس سبق کو پڑھکے سنا دیتا تھا - وہ چلے جاتے تھے بعد ازاں شام کو وہ آتے تھے میں ایک بار پھر انکو سبق پڑھ کے سنا دیتا تھا - دوسرے روز صبح کو ان کو اپنا سبق ازبر سنا کے نیا سبق لیتا تھا یعنی تین بار کے پڑھنے میں مجھکو ازبر ہو جاتا تھا -

انہیں دنوں کہ میرا سن بارہ تیرہ برس کا تھا میں اور مدرسے کا اور ایک طالب العلم ایک جامن کے درخت پر چڑھا تھا - میں جس شاخ پر تھا وہ ٹوٹ گئی اور میں گر گیا اور اس کو کسی سے کہا نہیں - کئی دن کے بعد جا کے ناپا تو معلوم ہوا کہ بائیس ہاتھ کی بلندی پر سے گرا تھا - انہیں دنوں میں بزرگوں کی رائے ہوئی کہ ہملوگوں کو یعنی مجھکو اور میرے سنجھلے بھائی مولوی عبد الباری صاحب کو ہوگلی میں پڑھنے کے واسطے بھیج دیں - ان دنوں ہم لوگ دونوں مدرسہ کے انگریزی اسکول کی اول جماعت میں پڑھتے تھے - چنانچہ ہملوگ ہوگلی میں ۱۸۴۷ء میں گئے اور جوڑا گھاٹ کے [۱۰] قریب ایک دو منزلہ مکان کرایہ لیکے ٹھرے اور ہوگلی کالج میں داخل ہوئے اور جناب

مولوی رمضان اللہ مرحوم مدرس مدرسہ ھوگلی سے عربی پڑھنے لگے - وھاں جناب مولوی کرامت علی صاحب، متولی امام باڑہ حاجی محمد محسن، سے اور مولوی محمد اکبر شاہ مرحوم و خواجہ محمد مستقیم مرحوم مدرس مدرسہ ھوگلی سے ملاقات ھوئی - خواجہ مستقیم مرحوم بھی فارسی شعر کہتے تھے - اسلئے ان سے ربط زاید رھا اور ان کا مکان بھی میرے مکان کے قریب تھا - اور مولوی محمد عالم صاحب، منصف اولوبڑیہ، سے بھی ملاقات ھوئی - مولوی محمد اکبر شاہ صاحب مرحوم مدرسہ میں مدرس اول تھے اور بہت بڑے معقولی عالم تھے اور مولوی رمضان اللہ صاحب 'شرح ملا' پڑھانے میں بے مثل تھے - ان سے بہتر 'شرح ملا' پڑھانیوالا نظر نہیں آتا - بہت سے طالب العلم جا بجا سے 'شرح ملا' پڑھنے کیلئے ھوگلی میں جاتے تھے اور 'شرح ملا' پڑھ کے چلے آتے تھے - ھوگلی میں مولوی محمد اصغر صاحب ابن مولوی محمد اکبر شاہ صاحب مرحوم فن شعر میں میرے شاگرد ھوئے تھے، ان کا تخلص اور شعر یاد نہیں -

خط ناخن کی مشق

کلکتہ میں ایک شخص کو خط ناخن لکھتے دیکھا اور میں نے سیکھنے کو چاھا - انہوں نے بتایا نہیں اور معلوم ھوا کہ انہوں نے ھوگلی میں میرزا امیر جان خوش نویس سے سیکھا تھا - اسلئے میں ھوگلی میں ان کے پاس اسی غرض سے جانے لگا، لیکن مجھکو معلوم ھوا کہ وہ شاید نہ بتلائیں - اسلئے میں نے ان سے [۱۱] اس کا ذکر کیا نہیں اور خط ناخن لکھا ھوا ایک ٹکڑا کاغذ منگوایا اور خوب غور سے دیکھا اور ناخن سے دوسرے کاغذ پر خط کھینچنے لگا - اس میں آپ اس کا قاعدہ معلوم ھوگیا اور میں لکھنے لگا - اس میں خوب مشق پہنچائی اور ایسی ترکیب نکالی کہ جس خوشنویس کے ھاتھ کا لکھا ھوا حرف ھو میں ویسا ھی ناخن سے لکھدیتا تھا -

شعر و شاعری سے ابتدائی شوق

ان دنوں جناب مولوی رشید النبی صاحب ضلع ہوگلی میں عہدہ افتاء پر مقرر ہوگئے - کلکتہ سے ہوگلی چلے گئے - انہوں نے میری دس بارہ غزلوں میں اصلاح دی تھی - بعد ازاں اصلاح موقوف ہوگئی - ان کی خدمت میں جو غزلیں بھیجدیتا تھا بہ سبب عدیم الفرصتی کے وہ اصلاح دے نہ سکتے تھے اور یہاں شوق شاعری از حد بڑھ گیا تھا - آخر خود شعر کہتا تھا اور خود حک و اصلاح کرتا تھا - اور مشاعرہ میں پڑھتا تھا - اندنوں غفور خانساماں نامی ایک شخص اپنے باغ میں نہایت دھوم دھام سے مشاعرہ کرتا تھا - ایک دن میں مشاعرہ میں گیا تھا - مشاعرہ شروع ہوا نہ تھا - ایسے وقت خواجہ نبی بخش صاحب کشمیری متخلص بہ محزوں ایک غزل لیکے میرے پاس آئے اور مجھ سے کہا کہ میں اصلاح کردوں - میں بہت گھبرایا کہ میں تو خود پیر در ماندہ کے حال میں ہوں - اپنی غزل کو درست کر ہی نہیں سکتا، تو ان کی غزل کیونکر درست کرونگا - میں نے ان سے کہا کہ مجھ سے ہو نہیں سکے گا - اور میں نے کہدیا کہ حافظ اکرام صاحب ضیغم ہیں - ان سے اصلاح لیجئے - انہوں نے کہا [۱۲] ان کو میرے شعر کے انداز پسند ہیں - اس لئے وہ مجھ سے اصلاح لینے کو چاہتے ہیں - میں نے کہدیا کہ مجھ سے ہو نہیں سکے گا - غرض وہ چلے گئے اور منتظم مشاعرہ شیخ محمد باقر متخلص بہ فنا سے کہا - وہ حافظ صاحب موصوف کے شاگرد تھے وہ خواجۂ مذکور کو ساتھ لیکے میرے پاس آئے اور کہا کہ آپ کو ایک شاگرد ملتا ہے کیوں چھوڑتے ہیں - یہ بات سنکے بہ سبب کم سنی کے مجھکو خیال ہوا کہ میں بھی استادوں میں گنا جاؤنگا اس کی بڑی خوشی ہوئی اور خواجہ صاحب کو میں نے شاگرد کیا - اس کے بعد ایک مشاعرہ ہوا - اور ایک مصرعہ طرح ہوا جس کی ردیف 'دل'

اور قافیه 'همارا' 'تمهارا' تها - مصرعه یاد نهیں هے - اس مشاعره میں میں نے شعر کہے نہیں - خواجه نبی بخش کی غزل جہاں تک مجھ سے ہو سکا اچھی طرح بنا دی - مشاعره میں خواجه نبی بخش نے غزل پڑھی - سامعین نے تعریف کی - مطلع یه تھا :

سخت آهن سے هے تمہارا دل موم سے نرم هے همارا دل

مشاعره کے آخر میں جناب حافظ اکرام احمد ضیغم نے میری طرف دیکھکر یه مطلع پڑھا :

سخت هے سنگ سے تمہارا دل موم سے نرم هے همارا دل

اس سے میں اور خواجه نبی بخش بہت خوش ہوئے که ان کا مطلع حافظ صاحب موصوف کے مطلع سے لڑ گیا اور وہ اُستاد هیں - اس کے بعد مڈیکل کالج کے طلبا نے ایک مشاعره کیا - اس میں بھی میں نے شعر کہے نہیں - خواجه کی غزل بنا دی - انہوں نے مشاعره میں وہ غزل پڑھی - مطلع یه تھا :

[۱۳] پھول جائے جان زار عندلیب گل جو هو شمع مزار عندلیب

آخر میں جناب حافظ ضیغم صاحب نے میری طرف مخاطب هو کے یه مطلع پڑھا :

پھول جائے چشم زار عندلیب گل جو هو شمع مزار عندلیب

اس سے هم لوگوں کو از حد خوشی ہوئی -

محرری کی ملازمت اختیار کرنا

بعد چند روز کے میں اپنے وطن یعنی راجه پور کو سنه ۱۸۵۳ عیسوی میں گیا - اوائل نومبر سنه مذکور میں جناب اخوی صاحب قبله کے خط سے معلوم ہوا که جناب مسٹر هنری ونسنٹ بیلی صاحب بہادر ڈھاکه کے اڈیشنل جج مقرر هو گئے هیں اور انہوں نے مجھکو اپنے سرشته میں ایک عہده دینے کو کہا هے اسلئے میں

راجه پور سے روانه هو کے پندرهویں ماه نومبر سنه ۱۸۵۳ عیسوی کو ڈھاکه میں پهونچا - اور منشی امین الدین صاحب محرر شیشن جج بهادر کے مکان میں ٹھیرا - دوسرے روز جناب بیلی صاحب سے ملاقات کرنے کو گیا - انهوں نے میر عبد المجید خان بهادر سے جو اس وقت ان کے سرشته دار تھے کہا که مجھکو ایک مهینے کے اندر سب کام سکھا دیں - اور بیلی صاحب نے مجھ سے کہا که سرشته کا کام آدمی سیکھ نهیں سکتا هے جب تک اس کے ذمه کوئی کام نه هو - چونکه تم کام نهیں جانتے اس لئے تم کو بڑا عهده دیا نهیں جا سکتا - تم کو سر دست دس روپئے کی محرری میں مقرر کیا جاتا هے - اور دس روپئے میں تمهارے گذر اوقات کی صورت هو نهیں سکتی هے - لیکن تمهارے بھائی نواب عبد اللطیف خان بهادر سی - آئی - ای' نے کہا هے که وه تمهاری خرچ برداری کرینگے لیکن ان کا بھی خرچ بهت هے [۱۴] اگر وه تمهارا خرچ نه دے سکیں تو هم تمهارا خرچ دیں گے اور مجھکو سرشته میں کام کرنے کو حکم دیا تا که میں هر طرح سرشته کا کام سیکھ جاؤں - بعد ازاں میں صاحب موصوف کی کوٹھی سے کچهری میں گیا اور وهاں حلف کیا که خود بھی رشوت نهیں لونگا اور اپنے ساتھ هی دوسرے کو بھی رشوت لینے نهیں دونگا - بعد حلف کے میں سرشته میں گیا اور سب عملوں سے کهدیا که میں نے اس طرح پر حلف کیا هے که میرے سامنے رشوت کا ذکر بھی هوگا تو میں صاحب موصوف سے کهدونگا - بعد ازاں اپنا کام کرنے لگا -

دو چار روز کے بعد میر عبد الحمید خان بهادر نے بیلی صاحب سے کہا که وه چاهتے هیں که مجھکو اپنے مکان میں لیجائیں - صاحب موصوف نے بھی کہا مضائقه نهیں هے - بعد ازاں وه میرے مکان پر آئے - اور مجھکو اپنے مکان میں لے گئے - بعد ازاں میں نے ڈھاکه کے امراء و شرفاء و فقراء سے ملاقات کی یعنی

شاہ وجیہہ اللہ صاحب و شاہ ولی اللہ، سجادہ نشین دائرۂ عظیم پورہ و شاہ غلام حمید صاحب، سجادہ نشین دائرہ مگہ بازار، و سید علی مہدی خان بہادر ابن میر اشرف علی مرحوم نامی زمیندار ڈھاکہ و مولوی عباس علی خان بہادر اعلیٰ صدر امین و مولوی سلامت اللہ خان بہادر ڈیپوٹی کلکٹر و مولوی محمد علی خان بہادر اعلیٰ صدر امین و مولوی عین الدین حیدر خان بہادر ڈیپوٹی کلکٹر و خواجہ علیم اللہ صاحب و خواجہ عبد الحکیم صاحب معروف بہ نرسنگہ میاں [۱۵] و نواب عبد الغنی سی - ایس - آئی و محمد اکمل خان صاحب و مولوی عبدالعلی صاحب و نواب میر صاحب و منشی دلاور علی صاحب و مولوی شمس الدین صاحب و مولوی ظہیرالدین صاحب و منشی یوسف علی صاحب و دیوان نور علی صاحب و منشی عنایت علی صاحب و میر محمد تقی صاحب و میر سید جان صاحب و آغا غلام علی عرف آغا جان صاحب و میرزا محمد جعفر خان صاحب زمینداران، قاضی غلام مخدوم صاحب قاضی شہر ڈھاکہ و حکیم قربان علی صاحب و حکیم حاجی میرزا کوچک و مفتی محمد مراد صاحب فرید پوری و مولوی محمد شریف بخاری و میر معظم حسین خان بہادر منصف و منشی معتصم باللہ صاحب و منشی عبد العظیم صاحب معروف بہ گرامی میاں صاحب و میر عبد اللہ خان بہادر صاحب منصف و منشی نعیم الدین خان صاحب صدر امین و مولوی رئیس الدین صاحب مفتی عدالت ڈھاکہ وغیرہ سے ملاقات کی - اب تک مجھ سے مرزا غلام پیر صاحب نامی زمیندار ڈھاکہ سے ملاقات ہوئی نہ تھی کہ مولوی امیر الدین صاحب وکیل نامی ڈھاکہ نے مجھ سے مرزا صاحب [۱۶] سے ملنے کو کہا - میں ان سے ملا - بعد ازاں مولوی امیر الدین مرحوم نے مجھ سے کہا کہ خواجہ علیم اللہ صاحب جب جناب بیلی صاحب سے ملنے گئے تھے تو پہلے انہوں نے خواجہ صاحب سے پوچھا کہ ''آپ عبدالغفور سے ملاقات کیا''؟ انہوں نے کہا ہاں ملاقات ہوئی ہے - بعد ازاں مرزا صاحب جب ملاقات کو گئے تو ان سے بھی صاحب

موصوف نے وهی بات کهی - لیکن چونکه مرزا صاحب سے تب تک ملاقات هوئی نه تهی، انهوں نے کہا اب تک ملاقات هوئی نهیں هے - اس پر جناب بیلی صاحب نے هملوگونکی اور هم لوگوں کے خاندان کی تعریف کی اس لئے مرزا صاحب نے مولوی امیر الدین صاحب سے کہا که وه مجهکو مرزا صاحب سے ملائیں - اسلئے مولوی صاحب نے مجهکو لیکے ان سے ملاقات کرائی -

[۱۷] ڈھاکه میں به سبب هم سنی کے مولوی واحد علی صاحب ابن مولوی عبدالعلی صاحب زمیندار اور دیوان جوهر علی صاحب ابن دیوان نور علی صاحب زمیندار سے نهایت درجه کی دوستی تهی اور ڈھاکه کے نامی شاعر شیخ احمد جان عطش اور حکیم حسن مرزا حرق وغیره مجھ سے الجهے - اور مشاعره کی بنا ڈالی - لیکن الحمد الله که میں مشاعره میں سر سبز رہا - اور چونکه ان لوگوں سے خواجه عبد الرحیم صاحب متخلص به صبا اور خواجه عبدالغفار صاحب متخلص به اختر سے صفائی نه تهی اسلئے وه لوگ میری طرف تهے - غرض ڈھاکه میں شعر و شاعری کا بڑا چرچا رہا اور مولوی واحد علی صاحب مخمور اور حکیم حیدر علی صاحب علی ابن حکیم قربان علی صاحب اور منشی وارث علی متخلص به صبا میرے شاگرد هوئے - ان لوگوں میں حکیم حیدر صاحب بڑے ذهین اور مستعد تهے - ان هی دنوں میں منشی دلاور علی صاحب زمیندار نے قدسی کی غزل پر غزل کهنے کی فرمائش کی اور میں نے [۱۸] یه چند شعر کہے - (۱)

ای از خیال عارضت دارم گلستان در بغل
وز تار زلف پر خمت صد شبستان در بغل

---

(۱) حاجی محمد جان قدسی (ف ۱۰۵۶ھ) جو مشهد کے رهنے والے تهے مغل بادشاه شاهجهان کے درباری شاعروں میں سے تهے - قدسی کی مذکوره غزل کا مطلع یه هے :

دارم دلی اما چه دل صد گونه حرمان در بغل
چشمی و خون در آستین اشکی و طوفان در بغل

گر بشنود یک نغمهٔ کلک نوا سنج مرا
منقار خود سازد نهان مرغ خوش الحان در بغل

هر تار گیسوی ترا تاتار و چین زیر نگین
یاقوت لب های ترا کوه بدخشان در بغل

سعدی بیا اینک ببین کز پاره های لخت دل
هر طفل اشک لاله گون دارد گلستان در بغل

رخسار پر نور ترا صبح وطن در آستین
چشم سیه مست ترا شام غریبان در بغل

بہتر اور مستقل ملازمت کی جستجو

[۱۰۹] .... اس (۲) عرصہ میں صدر دیوانی عدالت میں چار مترجمی خالی ہوئی - میں نے بیلی صاحب سے کہا - وہ مجھکو خود اپنے ساتھ کر کے رسل

نساخ کے ایک مشہور ہمعصر شاعر، شیخ فیض علی عاصی (ف ۱۲۸۱ھ) نے بھی قدسی کی اس غزل پر ایک غزل کہی ہے جس کے چند اشعار یہ ہیں :

دارم دلی در عشق تو گریان و بریان در بغل
چشمی چه چشم از گریه تر صد ابر باران در بغل

موی تو کفر اندیش شد روی تو مومن کیش شد
بتهاست این در آستین آنست قرآن در بغل

دل میدهد لا تقنطوا جان مینفراید رحمتش
دارم دلی صد شکر حق شادان و خندان در بغل

عفویش خریدار گنه در روز بازار جزا
عاصی چه ترسی فضل او بگرفته غفران در بغل

شیخ فیض علی عاصی کلکتہ میں عربی، فارسی اور اردو میں متصوفانہ اور عاشقانہ کلام لکھتے اور پیر محمد بنارسی سے استفادہ سخن کرتے اور مولانا ابوالمعالی محمد عبد الرؤف وحید، مترجم اعظم، کونسل قانون سازی، گورنر جنرل بہادر ہند، کے چچا تھے - تقریظات بر انتخاب دیوان وحید، کلکتہ، ۱۸۹۰، ص ۲۷ - ۳۳

(۲) صفحہ نمبر ۱۸ کا پچھلا صفحہ بالکل سفید ہے - صفحہ نمبر ۱۹ مندرجہ ذیل بے ربط عبارت سے شروع ہوتا ہے :—

"...... باتیں دودھو میاں کی تھیں - اور میں نے کوئی بات جھوٹ بھی نہیں کہی - میں

صاحب رجسٹرار کے پاس لے گئے - اور میرے واسطے سفارش کی کہ عہدہ مجھکو دیں - بعد ازاں بیلی صاحب چلے گئے - رسل صاحب نے مجھکو امتحان دینے کو کہا - اور ہم لوگ انداز پچاس ساٹھ آدمیوں کے تھے - سبھوں نے امتحان دیا - اس میں سے میرا اور چار آدمیوں کا امتحان پاس ہوا - لیکن میرا امتحان پانچویں نمبر میں پاس ہوا - رسل صاحب رجسٹرار نے ایسی سفارش کا مطلق پاس نہیں کیا - اور مجھکو کوئی عہدہ ہیں دیا - چار شخصوں کو مقرر کیا - بیلی صاحب ھائی کورٹ کے جج اور رسل صاحب ان کے ماتحت تھے - اور میرا امتحان بھی پاس ہوا تھا - ساتھ اس کے مجھکو عہدہ ملا نہیں - اس کو سوائے تقدیری بات کے اور کچھ کہا نہیں جا سکتا ھے - اس کے چند روز کے بعد جناب اخوی صاحب قبلہ بعضے اسباب سے مجھ سے ناراض ھو گئے تھے - اور میں بہت تنگ ھوگیا تو میں نے جناب میر محمد واحد صاحب چشتیہ ابو العلی دانا پوری سے کہا کہ میں ڈپٹی مجسٹریٹی کا عہدہ چاھتا ھوں - وہ ولی کامل تھے اور مجھ سے از حد محبت رکھتے تھے - انسے حد درجہ کی بے تکلفی تھی - حالانکہ میری اور ان کی عمر میں قریب تیس برس کا فاصلہ تھا - [۲۰] انھوں نے مجھکو تسخیر کا عمل بتا دیا - اور ایسے عمل کا بنانا بھی بتلا دیا - میں نے تین روز تک پڑھا - لیکن اس میں تین چار گھنٹہ گذرتا تھا - میں گھبرا گیا اور ان سے کہہ کے چھوڑ دیا - بعد ازاں ڈپٹی مجسٹریٹی کے واسطے لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَکَ اِنِّی کُنْتُ مِنَ الظَّالِمِیْنْ کا عمل بتلایا - اس

جو کچھ ان کا حال جانتا تھا وھی کہا تھا غرض دودھو میاں چھوٹ گئے کہ حقیقت میں مجرم نہ تھے - لیکن ان کا بھائی پھر آیا ھی نہیں" -

اس سے ظاھر ھے کہ صفحہ ۱۸ کے بعد کے چند اوراق غائب ھیں - بیان میں تسلسل قائم رکھنے کی وجہ سے مندرجہ بالا عبارت کو متن کتاب سے خارج کر دی گئی ھے -

میں یہ شرط تھی کہ ترک حیوانات کرنا ہوگا - اور ایک جگہ میں سونا ہوگا - تین چار روز ترک حیوانات کر کے پڑھا - بعد ازاں گھبرا گیا - میر صاحب موصوف نے بکرے کا گوشت کھانے کو کہا اور سب طرح کے حیوانات سے پرہیز کرنے کو کہا - لیکن دو چار دس روز کے بعد میں نے سب شرطیں اٹھا دیں - نہ سونے کی جگہ کا تعین رہا نہ پڑھنے کی جگہ کا تعین رہا نہ کھانے کا پرہیز رہا نہ پنج وقتی نماز کا خیال رہا - فقط جس وقت عمل پڑھتا تھا اسی وقت نماز پڑھتا تھا - اسی طرح پر برابر عمل کرتا رہا - چلہ تمام ہو گیا لیکن کوئی فائدہ ہوا نہیں - میں نے جناب میر محمد واحد صاحب سے کہا - انہوں نے اور ایک چلہ پڑھنے کو کہا - میں نے اور ایک چلہ اسی طرح سے پڑھا اور کچھ فائدہ نہیں ہوا - پھر میر صاحب موصوف نے اور ایک چلہ پڑھنے کو کہا میں نے پڑھا لیکن ڈیپوٹی مسجٹریٹی اثر آثار تک نظر نہیں آیا - میں نے میر صاحب سے کہا - انہوں نے مسکرا کے فرمایا کہ آپ نے جس طرح پر اس عمل کو پڑھا ہے آج تک کسی نے اس طرح پر پڑھا نہیں - اگر دوسرا کوئی شخص اس طرح پر [۲۱] بدپرہیزیاں کرتا تو رجعت ہو جاتی - آپ پر جو آفت بلا آتی تھی اس کو میں روکتا تھا - میں سن کے چپ ہو گیا - میں سمجھا تھا کہ میں جو اس عمل میں بدپرہیزی کرتا ہوں میر صاحب موصوف کو معلوم نہیں اور معلوم ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے کیونکہ وہ کبھی آتے نہیں اور جو لوگ ان کے یہاں آمد و شد کرتے تھے وہ بھی میرے حال سے واقف نہ تھے - اس وقت مجھکو میر صاحب کے کہنے سے معلوم ہوا کہ ان کو بذریعہ کشف میرا حال معلوم ہو گیا - آخر میر صاحب نے مجھ سے کہا کہ آپ کو کہا گیا ہے کہ آپ کو ڈیپوٹی مجسٹریٹی دی جائے گی ''قول مردان رد نباشد'' آپ کو ڈیپوٹی مجسٹریٹی دی گئی ہے - ایسا ہرگز ہو نہیں سکتا کہ آپ کو ڈیپوٹی مجسٹریٹی نہ ملے - میں چاہتا تھا کہ آپ کو چالیس روز کے اندر ڈیپوٹی

مجسٹریٹی مل جاتی - لیکن آپ نے جس طرح عمل کیا ہے اس سے دیر ہو گئی - چنانچہ دو ڈھائی برس کے بعد میں اس عہدہ پر مقرر ہوا -

مشہور مستشرق ای - بی - کاول کا نساخ سے اردو اور فارسی سیکھنا

لیکن عمل کو جب میں نے شروع کیا تب میں نہایت تنگ تھا - دس روز پڑھ چکا تھا - گیارھویں دن مولوی کبیر الدین احمد صاحب میرے پاس آئے اور کہا کہ فورٹ ویلیم کالج کے سکریٹری کپتان سنٹ جارج صاحب نے آپ کو بلایا ہے اور اسی وقت جانے کو کہا ہے - میں نے سبب پوچھا - انہوں نے کہا کہ وہ نہیں جانتے - بعد ازاں وہ چلے گئے - میں کپتان سنٹ جارج صاحب سے ملنے کو گیا - انہوں نے میری تعظیم کی اور بٹھلایا - اور میرا مختصر حال پوچھا - بعد ازاں مجھ سے کہا کہ مسٹر ای - بی - کاول صاحب (۱) پرو فیسر ہندو کالج چند روز ہوئے ولایت سے [۲۲] آئے ہیں اور وہ فارسی پڑھنا چاہتے ہیں اور کالج کے جتنے منشی پڑھاتے تھے سب ان کے پاس جا چکے ہیں - اور سب کو انہوں نے پھیر دیا ہے اور دوسرا منشی مانگتے ہیں - لیکن کس سبب سے پھیر دیتے ہیں یہ وہ بھی لکھتے نہیں اور منشی لوگ جو آتے ہیں وہ بھی کہتے نہیں - اس لئے وہ چاہتے ہیں کہ میں جاؤں - اور انہوں نے یہ بھی کہا کہ کاول صاحب بھی شاعر ہیں اور آپ بھی شاعر ہیں دونوں میں خوب موافقت ہو گی - میں پڑھانے کے کام کو بہت برا جانتا تھا لیکن ان دنوں از حد تنگ تھا - اس لئے قبول کیا - کپتان صاحب نے ایک چٹھی کاول صاحب کے نام کی لکھدی اور اس میں میری بڑی تعریف

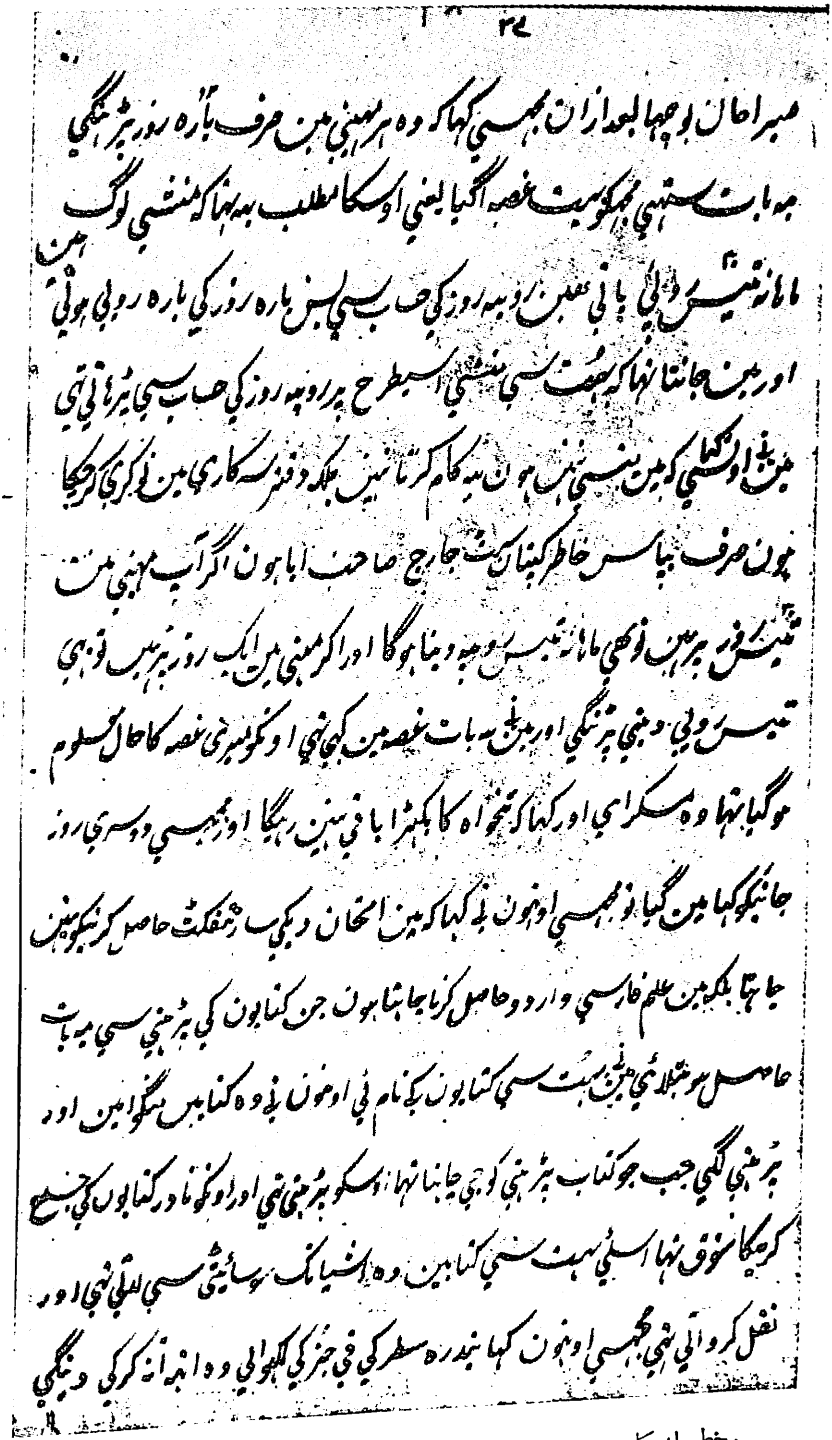
---

(۱) ایڈ وارڈ بیلس کاول (۱۸۲۶ - ۱۹۰۳) سنسکرت کے مشہور انگریز دانشور کا نام ہے جو کلکتہ پریسڈنسی کالج میں تاریخ کے پرو فیسر مقرر ہوکر ۱۸۵۶ء میں انگلستان سے کلکتہ آئے تھے - ۱۸۵۸ سے ۱۸۶۴ء تک کلکتہ سنسکرت کالج کے پرنسپل رہے - یہی وہ کاول ہیں جن سے رباعیات عمر خیام کا شہرۂ آفاق انگریز مترجم، ایڈوارڈ فٹز جرلڈ (۱۸۰۹ - ۱۸۸۳) نے فارسی سیکھی تھی -

لکھی - میں اسی وقت وہ چٹھی لیکے اسپنس ہوٹل میں جہاں کاول صاحب رہتے تھے گیا اور خبر دی انہوں نے مجھ کو بلا لیا - اور اپنی میم صاحبہ کو جن کا نام الیزبتھ (۱) تھا پکارا - وہ آئیں اور انہوں نے ان سے کہا کہ دیکھو آج اور ایک منشی آیا ہے - اور میم صاحبہ سے کہا خمسۂ خسرو لے آویں - یہ بات سنتے (ہی) میں سمجھ گیا کہ میرا امتحان ہوگا - کالج کے سب منشی فقط اسی وجہ سے پھیر دیئے گئے ہیں کہ وہ امتحان میں کامل ٹھہرے نہیں کہ ان لوگوں میں بیشتر لوگ جو جو کتابیں یورپین صاحب لوگ پڑھتے ہیں یعنی چہار درویش، بکاؤلی، گلستان، دیوان سودا وغیرہ کے لفظی معنی جانتے نہیں بس ان سے خمسۂ خسرو کا شعر پوچھا گیا ہے وہ بتلا نہیں سکے ہوں گے - ان کو پھیر دیا - اور دوسرے منشی کے واسطے لکھا - [۲۳] لیکن براہ شرافت ان کی کم علمی کو لکھا نہیں - اور منشی لوگوں نے کپتان سنٹ جارج صاحب سے امتحان کا ذکر کیا نہیں - اس لئے ان کو معلوم نہ ہوا - غرض میم صاحب جیسے خمسۂ خسرو لائیں میں نے دیکھا کہ اس کتاب کے حاشیہ پر جا بجا انگریزی میں کچھ کچھ لکھا ہوا ہے - اس سے میں نے سمجھا کہ بعض بعض مشکل شعروں کے معنی لکھے ہوں گے اور میں گھبرایا کہ خمسۂ مذکور میں سے میں نے صرف لیلیٰ مجنوں، ہشت بہشت اور شیرین خسرو کو دیکھا تھا - باقی دو مثنویاں دیکھی نہ تھیں - اس لئے میں نے دل ہی دل میں اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ یا اللہ میری عزت و آبرو کو بچانا - بعد ازاں کاول صاحب نے مطلع الانوار کے کئی شعر کے معنی پوچھے ان کے معنی بھی بتلائے - صاحب موصوف معنی سنکے خوش ہوئے - بعد ازاں دیوان حافظ کے چند شعر

---

(۱) بیگم کاول کا پورا نام الیزبتھ چارلس ورتھ تھا - ان دونوں کی شادی ۱۸۴۷ء میں ہوئی تھی - قلمی نسخہ میں بیگم کا نام صرف 'الی زیب' لکھا ہوا ہے -



میرا حال پوچھا بعد ازاں مجھسے کہا کہ وہ ہر مہینے میں صرف بارہ روز پڑھینگے
یہ بات سنتے ہی مجھکو بہت غصہ آگیا یعنی اوسکا مطلب یہ تھا کہ منشی لوگ
ماہانہ تیس روپئے پاتے ہیں تو یہ روز کے حساب سے پس بارہ روز کے بارہ روپئے ہوئے
اور میں جانتا تھا کہ بہت سے منشی اسطرح پر روپیہ روز کے حساب سے پڑھاتے تھے
میں نے اونکو کہا کہ میں منشی نہیں ہوں یہ کام کرتا نہیں بلکہ دفتر سرکاری میں نوکری کرچکا
ہوں صرف پاس خاطر کپتان رٹ جارج صاحب آیا ہوں اگر آپ مہینے میں
تیس روز پڑھیں تو بھی ماہانہ تیس روپیہ دینا ہوگا اور اگر مہینے میں ایک روز پڑھیں تو بھی
تیس روپئے دینے پڑینگے اور میں نے یہ بات غصہ میں کہی تھی اونکو میرے غصہ کا حال معلوم
ہوگیا تھا وہ مسکرائے اور کہا کہ تنخواہ کا جھگڑا باقی نہیں رہیگا اور مجھسے دوسرے روز
جانیکو کہا میں گیا تو مجھسے اونہوں نے کہا کہ میں امتحان دیکے سرٹیفکٹ حاصل کرنیکو نہیں
چاہتا بلکہ میں علم فارسی و اردو حاصل کرنا چاہتا ہوں جن کتابوں کے پڑھنے سے یہ بات
حاصل ہو بتلائیے میں نے بہت سی کتابوں کے نام لئے اونہوں نے وہ کتابیں منگوائیں اور
پڑھنے لگے جب جو کتاب پڑھنی کو جی چاہتا تھا اسکو پڑھتے تھے اور اونکو نادر کتابوں کے جمع
کرنیکا شوق تھا اسلئے بہت سی کتابیں وہ ایشیاٹک سوسائٹی سے لیتے تھے اور
نقل کرواتے تھے مجھسے اونہوں نے کہا پندرہ سطر کی فی جز کی لکھوائی دو آنہ کرکے دینگے

مخطوطہ کا وہ صفحہ جس پر نساخ کی پروفیسر کاول سے ملاقات اور ایشیاٹک سوسائٹی کا ذکر درج ہے ۔

پوچھے ان کے معنی بھی بتلائے ۔ بعد ازاں دیوان سودا کے اس شعر کے معنی پوچھے ۔

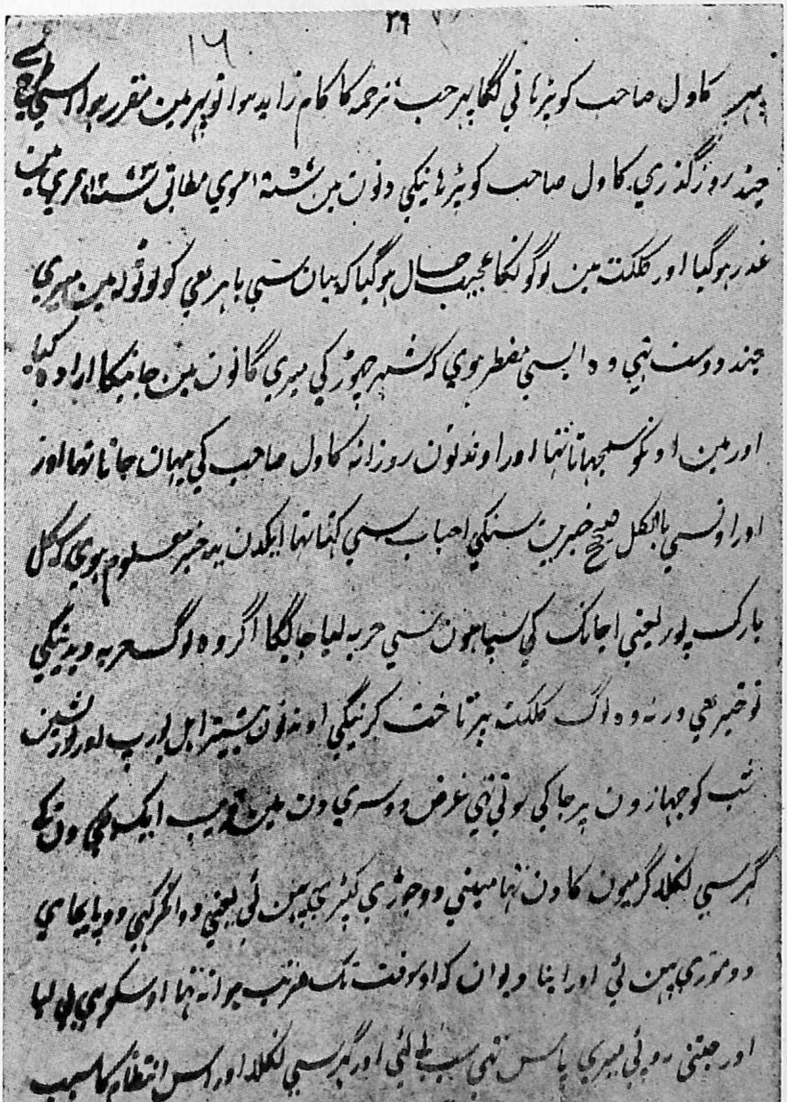
ھوا جب کفر ثابت ھے وہ تمغائے مسلمانی
نہ ٹوٹی شیخ سے زنار تسبیح سلیمانی

میں نے معنی بھی بتلائے ۔ اس پر صاحب موصوف نے کہا کہ بعض بعض شخصوں نے دوسرے معنی بتلائے ھیں ۔ اس وقت میں نے ان سے کہا کہ آپ خود ھی ایک طرح پر سمجھتے ھیں ۔ آپ انصاف سے دیکھیں کہ میں نے جو معنی بتلائے ھیں وہ معنی اچھے ھیں یا دوسرے معنی اچھے ھیں ۔ اس پر انہوں نے دونوں معنوں کا ترجمہ انگریزی میں کر لیا اور دونوں کو دیکھتے رھے ۔ آخر میز پر ھاتھ مارا اور کہا کہ آپ کے بتلائے معنی اچھے ھیں ۔ بعد ازاں کتاب بند کر دی اور مجھ سے [۲۴] میرا حال پوچھا ۔ بعد ازاں مجھ سے کہا کہ وہ ھر مہینے میں صرف بارہ روز پڑھیں گے ۔ یہ بات سنتے ھی مجھ کو غصہ آ گیا ۔ یعنی اس کا مطلب یہ تھا کہ منشی لوگ ماھانہ تیس روپے پاتے ھیں ۔ روپیہ روز کے حساب سے بس بارہ روز کے بارہ روپے ھوتے ھیں ۔ اور میں جانتا تھا کہ بہت سے منشی اس طرح پر روپیہ روز کے حساب سے پڑھاتے تھے ۔ میں نے ان سے کہا کہ میں منشی نہیں ھوں ۔ یہ کام کرتا نہیں بلکہ دفتر سرکاری میں نوکری کر چکا ھوں ۔ صرف بپاس خاطر کپتان سنٹ جارج صاحب آیا ھوں ۔ اگر آپ مہینے میں تیس روز پڑھیں تو بھی ماھانہ تیس روپیہ دینا ھوگا ۔ اور اگر مہینے میں ایک روز پڑھیں تو بھی تیس روپے دینے پڑیں گے ۔ اور میں نے یہ بات غصہ میں کہی تھی ۔ ان کو میرے غصہ کا حال معلوم ھو گیا تھا ۔ وہ مسکرائے اور کہا کہ تنخواہ کا بکھیڑا باقی نہیں رھے گا ۔ اور مجھے دوسرے روز جانیکو کہا ۔ میں گیا تو مجھے انہوں نے کہا کہ میں امتحان دیکے سرٹیفکٹ حاصل کرنے کو نہیں چاھتا ۔ بلکہ

میں علم فارسی اور اردو حاصل کرنا چاہتا ہوں - جن کتابوں کے پڑھنے سے یہ بات حاصل ہو بتلائیے - میں نے بہت سی کتابوں کے نام لئے - انہوں نے وہ کتابیں منگوائیں اور پڑھنے لگے - جب جو کتاب پڑھنے کو جی چاہتا تھا اس کو پڑھتے تھے اور ان کو نادر کتابوں کے جمع کرنے کا شوق تھا - اس لئے بہت سی کتابیں وہ اشیاٹک سوسائٹی سے لاتے تھے اور نقل کرواتے تھے - مجھ سے انہوں نے کہا پندرہ سطر کی فی جز کی لکھوائی وہ آٹھ آنہ کر کے دینگے - [۲۵] اگر میں آٹھ آنے سے کم پر کسی کو ٹھہراؤں تو باقی میرے ہونگے - یعنی چار آنہ چھ آنے جز اگر ٹھہرا سکوں تو باقی چار آنے یا دو آنے میرے ہوں گے - اور مجھے نایاب کتابوں کو ڈھونڈھ کر لانے کو کہا اور کہا تلاش کرنے میں جو محنت ہوگی اس کی اجرت بھی آپ کتاب کی قیمت میں شامل کر لیجئے اور کتاب میں نفع بھی لیجئے - اس سے مجھ کو بڑا فائدہ ہوا کہ میں نے کئی کتاب چار چار آنے جز پر ٹھہرائی اور خود روزانہ دو تین گھنٹے میں ایک جز لکھ لیتا تھا - اور نایاب کتابیں لا کے ان کے ہاتھ بیچتا تھا - اس حساب سے مجھ کو ان سے ماہانہ مع تنخواہ ساٹھ ستر اسی نوے روپے ملنے لگے - انہوں نے ایک بار مجھ سے کہا کہ میم صاحبہ بھی مجھ سے پڑھنا چاہتی ہیں - کیا دینا ہوگا ؟ میں نے کہا کہ میں جب آپ سے پڑھانیکا ماہانہ لیتا ہوں تو پھر میم صاحبہ سے کچھ نہ لونگا - اس سے وہ بہت خوش ہوئے - صاحب موصوف بارہ تیرہ زبانیں جانتے تھے، خصوصاً سنسکرت خوب جانتے تھے - ایک مہینے میں انہوں نے تین روز پڑھا - ایک مہینے میں ایک روز پڑھا - لیکن مجھ کو برابر پوری تنخواہ دیتے رہے بلکہ ایک بار وہ ایک مہینے کی رخصت لیکے پڑھنے کو گئے اور پھر آنے کے بعد ہی انہوں نے مجھ کو اس مہینے کی بھی تنخواہ دیدی - اور اکثر فارسی شعروں کے مضمون کو سن کے اچھل پڑتے تھے اور میز پر ہاتھ مارتے تھے - اور کہتے تھے ایسا عمدہ مضمون

کسی زبان میں نہیں ہے - اور اپنی میم صاجبہ کو بلا کے ان کو اس شعر کا مضمون سمجھاتے تھے - وہ بھی بہت خوش ہوتی تھیں - غرض وہ بھی مجھ سے خوش تھیں اور میں بھی [۲۶] ان سے بہت خوش رہا - اور چند روز کے بعد ھی بعض بعض صاحب نے مجھ سے پوچھا کہ کاول صاحب آپ سے پڑھتے ھیں ؟ میں نے کہا ھاں - اس پر ان لوگوں نے کہا بہت اچھی فارسی سیکھ گئے ھیں - مجھ کو اندازہ سے معلوم ہوا کہ اور صاحبوں سے کاول صاحب سے کبھی جو گفتگو ہوئی ہوگی تو وہ لوگ بند ہوگئے ہوں گے - کیونکہ وہ لوگ فقط وھی کتابیں پڑھتے ھیں جو امتحان کے لئے مقرر ھیں اور دوسری کتابوں کے حال سے واقف نہیں - اور ان کتابوں کے لفظی معنی جانتے ھیں، اصل مطلب بھی نہیں جانتے - حالانکہ کاول صاحب سب طرح کی کتابیں پڑھتے تھے - اس لئے ان کو معلومات سب سے زائد تھی - ایک دن میں ان کو پڑھا چکا اور رخصت ھو کر آنے کو تھا کہ صاحب موصوف نے ھندی 'بیتال پچیسی' نکالی کہ حرف اس کی ناگری تھی اور مجھ سے کہا کہ کل سے اس کتاب کو پڑھوں گا - یہ سنتے ھی میں مضطر ہوا کہ میں ناگری نہیں جانتا تھا اور یہ کہا بھی نہیں کہ میں ناگری نہیں جانتا - اگر میں یہ بات کہتا تو شاید تھوڑے دنوں کے واسطے میں معطل ھو جاتا اس لئے میں چپکا رہا - اور وہاں سے اٹھکے بازار کو گیا اور 'بیتال پچیسی' اور ناگری کے ابتدا کے رسالے خریدے اور لالہ رام چرن مختار کے پاس لے گیا - وہ شطرنج میں میرے شاگرد تھے - ان سے سارا حال کہدیا - وہ مسکرائے اور مجھ سے کہا کہ آپ بنگلہ جانتے ھیں آپ کو ایک روز میں ناگری آجائیگی - غرض میں نے ان سے پڑھی اور ایک ھی دن میں حروف وغیرہ یاد کر لئے اور 'بیتال پچیسی' کے کئی ورق پڑھ لیا - دوسرے روز سے صاحب موصوف کو پڑھانے لگا - غرض پوری 'بیتال پچیسی' پڑھا-دی - [۲۷] ان کو مطلق معلوم نہیں ہوا کہ میں ناگری نہیں جانتا تھا -

کاول صاحب کے پڑھانے کے چھ سات مہینے گزرا تھا کہ ایک دن میں ان کو پڑھا کے ان کی کوٹھی سے نکلا تو جی میں آیا کہ صدر دیوانی عدالت میں سیراً جاؤں کہ وہاں میرے چند احباب بھی ھیں ان سے ملاقات بھی ہو جائیگی - یہاں ایک بات لکھنے کے قابل ھے کہ میں نے کبھی امیدواری کی نہیں اور سیراً کبھی کسی کچہری میں گیا نہیں - اس روز خواہ مخواہ جی میں آیا کہ صدر دیوانی عدالت میں جاؤں - چنانچہ میں نے کمہار سے وہاں جانے کو کہا - جب پالکی وہاں پہنچی اور میں پالکی سے اتر کے بر آمدہ پر پہنچا - اس وقت رسل صاحب کا چپراسی وہاں تھا - اس نے کہا آپ رسل صاحب سے ملاقات کیجئے - حالانکہ مجھ کو ان سے رنج تھا کہ مجھ کو انہوں نے باوجود سفارش کے مترجمی کا عہدہ دیا نہ تھا - غرض چپراسی مذکور کے کہنے سے میں گیا اور چپراسی نے جو مجھ کو ان سے ملاقات کرنے کو کہا تھا اس کی غرض یہ تھی کہ اگر میں ان سے ملاقات کروں تو وہ دوسرے دن آکر مجھ سے ایک روپیہ لے جائے گا - چپراسی کے ساتھ گیا - اس نے صاحب موصوف کو خبر دی - صاحب نے مجھ کو بلا لیا اور سرو قد تعظیم کی - اور ایک کرسی پر کچھ کتابیں تھیں - ان کو خود صاحب موصوف نے اپنے ہاتھ سے اٹھا کے میز پر رکھدیں - میں اس کرسی پر بیٹھا اور مجھ سے میری [۲۸] نوشت و خواند کا ذکر پوچھا - میں نے جواب دیا - پھر پوچھا کہ آپ ترجمہ کر سکتے ھیں ؟ میں نے کہا ہاں اور یہ بھی کہا کہ میں نے قبل ازیں امتحان بھی دیا تھا لیکن انہوں نے اس پر التفات کیا نہیں اور کاغذ کے ایک ٹکڑے پر مولوی عبدالجبار مترجم کو لکھدیا کہ مجھ کو ترجمہ کرنے کیلئے دس فیصلے دیں - اور مجھ سے کہا کہ ترجمہ کر کے ان کو دکھلا دوں - میں وہ



٣٦ ١٦

پهر کاول صاحب کو پڑھانی لگا پهر جب ترجمہ کا کام زاید ہوا تو پهر مین مقرر ہوا اسکی بعد
چند روز گذری. کاول صاحب کو پڑھانیکی دنون مین سنہ ۱۲۷۳ ہجری مطابق سنہ ۱۸۵۷ عیسوی مین
غدر ہو گیا اور کلکتہ مین لوگونکا عجیب حال ہو گیا کہ یہان سی باہر بھی کو لوگونمین میری
چند دوست تھی وہ ایسی مضطر ہوی کہ شہر چھوڑ کی میری گانون مین جانیکا ارادہ کیا
اور مین انکو سمجھاتا تھا اور اوندنون روزانہ کاول صاحب کی یہان جاتا تھا اور
اونسی بالکل صحیح خبرین سنکی احباب سی کہتا تھا ایکدن یہ خبر معلوم ہوی کہ کل
بارک پور یعنی اچانک کی سپاہیون سی حربہ لیا جاویگا اگر وہ لوگ حربہ دیدینگی
تو خیر ہی ورنہ وہ لوگ کلکتہ پر تاخت کرینگی اوندنون بیشتر اہل یورپ اور نوکرنشین
شب کو جہازون پر جاکی سوتی تھی غرض دوسری دن مین قریب ایک بجی دن کی
گھر سی نکلا گرمیون کا دن تھا مینی دو جوڑی کپڑی جیب مین لی یعنی دو انگرکھی دو پایجامی
دو موزی ہمراہ لی اور اپنا دیوان کہ اوسوقت تک مرتب ہوا نہ تھا اوسکو بھی لی لیا
اور جتنی روپی میری پاس تھی سب لی لی اور گھر سی نکلا اور اس انتظام کا سبب
یہ تھا کہ اگر باغی سپاہی شہر مین آگئی تو پھر شاید پھر گھر مین آنا نہو مین جب گھر سی
نکلا تو دیکھا کہ شہر مین چالاک روشنی ہی ہر طرف انگریز لوگ سوار و پیدل مغرورانہ
دریا کی طرف جاتی ہین اب حال شہر کا مین نی کبھی دیکھا نہ تھا مین اوسی طرح کالونکا

اصل کتاب کا وہ صفحہ جہاں کلکتہ کے باشندوں پر ۱۸۵۷ء کے غدر کا اثر مذکور ہے۔

لیکے مولوی عبدالجبار کے پاس گیا ۔ انہوں نے کہا آپ کو عہدہ مترجمی پر مقرر کیا ہے لیکن کچھ کام نہیں ہے ۔ مجھ کو غصہ آیا ۔ میں نے کہا آپ فیصلے دیجئے گا یا نہیں ؟ اس پر انہوں نے دس فیصلے دیئے ۔ میں ان کو لیکے جہاں مترجم لوگ بیٹھتے تھے وہاں گیا ۔ وہاں میرے کئی دوست بھی مترجم تھے ۔ انہوں نے حال سنکے کہا کہ کام تو نہیں ہے کیونکر آپ مقرر ہوئے ؟ بعد ازاں میں ترجمہ کر کے رسل صاحب کے پاس لے گیا ۔ انہوں نے تین ترجمہ سن کے سب پر دستخط کر دیئے اور ایک کاغذ پر پھر مولوی عبدالجبار صاحب کو لکھدیا کہ وہ روزانہ دس فیصلے ترجمہ کرنے کو دیں ۔ غرض میں ٹھیکا مترجم مقرر ہوگیا ۔ اس کو تقدیر کہتے ہیں ۔ اس مہینے میں مجھ کو ڈھائی سو روپے ملے ۔ پھر اس سے زاید، غرض میں کسی روز بیس ۲۰ روپیہ سے کم کا کام کرتا نہ تھا بلکہ بعض روز چالیس روپیہ کا کام بھی کیا ۔ بعض مہینے میں نو سو و ہزار روپے بھی پائے ہیں ۔ میں نے اس تقرر کی خبر کاول صاحب کو دی ۔ وہ بھی سن کے خوش ہوئے ۔ اور وہ فارسی چھوڑ کر سنسکرت پڑھنے لگے ۔ جب ترجمے کا کام تمام ہوگیا تو میں [۲۹] پھر کاول صاحب کو پڑھانے لگا ۔ پھر جب ترجمہ کا کام زائد ہوا تو پھر میں مقرر ہوا ۔ اسی طرح سے چند روز گذرے ۔

۱۸۵۷ء کا غدر اور کلکتہ

کاول صاحب کو پڑھانے کے دنوں میں ۱۸۵۷ء مطابق ۱۲۷۳ھ میں غدر ہوگیا ۔ اور کلکتہ میں لوگوں کا عجیب حال ہوگیا کہ بیان سے باہر ہے ۔ کولو ٹولہ میں میرے چند دوست تھے، وہ ایسے مضطر ہوئے کہ شہر چھوڑ کے میرے گاؤں میں جانیکا ارادہ کیا ۔ اور ان کو سمجھاتا

تھا اور اندنوں روزانہ کاول صاحب کے یہاں جاتا تھا اور ان سے بالکل صحیح خبریں سن کے احباب سے کہتا تھا۔ ایک دن یہ خبر معلوم ہوئی کہ کل بارک پور یعنی چانک (۱) کے سپاہیوں سے حربہ لے لیا جائے گا۔ اگر وہ لوگ حربہ دے دیں گے تو خیر ہے ورنہ وہ لوگ کلکتہ پر تاخت کریں گے۔ اندنوں بیشتر اہل یورپ اور یوریشین شب کو جہازوں پر جا کے سوتے تھے۔ غرض دوسرے دن میں قریب ایک بجے دن کے گھر سے نکلا۔ گرمیوں کا دن تھا۔ میں نے دو جوڑے کپڑے پہن لئے یعنی دو انگرکھے دو پاجامے دو موزے پہن لئے اور اپنا دیوان کہ اس وقت تک مرتب ہوا نہ تھا، اس کو بھی لے لیا اور جتنے روپے میرے پاس تھے سب لے لئے اور گھر سے نکلا۔ اور اس انتظام کا سبب یہ تھا کہ اگر باغی سپاہی شہر میں آ گئے تو پھر میرا گھر آنا نہ ہوگا۔ جو گھر سے نکلا تو دیکھا کہ شہر میں خاک اڑ رہی ہے۔ ہر طرف انگریز لوگ سوار و پیدل مضطرانہ دریا کی طرف جاتے ہیں۔ ایسا حال شہر کا میں نے کبھی دیکھا نہ تھا۔ میں اسی طرح کاول صاحب [۳۰] کی کوٹھی میں گیا تو معلوم ہوا کہ چار بجے تحقیق حال معلوم ہو جائیگا کہ باغیوں نے ہتھیار دے دیا یا نہیں۔ میں انکے مکان سے نکلا اور ایک دوست کے یہاں گیا اور دیکھا کہ سب گھر کا گھر مضطر ہے۔ سب کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی ہیں۔ قریب چار بجے کے میں پھر کاول صاحب کے یہاں گیا۔ اور چار بجے کے بعد وہاں پہنچا۔ اور سنا کہ باغیوں نے ہتھیار دے دیا۔ اس کے سنتے ہی ایسی خوشی ہوئی کہ کچھ کہہ نہیں سکتا۔ میں جلد از جلد وہاں سے نکلا۔ اور چند دوست عزیز کے مکان میں گیا اور ان کو سب حال کہدیا۔ سب خوش ہوئے۔

(۱) بارکپور کا پرانا نام ''چانک'' ہے۔

اور یہ خبر آناً فاناً ترھٹی بازار و کولوٹولہ وغیرہ میں مشہور ہوگئی۔ بعد ازاں اس شب کو باوجود ایسے خبر خوش کے مجھ کو اپنے مکان سے آنے دیا نہیں۔ اپنے مکان میں رکھا۔ دوسرے روز میں مکان میں آیا اور ھتھیار دے دینے کی بات مشہور ہوگئی۔ شہر میں ہر طرف امن ہوگیا۔

مولوی رشیدالنبی اور حافظ ضیغم سے ملاقات

میں ڈھاکہ سے پھر کے آنے کے بعد ھوگلی میں جناب استاذی مولوی رشیدالنبی صاحب سے ملنے کو گیا اور دیکھا کہ ان کو سرکاری کام سے بالکل فرصت نہیں ہے۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ جناب حافظ اکرام احمد صاحب ضیغم کلکتہ میں ہیں۔ تم ان سے اصلاح لو۔ بعد ازاں میں چلا گیا۔ ھوگلی میں مولوی معین‌الدین صفدر خان بہادر اعلیٰ صدر امین سے بھی ملاقات ہوئی۔ کلکتہ میں جناب حافظ ضیغم صاحب سے ملاقات کی اور ایک [۳۱] زمین کی تین غزلیں ان کو دکھلائیں۔ اور ان سے عروض پڑھی۔ اور بعض بعض صنائع و بدائع شعری بھی انہوں نے بتلائے۔ ایسا جامع کمالات آدمی نظر نہیں آیا۔ بلکہ شاید ان کے عہد میں ساری دنیا میں ایسا آدمی نہ تھا۔ کوئی علم کوئی حرفہ کوئی فن نہ تھا جس میں ان کو معقول دخل نہ تھا۔ اور بہت سی باتوں میں کمال رکھتے تھے۔ عروض و صنائع و بدائع میں ایسا کمال تھا کہ ان کی ایک غزل بیس پچیس بحروں میں ہے۔ اور آج تک اتنی بحروں میں کسی شاعر عرب و عجم کا ایک شعر بھی نظر سے گزرا نہیں۔ میں نے 'تذکرۂ سخن شعراء' میں پوری غزل تقطیع کر کے لکھدی ہے۔ یہاں فقط مقطع لکھدیتا ہوں :

جان تیرے غم میں ہے دی اب تو جو کچھ ہو سو ہو

شوخی یہ ہمنے بھی کی اب تو جو کچھ ہو سو ہو

طب یونانی و انگریزی و ہندی میں ایسا کمال رکھتے تھے کہ پچاس پچاس سو سو جزو کا نسخہ ترتیب دیتے تھے کہ غالباً ابھی ایسا نہ کوئی طبیب ہے نہ ڈاکٹر کہ اتنے جزو کا نسخہ ترتیب دے سکے - چنانچہ 'عرق حیات' کا نسخہ اس کے واسطے دلیل کافی ہے - اور ہزاروں نسخے جو ان کو فقیروں اور جوگیوں سے ملے تھے وہ ایسے تھے کہ کسی کو معلوم نہیں اور کسی کتاب میں نہیں ہیں - اور کیمیا گر تھے جواہرات بنانا جانتے تھے - اور استغنا حد درجہ کا تھا - تین تین روز تک فاقہ تھا اور چہرہ پر ملال نہیں - تیور پر کبھی میل نہ آتا تھا - نواب عبدالغنی صاحب سی - ایس - آئی نے مجھے کہا ہے کہ حافظ صاحب نے ان کو ہیرا بنا دیا تھا - میں نے حافظ صاحب سے [٣٢] علم رمل بھی سیکھا تھا مگر مجھ کو وہ علم پسند نہ آیا -

علم جفر، نجوم، رمل اور عملیات کا سیکھنا

انہیں دنوں میں مرزا غلام حسین گلاگیتی سے ملاقات ہوئی - یہ امرائے سندھ کے استاد تھے - بڑے خوش نویس تھے اور بہت سے فنون میں دخل رکھتے تھے اور مہوّسی کرتے تھے، نہایت وارستہ مزاج تھے - میر محمد علی تالپر وغیرہ اور امرائے سندھ جب ان کو کہیں راستے میں پاتے تھے تو پکڑ کر لے جاتے تھے اور یہ موقع پاکر بھاگ آتے تھے - ان سے میں نے علم جفر سیکھنا شروع کیا تھا - اتمام کو پہونچا نہ تھا کہ ان کا انتقال ہوگیا -

انہیں دنوں مجھ کو معلوم ہوا کہ مرزا محمد علی بیگ متخلص بہ علی کو غالب و مغلوب کی دریافت کرنے کا حساب معلوم ھے۔ ان سے مجھے آگے سے ملاقات تھی۔ میں اس حساب کو سیکھنے کے لئے ان کے مکان پر ملنے گیا۔ میں بعد نماز جمعہ جایا کرتا تھا۔ لیکن مجھ کو انداز سے معلوم ہوا کہ وہ یوں نہیں بتلائیں گے۔ میں بھی ابجد کے حساب سے بعض بعض حکم لگانے کا قاعدہ جانتا تھا۔ میں نے وہ قاعدے ان کو بتلائے۔ اور انہوں نے غالب و مغلوب کا قاعدہ اس کے بدلے میں بتلا دیا۔ ایک دن وہاں شیخ محمد حسین لکھنوی معروف بہ مرشد سے ملاقات ہوئی اور معلوم ہوا کہ ان کو نجوم میں بڑا دخل ھے۔ میں نے ان سے نجوم سیکھنے کی استدعا کی۔ مرزا محمد علی صاحب نے بھی سفارش کی۔ شیخ صاحب نے مجھ کو دوسرے دن اپنے مکان میں بلایا۔ میں ان کے مکان واقع مچھوا بازار میں گیا [۳۳] تو دیکھا کہ وہ دبکئی کا کام کرتے ھیں۔ میں نے ان سے نجوم سیکھنا شروع کیا۔ انہوں نے مجھ کو اس کے قاعدے زبانی لکھوائے اور پندرہ روز میں میں حکم لگانے لگا۔ انہوں نے مجھ کو شگون سے حکم لگانے کا قاعدہ بھی بتلایا اور معلوم ہوا کہ بڑے عاقل ھیں اور رمل میں بھی خوب دستگاہ رکھتے ھیں۔ میں نے چاہا کہ ان سے رمل کی تکمیل کروں۔ اور پھر رمل کی کتاب پڑھنے لگا۔ پھر ناپسند ہوا اس لئے چھوڑ دیا۔ حالانکہ میں رمل سے حکم لگا سکتا تھا۔ میرے سبب سے اور احباب بھی ان کے پاس جانے لگے۔ اور ان کے کام میں حرج ہونے لگا تو میں نے ان کو میرے دوست پھیرو داس جوھری اور نسیم اسحاق یہودی سے ملایا اور ان سے کہدیا کہ مرشد کو جواھرات اور اسباب بیچنے کو دیا کریں۔ چنانچہ مرشد ان سے جواھرات وغیرہ اسباب لاتے تھے اور بیچتے تھے۔ اس میں

نفع بھی اچھا ہوتا تھا ۔ اور وقت بھی فرصت کا بہت ملتا تھا ۔ اس طرح سے انہوں نے دبکئی چھوڑ دیا اور اب اُن کے کمال کا شہرہ ہونے لگا ۔ حکم تو ایسا لگاتے تھے کہ کسی منجم کو دیکھا نہیں ۔ منہ سے سوال نکلا اور انہوں نے جواب دیا ۔ نہ لکھا نہ زائچہ کھینچا نہ زائد دیر تک حساب کرنا' کچھ نہ تھا ۔ انہوں نے مجھ کو بہت سے اعمال حب اور بغض کے بتلائے ۔ میں نے عمل حب کی زکواۃ دی لیکن مجھ کو عمل حب کے کرنے کی ضرورت کبھی ہوئی نہیں ۔ کئی بار تعویذ بغض کو استعمال کیا اور اسی شب کو اس کا فائدہ مترتب ہوا ۔

ایک بار کلکتہ میں میں نے دو شخص کے واسطے تعویذ بغض لکھکر مولوی عصمت اللہ صاحب [۳۴] متخلص بہ انسخ کو دیا کہ وہ اس کو کسی پرانی قبر میں دفن کردیں ۔ انہوں نے اس کو نواب وزیر علی لکھنوی کی قبر کی دراڑ میں رکھدیا ۔ اسی شب کو تعویذ کے مؤکل کو انہوں نے خواب میں دیکھا اور ان سے کہا تھا کہ مجھ سے یہ کام نہ ہوگا ۔ تم اس چیز کو جو قبر میں رکھی ہے نکال لو مجھ کو تکلیف پہنچتی ہے ۔ مولوی صاحب مذکور نے مجھ سے یہ بات کہی ۔ میں نے اس تعویذ کو وہاں سے نکال لینے کو منع کیا ۔ غرض وہ کام نکلا نہیں اور اس روز کے بعد سے اس تعویذ کا اثر جاتا رہا ۔ شیخ محمد حسن صاحب سے مجھ کو مختلف اقسام کے فائدے پہنچے ۔ انہیں دنوں جناب محمد یار خان صاحب سے ملاقات ہوئی ۔ ان کو میں لڑکپن سے پہچانتا تھا لیکن ملاقات نہ تھی ۔ ان سے مجھ کو بہت سے عمدہ نسخے ملے ۔ اور تھوڑے سے عجیب و غریب نسخے وہ جانتے تھے ۔ ایسے دوست با وفد و خیر خواہ بھی کم ہوتے ہیں ۔ ان سے مجھ کو بڑے بڑے فائدے پہنچے ہیں ۔

مشاهیر وقت کے ساتھ شطرنج کی بازیاں کھیلنا

انہیں دنوں حکیم مرزا بزرگ شیرازی متخلص بہ وفا سے ملاقات ہوئی۔ ان کے یہاں جایا کرتا تھا۔ ایک دن جا کے دیکھا کہ وہ ایک شخص سے شطرنج کھیلتے ہیں اور اس شخص کی بازی بہت کمزور ہے اور ان دنوں شہر میں میرے شطرنج (کھیلنے) کا شہرہ تھا۔ اور میں نے اس طرح پر شطرنج سیکھی تھی کہ ایک دن عالم طالب العلمی میں جب میرا سن دس گیارہ برس کا تھا مسٹر کلنگر ہیڈ ماسٹر مدرسہ نے ایک بجے دن کو مجھ سے کہا کہ تم جناب حافظ احمد کبیر صاحب امین مدرسہ کی گھڑی [۳۵] مانگ لاؤ تاکہ اسکول کی گھڑی ملا لیں۔ میں حافظ صاحب موصوف کے کمرے میں گیا۔ دیکھا کہ وہ شطرنج کھیل رہے ہیں۔ میں نے ان سے گھڑی مانگی۔ انہوں نے گھڑی دی اور مجھ سے پوچھا کہ شطرنج جانتے ہو یا نہیں؟ میں نے کہا نہیں جانتا۔ انہوں نے مجھ سے کہا تمہارے والد مرحوم شطرنج میں بڑے استاد تھے اور تمہارے بھائی یعنی نواب عبد اللطیف خان بہادر بھی شطرنج کھیلتے ہیں اور تم نہیں جانتے! اس بات کا اثر میرے دل پر ایسا ہوا کہ میرے جی میں آیا کہ میں بھی شطرنج سیکھوں۔ چنانچہ ایک بجے اسکول میں ایک گھنٹے کی چھٹی ناشتہ کرنے کو ملتی تھی۔ میں اس وقت جلد ناشتہ کر کے حافظ صاحب موصوف کے کمرے میں جاتا تھا اور شطرنج دیکھتا تھا اور کبھی تیسرے پہر کو اسکول کے بعد بھی جاتا تھا اور شطرنج دیکھتا تھا۔ آخر چالیں شطرنج کی معلوم ہوگئیں اور میں کبھی کبھی حافظ صاحب کی طرف چال بتلاتا تھا اور جو لوگ وہاں ہوتے تھے سب حافظ صاحب کو چال بتلاتے تھے۔ ان کے حریف

بیشتر مولوی فضل احمد صاحب محرر صدر دیوانی عدالت کلکتہ ہوتے تھے ان کو کوئی بتلاتا نہ تھا۔ اور اکثر ایسا ہوتا تھا کہ حافظ صاحب کو میں جو چال بتلاتا تھا اس چال کو لیتے تھے اور لوگوں سے کہتے تھے کہ اس لڑکے نے جو چال بتلائی ہے میں وہی چال چلوں گا۔ ان دنوں میں کبھی کبھی مدرسہ کے اور ایک طالب علم کے ساتھ دوسرے کمرے میں شطرنج کھیلتا تھا۔ اس میں حافظ صاحب بھی کبھی آ جاتے تھے تو وہ میرے حریف کی طرف چال بتلاتے تھے اور میں ہار جاتا تھا۔ اس سے مجھ کو رنج ہوتا تھا لیکن کیا کرتا چارہ نہ تھا۔ [۳۶] حالانکہ حافظ صاحب میرے حریف کی طرف چال بتلا کے میری چال بڑھاتے تھے۔ ایک بار کرنل ریلی صاحب سکریٹری مدرسہ عالیہ کے صاحب زادے مدرسہ میں آئے اور شطرنج کا ذکر کیا۔ اس میں حافظ احمد کبیر صاحب مجھ کو لیگئے اور کہا یہ بہت اچھا کھیلتا ہے۔ اس وقت میرا سن تیرہ برس سے زائد نہ ہوگا۔ انہوں نے کئی نقشے رکھے۔ بعض نقشہ میں نے نکالا، بعض نقشہ نکال نہ سکا۔ صاحب موصوف بہت خوش ہوئے۔

انہیں دنوں خواجہ میرن جان صاحب ابن خواجہ حسین علی خاں صاحب مرحوم عظیم آبادی کلکتہ میں آئے۔ ان کے اور حافظ صاحب کے درمیان شطرنج (کی بازی) ہوئی۔ ان کی چال میری دانست میں حافظ صاحب کی چال سے اچھی تھی۔ لیکن وہ بہت دیر سے چلتے تھے اور اکثر پھیر لیتے تھے۔ غرض جب تک حافظ صاحب جیتے رہے تب تک میں کھیلتا کم تھا۔ ان کے مرنے کے بعد کھیلنے لگا۔ اور میرے شطرنج (کھیلنے) کا شہرہ ہوا۔ ایک بار منشی اکبر علی صاحب منصف بہار کلکتہ آئے اور میرے دوست منشی سراج الدین صاحب ابن منشی الٰہی بخش صاحب پیشکار صدر

دیوانی عدالت کلکتہ کے سسر منشی عالم علی صاحب سررشتہ دار کمشنری بھاگلپور کے مکان پر مہدی باغ میں ٹھہرے ان کو شطرنج کا بہت شوق تھا۔ منشی سراج الدین صاحب مجھ کو وہاں لے گئے۔ میں نے جا کے دیکھا کہ بوڑھے چند لوگ جمع ہیں۔ غرض میں منشی اکبر علی صاحب سے کھیلنے لگا۔ اور سب بوڑھے لوگ ان کی طرف بتلانے لگے۔ برابر وہ لوگ مات ہوتے گئے۔ اس میں منشی اکبر علی صاحب نے [۳۷] مجھ سے پوچھا کہ یہاں شطرنج کھیلنے والے کون کون ہیں ؟ میں ان کو مولوی غلام عیسیٰ صاحب محرر صدر دیوانی عدالت کے یہاں لے گیا۔ وہاں ہر یکشنبہ کو شہر کے شاطر جمع ہوتے تھے۔ اور کھیلتے تھے اور کبھی اور دنوں میں اور تعطیل کے دنوں میں بھی کھیلتے تھے۔ وہاں حافظ باقر لکھنوی اور مولوی امجد علی لکھنوی شیخ رحیم اللہ مختار بہاری و مولوی عبدالستار بردوانی و مولوی طریق اللہ جسری وغیرہ احباب شطرنج کھیلنے کو جمع ہوتے تھے۔ ان دنوں خواجہ سلطان جان صاحب متخلص بہ سلطان ابن خواجہ حسین علی خاں مرحوم بھی کلکتہ میں آئے۔ ان کو بھی شطرنج کا شوق تھا۔ ایک شب کو گیارہ بجے ہم لوگ دس بارہ آدمی ان سے شطرنج کھیلنے کو گئے۔ وہ اکیلے تھے اور ہم لوگ سب ایک طرف تھے۔ میں نے اپنے ہمراہوں سے کہا کہ دو چار آدمی ان کی طرف بتلائیں۔ مگر کسی نے مانا نہیں۔ مولوی غلام عیسیٰ صاحب ان سے کھیلنے لگے اور سب ان کی طرف بتلانے لگے۔ مجھ کو یہ بات ناگوار معلوم ہوئی کہ اتنے لوگ مل کے اگر ایک شخص سے جیتے تو کیا کمال کیا۔ آخر میں فقط خواجہ صاحب کی طرف بتلانے لگا۔ وہ بازی وہ جیتے اس کے بعد اور دو بازیاں بھی خواجہ صاحب جیتے۔ بعد ازاں ہم لوگ چلے آئے۔ منشی اکبر علی صاحب نے راستے

میں مجھ سے کہا کہ آپ کے سبب سے خواجہ صاحب جیتے اور ہم لوگ ہارے - میں نے کہا اسی سبب سے میں نے کہا تھا کہ دو چار آدمی کو چاھئے تھا کہ ان کی طرف بتلاتے اور میں مولوی غلام عیسیٰ صاحب کو بتلاتا تو مولوی صاحب جیتتے اور [۳۸] کسی طرح کی شکایت بھی نہ ھوتی - اندنوں نواب امیر علی خان بہادر کو بھی شطرنج کا شوق ہوا اور وہاں بھی شطرلج ھوتی تھی اور ان کے برادر نسبتی مولوی فدا علی خاں صاحب ڈیپوٹی مجسٹریٹ سے مجھ سے جانی دوستی تھی - اس لئے گویا روزانہ میں وہاں جاتا تھا - اس میں شب برات کے روز میں مولوی فدا علی صاحب سے ملنے کو گیا اور ان کے کمرے میں بیٹھا - اس میں دیکھا کہ دالان میں شطرنج ھوتی ھے - میں بھی وہاں گیا - اس میں مولوی وحید صاحب نامی ایک شخص باشندہ بہار نے نواب امیر علی خان بہادر سے میری شطرنج کی تعریف کی اور اپنے پاس بٹھلانے کو چاھا - تا کہ میں نواب امیر علی خاں کی طرف بتلاؤں لیکن چونکہ مولوی غلام عیسیٰ صاحب کھیلتے تھے - مجھ کو ضرور ہوا کہ میں ان کی طرف بتلاؤں - چنانچہ میں مولوی غلام عیسیٰ صاحب کے پاس بیٹھا اور دیکھا کہ ان کی بازی نہایت ابتر ھے اور ایک چال میں ان کی بازی حکمی مات ھوتی ھے اور وہ مضطر ھیں - میں نے دیکھا کہ نواب صاحب کی بازی چار چال میں وزیر دیکے مات ھو جاتی ھے - میں نے مولوی صاحب سے وزیر کٹوا دینے کو کہا - انہوں نے کہا کچھ حاصل نہیں ھے - اس سے میں سمجھا کہ ان کو آخری مات کی چال معلوم ھوئی نہیں - میں نے اپنے ہاتھ میں وزیر کو لے لیا اور کہا یہ بازی میں ھار جاؤں گا - یہ کہہ کے وزیر کو کٹوا دیا - مولوی صاحب منع کرتے رھے میں نے سنا نہیں - آخر جب مات ھوگئی تو مولوی صاحب نے کہا کہ انہوں

نے آخری چال دیکھی نہ تھی - [۳۹] بعد ازاں پھر دوسری بازی ہوئی - اس میں بھی نواب صاحب بازی ہار گئے - مولوی صاحب جیتے - بعد ازاں مجھکو اور ایک جگہ آتشبازی دیکھنے کی دعوت تھی، میں وہاں چلا گیا -

شطرنج کے سبب سے مجھ سے خواجہ میرن جان صاحب سے نہایت درجہ ربط تھا اور شب کو بعد شطرنج کے ان کے مکان میں سو رہتا تھا - وہ عمدہ شطرنج کھیلتے تھے - ایک دن وہ کئی بازی ہار گئے - بعد ازاں مجھ سے کہا کہ پانچ پانچ روپیہ کی شرط رکھو - میں نے کہا کہ بازی حرام ہے - انہوں نے سنا نہیں - آخر وہ بازی بھی ہار گئے مگر مجھ کو روپے دیا نہیں کہ وہ جانتے تھے کہ میں ہرگز نہ لونگا - بعد چند روز کے میں ایک روز ایک بجے دن کو ان کے مکان پر گیا اور دیکھا کہ وہ سوتے ہیں - گرمی شدت کی پڑتی تھی - میں نے انگرکھا اتار کے پلنگ پر رکھدیا اور سو رہا - قریب چار بجے کے چونکا - اور دوسرے کمرے میں خواجہ صاحب کی آواز پائی - میں نے انگرکھا پہنا تو معلوم ہوا کہ انگرکھے کی جیب میں روپے ہیں - حالانکہ اس وقت میری جیب میں روپے نہ تھے - میں نے گن کے دیکھا کہ پانچ روپے ہیں - میں سمجھ گیا کہ خواجہ صاحب نے خود چپکے سے رکھدئے ہیں - اور میں نے خیال کیا اگر یہ روپے واپس کروں تو ان کو رنج ہوگا کہ انہوں نے اپنے وعدے کو وفا کیا - اور مجھ کو ہرگز اس روپے کو لینا منظور نہ تھا - آخر میں نے روپے رکھ لئے کہ آیندہ دیکھا جائیگا - کیا ہوا 'حساب دوستاں در دل' [۴۰] پر عمل کرونگا - اور میں جانتا تھا کہ خواجہ صاحب کبھی

اپنے کپڑے میں جیب نہیں رکھتے اور اپنے ساتھ روپے نہیں رکھتے لیکن جب ان کے ساتھ کوئی مصاحب رفیق یا خدمت گار ہوتا تھا تو ان کے ساتھ روپے ہوتے تھے۔ اور جب تیسری پہر کو بگھی پر سیر کو نکلتے تھے تو ان کے ساتھ کبھی کبھی کوئی رفیق یا مصاحب یا خدمت گار ہوتا نہ تھا، سائیس ہوتا تھا۔ اس کے پاس روپے ہوتے نہ تھے اور اکثر سیر میں میں ساتھ ہوتا تھا۔ اس روز سے میں نے لازم کیا کہ ہر وقت اپنے ساتھ روپے رکھوں۔ ایک دن ان کے ساتھ سیر کو گیا۔ وہاں سے وہ اپنے ایک دوست کے مکان پر گئے۔ وہاں پھول والا آیا۔ خواجہ صاحب نے چھ روپے کے پھول خریدے۔ لیکن ان کے پاس روپے نہ تھے۔ مجھ سے انہوں نے چپکے سے روپے کی بات پوچھی۔ میں نے کہا کہ روپے موجود ہیں۔ چنانچہ میں نے چھ روپئے دیدیئے۔ اور میں اس بات سے نہایت خوش ہوا کہ خواجہ صاحب نے وہ روپے مجھ کو پھر دیئے نہیں، کیوں کہ وہ دیتے تو مجھ کو نہایت ہی رنج ہوتا اور وہ اس بات کو جانتے تھے کہ میں وہ روپے ہرگز نہ لونگا۔ یہ تینوں بھائی یعنی خواجہ سلطان صاحب اور خواجہ حسن جان صاحب اور خواجہ میرنجان صاحب سب نہایت درجہ کے سخی تھے۔ لیکن میں ان دنوں میں ان بزرگوں کے حال سے زائد واقف نہیں تھا۔ اور ان لوگوں سے مجھ سے دن رات کی ملاقات نہ تھی مگر خواجہ میرن جان صاحب سے دن رات کی ملاقات تھی اور ان کے تمام حالات سے میں بخوبی واقف تھا۔ [۴۱] ان میں ایک بڑی صفت ایثار کی تھی۔ ایک دن ہم لوگ شطرنج کھیل رہے تھے۔ اس میں ایک غریب بھلے آدمی آئے اور سوال کیا۔ اس وقت خواجہ صاحب کے مکان میں کسی کے پاس کچھ نہ تھا۔ خواجہ

صاحب اِدھر اُدھر دیکھنے لگے ۔ آخر اپنے چھوٹے چچا کی تصویر جس میں جا بجا چاندی کے پتر لگے ہوئے تھے ایک خدمت گار کو دی کہ گرو رکھ کے جو کچھ ملے لے آئے ۔ چنانچہ وہ گرو رکھ کے دو روپے لایا وہ روپے اس شخص کو دیدیئے ۔ ایک بار سیر کو جانے لگے اور بگھی مکان کے دروازے پر کھڑی تھی ۔ ہم لوگ دو منزلہ سے اتر کے بگھی کے پاس پہنچے ۔ اس وقت ایک شخص آ گیا اور سوال کیا ۔ اس وقت بھی سارے گھر میں کچھ نہ تھا ۔ خواجہ صاحب ٹہلنے لگے اور کچھ بولتے نہ تھے ۔ آخر سائیس سے کہا کہ گھوڑا باندھ دے اس نے ویسا ھی کیا ۔ لیکن یہ کچھ نئی بات نہ تھی ۔ کبھی کبھی ایسا ھوا ھے کہ وہ بگھی کے پاس سے پھر گئے ھیں ۔ جب سائس نے گھوڑے کو اصطبل میں باندھ دیا تو خواجہ صاحب نے سائس سے کہا کہ آپ اس بگھی کو لے جائیے ۔ وہ ایک مزدور بلا کر بگھی کو لے گیا ۔ اسی طرح سے اور لوگوں کو حقہ وغیرہ میرے سامنے دے دیا ھے ۔ اور ان کا یہ قاعدہ تھا کہ دستر خوان پر جو آجائے وہ کھائے ۔ ان کے بہت سے حالات قابل لکھنے کے ھیں لیکن اس مختصر میں اس کی گنجائش نہیں ۔ ایسے دوست وفادار بہت کم ہوتے ھیں ۔

ایک بار مشاعرہ میں ایسا اتفاق ھوا کہ لوگوں نے چاھا کہ میری اور منشی مسیح الدین متخلص بہ [۴۲] تمناؔ نواسۂ منشی امیر مرحوم نامی زمیندار ضلع بست و چہار پرگنہ، شاگرد مولوی رشید النبی وحشت، کی شطرنج دیکھیں ۔ وہ سیالدہ متعلق چوبیس پرگنہ میں شطرنج میں مشہور تھے ۔ ہم دونوں آدمی ایک استاد کے شاگرد تھے اور ہم لوگ

کوئی نہیں چاہتے تھے کہ آپس میں شطرنج کھیلیں ۔ اس میں قبل ازیں ایک بار مدرسہ کے چند احباب نے ہم لوگوں کو شطرنج کھیلنے کے لئے جبر کیا ۔ آخر مجبور ہوئے کھیلنے میں ۔ میں نے دیکھا کہ ان کی شطرنج اچھی نہیں ھے اور وہ مات ہوجائیں گے اور ان کا مات ہو جانا بھی مجھکو منظور نہ تھا ۔ اس لئے میں اس طرح چال چلا کہ آخر کو بازی قائم ہوگئی اور میں ان کی چال سے خوب واقف تھا ۔ مشاعرہ میں ہم لوگوں کو سبھوں نے کھیلنے کو گرفت کیا ۔ آخر شطرنج شروع ہوئی ۔ کچھ لوگ ان کی طرف بتلانے لگے ۔ وہ موقع بازی کو قائم کرنے کا نہ تھا ۔ وہ ہار گئے ۔ اس وقت حکیم آغا محمد نامی ایک شخص نے کہ مجھ سے رنج رکھتے تھے میرا نام لیکے لوگوں سے کہا کہ یہ تو مشہور استاد ھیں سب لوگ منشی مسیح الدین صاحب کو بتلائیں اور حکیم مذکور کی غرض یہ تھی کہ کسی طرح میں ہار جاؤں اور خفیف ہوں ۔ اس وقت وہاں سینکڑوں لوگ جمع تھے ۔ بہت سے لوگ بیٹھے تھے اور بہت سے لوگ رکوع کے حال میں تھے اور بہت سے لوگ کھڑے تھے ۔ سب منشی مسیح الدین کو چال بتلاتے تھے ۔ غرض اس جلسہ میں ان کی نو بازیاں مات ہوئیں ۔ انہوں نے کھیلنے سے ہاتھ اٹھایا ۔ [۴۳] اس کے ساتھ ہی حکیم آغا نے ان کو اور کھیلنے کو کہا مگر انہوں نے انکار کیا ۔

ایک بار میں حالت بیکاری میں مکان سے نکلا کہ خواجہ میرن جان صاحب کے مکان جاؤں ۔ اس درمیان میں جناب بیلی صاحب کا چپراسی ایک خط لیکر آیا ۔ اس میں لکھا تھا کہ پچاس روپے کی ایک نوکری خالی ھے ۔ کل گیارہ بجے آؤ تو مل سکتی ھے ۔ اگر دیر ہوگی

تو نہیں ملے گی۔ میں خط کو لیکے خواجہ صاحب کے مکان گیا اور شطرنج کھیلتا رہا۔ شب کو وہیں سو رہا۔ دوسرے دن صبح کو چاہا کہ مکان میں آؤں۔ خواجہ صاحب خط کے حال سے آگے واقف ہو چکے تھے، بولے کہ درباری کپڑا منگوا لیجئے اور یہیں سے بیلی صاحب کی کوٹھی میں جایئے گا۔ میں نے ان کے ایک خدمت گار سے کپڑا منگوا لیا اور شطرنج شروع ہو گئی۔ یہاں تک کہ گیارہ بج گئے اور میں جا نہ سکا۔ مجھ کو نہایت نا گوار ہوا اور اس روز خواجہ صاحب کو ایک کاغذ سن کے دستخط کرنا ضروری تھا اگر اس روز دستخط نہ کریں تو کئی ہزار روپے کا نقصان ہو جائیگا۔ ان کے عملے کاغذ لکھکر دستخط کرانے کو لائے تھے۔ لیکن شطرنج کے سبب سے ان کو اس کاغذ کے سننے کی فرصت نہیں ہوئی۔ آخر ان کا بھی کئی ہزار روپے کا نقصان ہوگیا۔ دوسرے دن میں نے ایک خط بیلی صاحب کو لکھا کہ کل اتفاق سے مجھ کو تپ آ گئی تھی اس لئے جا نہ سکا۔ یہ بات ایک بارگی غلط تھی اور اس جھوٹ کہنے کا ایسا صدمہ ہوا کہ اس روز سے میں نے شطرنج چھوڑ دی اور پھر آج تک میں نے شطرنج کھیلا نہیں۔ مگر کبھی کبھی کسی کو چال بتلاتی ہے۔ میں نے اپنے سے بہتر شطرنج باز [۴۴] دھلی میں شیخ عبدالحکیم کو اور ڈھاکہ میں شہزادہ رحیم الدین دھلوی کے صاحبزادے کو دیکھا ہے۔ ان کا نام یاد نہیں ہے۔ میں شطرنج کے سوائے پچیسی، گنجفہ، تاش، داما بھی کھیلتا تھا اور سب کھیلوں میں اچھا دخل رکھتا تھا۔ اور کبڈی اور کریکٹ ایسا کھیلتا تھا کہ مدرسہ کے طلباء میں مجھ سے بہتر کوئی نہ کھیلتا تھا۔

شاہ طریق اللہ مجذوب اور دیگر اشخاص سے ملاقات کا حال

غدر کے دنوں میں شاہ طریق اللہ مجذوب سدا سہاگ میرے مکان میں رہتے تھے اور خواجہ میرن جان صاحب ان کی ملاقات کے نہایت مشتاق تھے۔ ایک دن میں شاہ طریق اللہ صاحب کو بعد شام خواجہ میرن صاحب کے مکان میں لے گیا۔ دیکھا کہ وہاں میر محمد واجد صاحب اور چند شخص ہیں۔ بیچ میں ایک گاؤ تکیہ ہے اس کے دو طرف سے لوگ بیٹھے ہیں۔ شاہ طریق اللہ صاحب جاکر صدر مجلس میں بیٹھتے ہیں۔ ان کے بائیں طرف میں بیٹھا۔ اور میرے بائیں میر محمد واجد صاحب تھے۔ شاہ طریق اللہ صاحب بار بار میر محمد واجد کی طرف دیکھتے اور مسکراتے تھے اور اسی طرح جناب میر محمد واجد صاحب بھی ان کی طرف دیکھ کے ہنستے تھے۔ شاہ طریق اللہ صاحب کی زبان بنگلہ تھی اور میر محمد واجد صاحب کی زبان اردو تھی۔ غرض ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ آخر شاہ طریق اللہ صاحب سے سب لوگوں کے اشارے کے مطابق میں نے غدر کا حال پوچھا کہ کیا ہوگا۔ اس پر انہوں نے کہا کہ کچھ نہیں۔ بعد ازاں جب ہم لوگ رخصت ہوکے خواجہ صاحب کے مکان سے باہر آئے تو شاہ طریق اللہ صاحب نے مجھ سے کہا کہ تمہارے بائیں طرف جو شخص بیٹھے تھے [۴۵] یعنی میر محمد واجد صاحب وہ آدمی بہت اچھے ہیں اور عقل کی بات کہتے ہیں۔ اس مجلس میں ان دونوں بزرگوں کی گفتگو سے سب کو معلوم ہو گیا کہ دونوں بزرگ کامل ہیں۔ ان دونوں بزرگوں کی بہت سی کرامتیں دیکھی ہیں۔ شاہ طریق اللہ صاحب نے میری نسبت کہا تھا کہ چھوٹا مولوی یعنی میں جب تک ایک سال خانہ نشینی اختیار نہ کروں گا میری نوکری نہ ہوگی اور ایسا

ہی اتفاق ہوا کہ بمجبوری ایک سال تک گھر میں بیٹھا رہنا ہوا۔ بعد ازاں میں نوکر ہوگیا۔ ان کی بہت سی کرامتیں دیکھی ہیں۔

مولوی غلام عیسیٰ صاحب محرر، عدالت دیوانی صدر، کلکتہ کے مکان میں ایک مجذوب معروف بہ پڑاق شاہ اور کولوٹولہ میں ایک مجذوب معروف بہ نور شاہ رہتے تھے۔ میں نے ان بزرگوں کو بھی دیکھا ہے۔ دونوں، صاحب کشف و کرامت تھے۔ کلکتہ میں اہالیان لکھنؤ نواب ظفرالدولہ علی اصغر خاں صاحب اصغر اور خواجہ علی یوسف خان صاحب عزیز اور خواجہ عزیز الدین صاحب عزیز لکھنوی اور آفتاب الدولہ خواجہ اسد قلق سے ملاقات ہوئی۔ میاں قلق نے اپنی مثنوی طلسم محبت اول سے آخر تک مجھ کو اور ظفر الدولہ کو سنائی تھی اور بعض بعض لکھنویوں میں عجیب [۴۶] بات نظر آئی کہ امامیہ مذہب والے تقیہ کرتے ہیں۔ مگر لکھنؤ کے بعض بعض سنی بھی تقیہ کرتے ہیں۔ چنانچہ میاں قلق حقیقت میں سنی تھے اور مجھ سے انہوں نے کہا کہ وہ سنی ہیں لیکن نوکری کے سبب بظاہر شیعہ ہیں۔

کلکتہ میں ایک ہندو منجم ملا، خوب بتلاتا تھا اس نے مجھ سے کہا کہ آپ اپنے دل میں کوئی مچھلی رکھئے میں بتلادوں گا۔ میں نے ماہی سفنقور کا نام دل میں رکھا۔ اس نے بہت حساب کیا اور مکرر حساب کیا۔ بعد ازاں کہا کہ آپ نے ایسی مچھلی اپنے دل میں رکھی ہے جو ملک بنگالہ میں پیدا ہوتی ہے۔

کلکتہ میں ایک بار بعض سبب سے میں نے چھ مہینے تک اپنے مکان میں نان اور مکھن اور چینی اور جلیبی کے سوا کچھ نہیں کھائی۔ حالانکہ میں بیمار نہ تھا اور صحیح و سالم تھا۔ ایک بار نزلہ کے سبب سے مجھ کو ایک شخص نے افیون کھانے کو کہا اور میں نے

افیون کھانا شروع کر دیا - روزانہ صبح و شام کابلی مٹر کے برابر افیون کھاتا تھا - چھ مہینے تک کھایا گیا لیکن مجھ کو کچھ نفع نہ ہوا - اسلئے میں نے ایک دن میں افیون چھوڑ دی - روز اول اعضاء شکنی معلوم ہوئی - دوسرے روز اس میں کمی ہوئی - تیسرے روز کچھ نہ تھا -

حسن خان شعبدہ باز سے دلچسپ مقابلہ

اڑیسہ کا رہنے والا ایک جاہل شخص حسن خان جنی کہکے مشہور تھا - وہ کلکتہ میں آیا اور اس کا بڑا شہرہ ہوا کہ چیزوں کو [۴۷] اڑا دیتا ہے اور بہت سی چیزیں منگواتا ہے - اور کہتا تھا کہ یہ سب کام وہ بذریعہ جن کے کرتا ہے حالانکہ وہ شعبدہ باز تھا - استاد حافظ اکرام احمد صاحب ضیغم کو فن شعبدہ میں کمال حاصل تھا - جب وہ کلکتہ سے ڈھاکہ آنے لگے تو میں نے ان سے کہا کہ ایسی کوئی ترکیب بتلا دیجئے جس سے میں حسن خان کو بند کردوں - انہوں نے کہا علم شعبدہ میں حسن خان صرف ہاتھ کی چالاکی جانتا ہے - پس انہوں نے مجھ کو ایک کلیہ ایسا بتایا جس سے حسن خاں کوئی چیز اڑا نہ سکے اور مجھ سے فرمایا کہ آپ ذہین آدمی ہیں ان کلیوں سے خود اور باتیں نکال لیجئے گا - بعد ازاں ایک دن سید احمد عرب ، عبد العزیز عرب ، حسن کوزہ کلانی ، مغل علی ، مرزا مغل وغیرہ ہم لوگ چند احباب ایک دوست کے مکان میں بیٹھے ہوئے تھے اور وہ فصل ایسی تھی کہ کوئی شخص جاڑے کا کپڑا پہنے تھا ، کوئی شخص گرمیوں کا کپڑا پہنے ہوئے تھا یعنی ان دنوں ہلکی سردی پڑتی تھی - اس درمیان میں حسن خان ایک ہندو کو لیکے وہاں پہنچا -

اس سے احباب نے بعض بعض چیزوں کے منگوانے کی فرمائش کی۔ اس پر اس نے کہا کہ وہ اپنے جن سے اس چیز کو لانے کو کہے گا لیکن لانا نہ لانا جن کے اختیار میں ہے۔ میں نے ہنسی سے کہا کہ میرے مطیع جنات اس مکان کو محاصرہ کئے ہوئے ہیں۔ دوسرے جن کو ہرگز آنے نہ دیں گے۔ اس کو معلوم ہو گیا کہ میں حافظ ضیغم صاحب کا شاگرد ہوں اور وہ حافظ صاحب موصوف کے حال سے [۴۸] بخوبی واقف تھا۔ اس نے حافظ صاحب کی شان میں کچھ ثقیل الفاظ کہے۔ اس پر میں نے ایک چھوٹی الائچی کا دانہ نکال کے رکھدیا اور اس سے کہا کہ وہ اس دانے کو اڑائے اگر اڑا سکے گا تو وہ میری ناک کاٹ لے اور اگر اڑا نہ سکے تو میں اس کی ناک کاٹ لونگا۔ یہ کہکے میں نے جیب سے قلم تراش بھی نکال کے سامنے رکھدی۔ عبدالعزیز عرب نے قلم تراش کو ہاتھ میں لیکے کہا کہ معقول بات ہے اور جو ہار جائے گا عبدالعزیز خود اس کی ناک کاٹ لیگا۔ حسن خاں اس پر راضی ہوا۔ بعد ازاں حسن خاں نے کہا کہ اس کا جن فرمائشی چیزیں لانے کو راضی نہیں ہوتا۔ لیکن کہتا ہے کہ اگر چاہو تو سر میں لگانے کے واسطے مکاسیر کی ایک شیشی دے سکتا ہے۔ احباب اس پر راضی ہوئے تو اس نے سید احمد عرب سے کہا کہ انہوں نے اپنا زری کا چوغہ اتار کے سامنے رکھدیا اور حسن خاں ایک ایک بار اس چوغا کے اندر ہاتھ دیتا تھا اور نکال لیتا تھا۔ اس سے ایک شیشی مکاسیر کی نکالی اس میں ڈیڑھ پاؤ روغن ہوگا۔ اس کے بعد ہی حسن خاں نے مجھ سے مخاطب ہوکے کہا آپ نے کہا تھا کہ آپ کے جن دوسرے کسی جن کو کوئی خبر لانے نہ دیں گے۔ اب کیوں کر شیشہ روغن کا آیا؟ اس پر مجھ کو غصہ آیا اور میں نے

اس سے کہا کہ کہدوں، شیشہ کیوں کر آیا ؟ اور اس بات کو میں نے مکرر کہا - وہ گھبرایا لیکن اس کو خیال ہوا کہ کہے کہ کہدیجئے - چنانچہ اس نے کہا کہ بتلا دیجئے - اس پر میں نے سید عرب کو قسم دیکر پوچھا کہ آپ سچ بتلائیے کہ جو ہندو حسن خاں کیساتھ آیا ہے [۴۹] اور آپ کے اور حسن خاں کے پیچھے ہے اس نے یہ شیشہ آپ کو دیا تھا یا نہیں اور آپ نے شیشہ کو چوغا کے نیچے رکھا تھا یا نہیں اور حسن خاں نے شیشہ کو چوغا کے نیچے سے نکالا تھا یا نہیں ؟ اس پر انہوں نے قسم کھا کر کہا واللہ اس ہندو نے مجھ کو یہ شیشہ دیا - میں نے اسے چوغہ کے نیچے رکھا اور حسن خاں نے نکال لیا - اس پر وہ بہت خفیف ہوا اور وہاں جو احباب تھے ان کو مجھ سے بہت تعجب ہوا کیونکہ کسی نے خیال نہیں کیا تھا - آخر حسن خاں سے کہا گیا کوئی چیز اڑا دو - لوگوں نے کہا کہ روپے اڑا دو - اس پر کسی شخص نے چار پانچ روپے سامنے رکھ دیئے - حسن خاں نے میری طرف اشارہ کر کے کہا کہ وہ میرے سامنے نہیں اڑائے گا - اس پر احباب نے مجھ کو برآمدے میں جانے کو کہا - میں مکان کے برآمدے میں گیا اور جاتے وقت احباب سے کہدیا کہ روپے کو جس کپڑے میں باندھو اس میں ڈھیلی گرہ دینا اور مکان مذکور کے دروازے اور کھڑکیاں بند کر دینا - ہرگز روپیہ اڑا نہیں سکے گا - چنانچہ عبدالعزیز عرب نے ایسا ہی کیا کہ مکان مذکور کے پچھم طرف کی کھڑکی اور دکھن طرف کی کھڑکی کے دروازے بند کر دیئے - میں برآمدے میں چلا گیا - تھوڑی دیر کے بعد عبدالعزیز عرب نے پکار کے مجھ سے کہا کہ حسن خاں روپوں کو رومال میں خوب کس کے باندھ رہا ہے - میں نے کہا اگر ایسا ہوگا تو احتمال

ہے کہ روپے اڑ جائیں - تھوڑی دیر کے بعد حسن خاں کہنے لگا کہ بڑی گرمی معلوم ہوتی ہے یہ کہکے اٹھا اور پچھم طرف کی کھڑکی کھول دی - عبدالعزیز عرب نے پکار کے مجھ سے کہا کہ کھڑکی کھول دی - میں نے کہا کہ اب روپے اڑ جائیں گے - تھوڑی [۵۰] دیر کے بعد رومال سمیت روپے اڑیں گے - بعد ازاں میں برآمدے سے کمرے میں گیا اور دیکھا کہ پچھم طرف کی کھڑکی کھلی ہوئی ہے اور اس مکان کے پچھم طرف دوسرا مکان ہے اور ان دونوں مکانوں کے درمیان بدرو تھی - میں کھڑکی پر گیا اور دیکھنے لگا - کیونکہ مجھ کو اپنے قاعدہ سے یقین ہو گیا تھا کہ اس نے رومال روپے سمیت اس کھڑکی سے بدرو میں سب کی آنکھ بچا کے ڈال دیا ہے اور ہر چند بڑی تاریکی تھی ساتھ اس کے مجھ کو ایسا گمان ہوا کہ بدرو میں کوئی چیز سفید معلوم ہوتی ہے اور اس بدرو میں گھٹنے گھٹنے کیچڑ تھی - تب میں نے حسن خاں سے کہا کہ اب وہ اپنے جن سے روپے منگوا دے اور وہ منگوا نہ سکے تو میں منگوا دوں - اس پر وہ کچھ بولا نہیں - چپکا ہو رہا - تو میں نے صاحب خانہ کے ایک نوکر کو جس کی عمر بارہ چودہ برس کی ہوگی بلا کر کہا کہ وہ لالٹین لے کے بدرو میں جائے اور میں اوپر سے جس چیز کو لانے کو کہدوں وہ اٹھا لاوے - اس کو ایک چونی دوں گا - اس پر وہ لونڈا لالٹین لیکے گیا اور بدرو کے اندر جاتے ہی اوپر سے میں نے لالٹین کی روشنی میں رومال دیکھا اور اس کو لانے کو کہا - وہ رومال اٹھا لایا - اس میں روپے بندھے تھے - اس سے حسن خاں از حد ذلیل ہوگیا - بعد ازاں ہم لوگ چلے آئے - یہ واقعہ کولوٹولہ میں ہوا -

ان دنوں بنارس کا ایک هندو حکیم مچھوا بازار میں آکر ٹھہرا تھا - اس سے سید احمد عرب سے لاگ تھی اور اس حکیم کا قول تھا کہ اس کے سامنے کوئی شعبدہ [۵۱] چلتا نہیں - اس لئے سید احمد عرب مجھ کو اور حسن خاں کو اور چند احباب کو لیکر اس حکیم کے مکان واقع مچھوا بازار گئے - بعد ازاں حکیم مذکور نے دو روپے نکالے اور ان روپوں کو ایک موٹے کاغذ میں لپیٹ دیا اور اس پر چراغ کا تیل لگا دیا اور حسن خاں نے اس کو ایک رومال میں اپنے قاعدے کے مطابق کس کے مضبوط کر کے باندھا اور اس کو ایک هلکی رضائی کے نیچے رکھدیا اور ایک بار رضائی کے نیچے هاتھ دیتا تھا اور نکال لیتا تھا - لیکن حسن خاں کے جہاں رومال تھا وہاں سے هاتھ سرکاتے هی حکیم مذکور رضائی کے اوپر سے انگلی سے اس روپے پر ضرب لگاتا تھا اور روپے کی خفیف آواز آتی تھی - یہی حال آٹھ بجے شب سے گیارہ بجے شب تک رها - حسن خاں روپیہ اڑا نہیں سکا اور میں گھبرا کے کمرے سے باهر آکر برآمدے میں بیٹھا اور اب مجھ سے اور حسن خاں سے بات چیت موقوف هوگئی هے بسبب واقعۂ سابق کے جس کا حال اوپر لکھا گیا - گیارہ بجے شب کو حسن خاں ایک ایک بار یا حضرت یا حضرت کہہ کے باهر چلا آتا هے اس کا قاعدہ تھا کہ ایسی حالتوں میں یعنی جب کوئی چیز اڑائے گا یا منگوائے گا تو اوپر کی طرف دیکھا کرتا تھا اور' یا حضرت' وغیرہ الفاظ کہتا تھا کہ لوگ سمجھیں کہ جن سے باتیں کرتا هے - غرض وہ بار بار کمرے سے برآمدے میں آتا تھا اور آپ هی مجھ کو سنا کے کہتا تھا کہ حکیم بڑا مفسد هے' اڑانے نہیں دیتا اور میں نے سمجھا کہ وہ مجھ سے کہتا هے اور مجھ سے صلاح پوچھتا هے اور چونکہ رات زائد آگئی

تھی اس لئے میں نے [۵۲] حسن خاں سے کہا کہ دیکھو کسی کے پاس ڈبل پیسہ ہے یا نہیں ؟ اس کے کہتے ہی وہ میرا مطلب سمجھ گیا اور مجھ سے پوچھا - میں نے کہا کہ میرے پاس نہیں ہے - بعد ازاں وہ کمرے میں گیا اور احباب سے دریافت کیا اور پھر مجھ سے آکر کہا کہ کسی کے پاس ڈبل پیسہ نہیں ہے - تب میں نے اس سے کہا کہ حکیم مذکور نے جس کاغذ میں روپیہ کو لپیٹ دیا ہے اسی کاغذ کا ایک ٹکڑا لیکر آؤ - چنانچہ وہ گیا اور ایک ٹکڑا لیکر آیا - میں اس کاغذ کو لیکے کوٹھے سے نیچے اترا اور ایک گلی کے اندر گیا تو دیکھا کہ ایک گھڑا ٹوٹا ہوا پڑا ہے - میں نے اس سے دو ٹکڑے لیکے روپے کے برابر دو ٹکڑے گول بنا کے ان ٹکڑوں کو اس کاغذ سے لپیٹ کر مٹھائی والے کی دکان کے چراغ سے ذرا سا تیل لیکے اس پر لگا دیا - اور اوپر لے گیا اور حسن خاں سے کہدیا کہ وہ رومال کی گرہ کھول کے اس کے اندر سے روپیہ نکال لے اور روپیہ کی جگہ ٹھیکروں کو رکھدے اور کہدے کہ حسن کہتا ہے کہ روپیہ کو اڑا دینا تو بہت آسان ہے روپیہ کو ٹھیکرا بنا دیا - بعد ازاں وہ کمرے کے اندر گیا اور میں بھی کمرے کے اندر گیا حسن خاں نے کئی بار رضائی کے اندر ہاتھ دیا اور نکالا اور حکیم اپنے قاعدے کے مطابق برابر اوپر سے اپنی انگلی سے ضرب لگاتا تھا' آواز آتی تھی - بعد ازاں حسن خاں نے ایک بار حکیم سے کہدیا کہ جن کہتا ہے کہ اس نے روپیہ کو ٹھیکرا بنا دیا - بعد ازاں حکیم نے رضائی کو اٹھایا تو اس کے اندر رومال کی گرہ کھلی ہوئی نظر آئی اور اس کے اندر کاغذ میں دو ٹکڑے ٹھیکرے کے ملے - پھر حکیم نے روپے [۵۳] مانگے حسن خاں نے روپیے دیدیئے - پھر ہم لوگ چلے آئے - اس تاریخ

سے حسن خاں نے کبھی میرے سامنے جن کا ذکر کیا نہیں اور اس کو یقین ہوگیا کہ میں بھی اس فن کو خوب اچھی طرح جانتا ہوں۔ لیکن نہیں کرتا کیونکہ اس نے بارہا مجھ سے پوچھا ہے کہ میں نے اس فن میں کوئی نئی بات نکالی ہے یا نہیں ؟ اس پر میں جواب دیتا تھا کہ مجھ کو اتنی فرصت نہیں کہ میں کوئی نئی بات نکالوں حالانکہ میں اس فن کو جانتا نہیں ہوں۔ حافظ ضیغم صاحب کی دو کلیوں کے سبب سے میں نے حسن خاں کو خفیف کیا اور اس کو حکیم کے ہاتھوں ذلیل ہونے سے بچا لیا۔

کلکتہ میں گورکھپور کا جولاھا زادہ عبدالرحیم نامی ایک دھریہ رھتا تھا۔ بڑا عالم تھا۔ خصوصاً زبان پارسی کو خوب اچھی طرح جانتا تھا اور اس کے علم کا شہرہ تھا۔ میرے دوستوں میں شہزادہ بشیر الدین صاحب، توفیق، شہزادہ اعظم الدین صاحب، سلطان، مولوی عبیداللہ صاحب عبیدی وغیرہ بھی اس کے شاگرد ہوئے تھے اور بہت سے احباب اس کو دیکھنے کو جاتے تھے لیکن کبھی میرے دل میں یہ بات نہ آئی کہ میں اس کو دیکھوں — سبب اس کا یہ تھا کہ دھریے کو دیکھنے سے کیا حاصل ہے اور یہی حال مولوی نذیر حسین سورج گڑھی کا بھی ہوا کہ میں دھلی میں چار بار گیا اور قریب سات مہینے کے وھاں رھا لیکن کبھی مولوی نذیر حسین سورج گڑھی کو دیکھا نہیں اور نہ ان کے دیکھنے کا [۵۴] خیال کبھی میرے جی میں آیا۔

عہدۂ ڈپٹی مجسٹریٹ پر تقرری

سن اٹھارہ سو ساٹھ عیسوی ۱۸٦۰ میں میرا جی بہت ہی گھبرا گیا۔ اس وقت کپتان سینٹ جارج صاحب نے مجھ کو بلایا اور پوچھا کہ کاول صاحب

نے آپ سے کتنے روز پڑھا تھا - میں نے کہا چھ مہینے تک - اس پر انہوں نے کہا کہ کاول صاحب بہت اچھی فارسی جانتے ہیں اور انہوں نے کہا وہ مجھ سے پڑھنا چاہتے ہیں لیکن کلکتہ میں نہیں فرانس ڈانگا یعنی چندرنگر میں رہ کر پڑھنا چاہتے ہیں - میں ساتھ جانے کو راضی ہوا - اور میری تنخواہ چالیس روپے ٹھہری - میں نے چلتے وقت جناب اخوی صاحب قبلہ سے بات چیت کی - انہوں نے کہا کہ چالیس روپے کے واسطے کلکتہ چھوڑ کے جانا مناسب نہیں - میں نے کہا یہاں رہنے میں بھی کچھ فائدہ نہیں ہے کیونکہ میں سمجھتا تھا کہ جناب اخوی صاحب قبلہ ناراض ہیں - اس لئے میرے واسطے کسی عمدہ نوکری کی فکر نہیں کرتے اور نہ کریں گے - بعد ازاں میں چندر نگر چلا گیا - شنبہ کے روز سہ پہر میں کلکتہ آتا تھا اور دوشنبہ کی صبح میں چندر نگر جاتا تھا - کئی دنوں کے بعد کپتان صاحب موصوف چندر نگر سے بارکپور معروف بہ چانک میں آئے - میں بھی ان کے ہمراہ آیا - اس میں ایک بار جناب اخوی صاحب قبلہ نے مجھ سے کہا کہ تمہارے پاس جو سرٹیفکٹ ہے وہ دو کہ ڈیپوٹی مجسٹریٹ کے لئے درخواست کیجائے - میں نے یہ سمجھا کہ اسی بہانے وہ میری سرٹیفکٹ بھی لے لینا چاہتے ہیں اور میں نے بھی دیدی - بعد ازاں ان کے کہنے سے میں نے ڈیپوٹی مجسٹریٹ کے عہدہ کے لئے درخواست کی آگے جناب ہنری ونسنٹ بیلی صاحب بہادر جج صدر دیوانی کلکتہ کو خط لکھا کہ وہ میرے واسطے لفٹننٹ گورنر بہادر یا ان کے سکریٹری کے پاس سفارش کریں - اس کے جواب میں انہوں نے لکھا کہ جب سے آنریبل گرانٹ صاحب لفٹننٹ گورنر ہوئے ہیں تب سے کسی کے واسطے انہوں نے لکھا نہیں لیکن اگر لفٹننٹ گورنر بہادر ان سے میرے بارے

میں پوچھیں گے تو ضرور میرے واسطے کہیں گے - چنانچہ میں نے درخواست میں بھی یہی مضمون لکھدیا کہ میرے حال سے جناب بیلی صاحب بخوبی واقف ہیں اور کپتان سینٹ جارج صاحب کو پڑھانے کے واسطے مقرر ہونے کے ایک مہینہ انتیس روز کے بعد اور درخواست دینے کے ایک مہینہ اٹھارہ روز کے بعد میں بتاریخ اٹھارھویں ماہ ستمبر ۱۸۶۰ اٹھارہ سو ساٹھ بعہدۂ جلیلہ ڈپوٹی مجسٹریٹی و ڈپوٹی کلکٹری ضلع باقر گنج معروف بہ بریسال مقرر ہوا - اس میں ایک دن جناب اخوی صاحب قبلہ مجھ کو کچہری جاتے وقت ایک کتاب دے گئے اور بتاکید کہہ گئے کہ اس میں خطوط انگریزی کی نقلیں ہیں - تمہارے متعلق جو خطوط ہیں ان سب کو پڑھ لینا - چنانچہ میں نے اس کتاب میں جا بجا بہت سے خطوط پڑھے - بڑے جلیل القدر انگریزوں کے نام دیکھے جس میں میری نوکری کے واسطے جناب اخوی صاحب قبلہ نے سفارش کی تھی اور بعض مقام میں خط کا جواب بھی لگا ہوا تھا - اس سے مجھ کو معلوم ہو گیا کہ وہ برابر میری نوکری کی تدبیر کرتے تھے مگر مجھ سے کہتے نہ تھے اور میں اپنی ناتجربہ‌کاری سے سمجھتا تھا کہ وہ [۵۵] میری نوکری کی تدبیر نہیں کرتے - بعد ازاں میں اکتوبر مہینے میں درگا پوجا کی تعطیل کے بعد بریسال گیا اور مولوی شفیع الدین صاحب مفتی عدالت ضلع مذکور کے مکان میں ٹھہرا - دوسرے روز میں حکام سے ملاقات کرنے کو چلا اور حسب دستور خیال کیا کہ سرٹیفکٹ بھی ساتھ لیتا جاؤں تو اس وقت مولوی صاحب موصوف کے برادرزادہ و داماد مولوی عظیم الدین صاحب نے مجھ سے کہا کہ سرٹیفکٹ ساتھ لینے کی ضرورت نہیں - میں نے سبب پوچھا تو انھوں نے ٹال دیا لیکن میرے اصرار سے کہا کہ کسی شخص نے جج صاحب مسٹر صاحب بہادر

سے کہدیا ہے کہ آپ کو کچھ آتا نہیں، آپ غصہ مجسم ہیں - یہ بات صاحب موصوف کے دل میں بیٹھ گئی ہے کہ صاحب موصوف نے یہ بات خود ان سے کہی تھی - پس سرٹیفکٹ کا دکھلانا نہ دکھلانا برابر ہے - اس بات کے سننے سے مجھ کو بڑا رنج ہوا اور سوچتا رہا کہ کس نے ایسی بات کہی ہے لیکن کسی کی طرف خیال گیا نہیں - غرض میں گیا اور جج صاحب سے بہت اچھی طرح ملاقات ہوئی - کلکٹر صاحب یعنی مسٹر ریکس صاحب بہادر سے اور مجسٹریٹ صاحب یعنی مسٹر هاروی صاحب بہادر سے بھی ملاقات ہوئی -

بریسال میں اپنے عہدے کا چارج لینا اور وہاں کی بعض دلچسپ باتیں

بعد ازاں میں نے اس روز حسب قاعدہ اپنے عہدے کا چارج لے لیا - اس روز کچہری جانے کے آگے میں مولوی دلیل الدین خان بہادر ڈپوٹی مجسٹریٹ و ڈپوٹی کلکٹر، بریسال سے جو ان دنوں مخاطب بہ احترام جنگ ہیں اور صوبہ اورنگ آباد ملک دکھن میں ہے ہیں ملنے کو گیا - تھوڑی دیر کے بعد مولوی شفیع الدین صاحب [۵۷] منشی عزت اللہ صاحب نامی مختار ضلع مذکور کو ساتھ لائے اور مجھ سے کہا کہ آپ ان کے بزرگ ہیں - ان کا قصور معاف کیجئے اور چونکہ رشتے میں چھوٹے تھے انہوں نے میرے قدم لئے - قبل ازیں ان کا ذکر ہو چکا ہے کہ میں نے ان کو ایک جلسہ میں برا بھلا کہا تھا - وہ سمجھے ہوں گے کہ مجھ کو ان سے رنج ہے اسلئے ایسا کیا - حالانکہ میں وہ سب باتیں بھول گیا تھا اور حقیقت میں مجھکو انسے کچھ رنج نہ تھا لیکن مجھ کو اس وقت شبہ ہوا کہ انہوں نے جج صاحب سے میری شکایت کی ہوگی - لیکن میں نے اس کا

کچھ خیال کیا نہیں اور کام شروع کیا ۔ کلکٹری کے عملوں میں بابو کالی ناتھ رائے محرر سرسری اور بابو ہرچند گھوش محرر بندوبست اور فوجداری کے عملوں میں بابو سکھ لال بوس محرر میری عدالت میں متعین ہوئے اور کلکٹری کے سینکڑوں پرانے اور پیچیدہ مقدمات اگست دھم کے میرے پاس سپرد ہوئے اور خدا کے فضل سے اس طرح پر فیصل ہوئے کہ لوگ متعجب ہوتے تھے اور اپیل میں جج صاحب گویا روزانہ میری رائے کی تعریف کرتے تھے ۔ ایک بار میں نے حساب کیا تھا تو سو مقدموں میں پچانوے کی رائے اپیل میں بحال ہوئی تھی اور بریسال میں جتنے پیچیدہ اور مشکل مقدمات میں نے دیکھے آج تک ایسا مقدمہ کہیں دیکھا نہیں ۔ وہاں جعل کی بڑی کثرت ہے ۔ میری رائے ہے کہ گورنمنٹ جس نئے شخص کو کسی نئے عہدے پر مقرر کرے تو چاہئے کہ اس کو پہلے بریسال بھیجدے اور تین برس تک اس کو وہاں رہنے دے ۔ بعد ازاں جہاں چاہے اس کو بدلی کردے ۔ وہ کہیں ہرگز بند نہ ہوگا ۔ بریسال کے مقدمات کی [۵۸] باریکیوں کو سمجھ کے نکالنے میں بھی دل کو از حد خوشی معلوم ہوتی تھی ۔ منشی عزت اللہ سے میں اس طرح پیش آتا تھا کہ ان کو از حد ندامت ہوتی تھی اور وہ کبھی مجھ سے چار آنکھ ملا کے بات کرتے نہ تھے ۔ بریسال میں میں نے جیسے ہوشیار اور کارداں عملے دیکھے اور کہیں دیکھے نہیں اور میں نے وہاں کام بہت جلد سیکھا ۔ سبب اس کا یہ تھا کہ میرے عملے کے لوگ نہایت ہوشیار اور اچھے تھے اور دوسرا سبب یہ تھا کہ پیش کار محمد یار خاں نے جن کا ذکر قبل ازیں بھی ہو چکا ہے فوجداری کے حضوری عملہ جن جن باتوں میں جس طرح پر رشوت لیتے ہیں سب بتلا دیں ۔ اور ان کے صاحب زادے منشی محمد فاضل صاحب نے جو اس وقت داروغہ تھے،

پولس والے جن جن باتوں میں جس طرح رشوت لیتے ھیں اور جو جو باتیں جھوٹ لکھتے ھیں اور بناتے ھیں سب مجھ کو بتلا دیں - اور میں نے بابو ہرچندر گھوش سے پوچھا کہ کلکٹری کے عملے کس کس طرح سے رشوت لیتے ھیں - اس کو سن کے انہوں نے مسکرا کے مجھ سے کہا کہ حضور حاکم ھیں اور میں عملہ ھوں - مجھ سے اس کا پوچھنا مناسب نہیں - اس پر میں نے کہا آپ سے نہیں پوچھیں گے تو کیا غیر سے پوچھیں گے اور وہ کیا خاک بتلائے گا ؟ اس پر انہوں نے اس طرح کہنا شروع کیا کہ اگر سرشتہ دار بابو رشوت لیں تو ان باتوں میں اس طرح رشوت لے سکتے ھیں - اس طرح پر ہر عملہ کا ذکر کر کے سب کے بعد اپنا ذکر کیا اور کہا کہ [۵۹] اگر میں بندوبست کے کام میں رشوت لوں تو اس طرح لے سکتا ھوں اور انہوں نے جو بیان کیا تھا سب صحیح تھا - ان باتوں کے جاننے کے سبب مجھ کو بڑا فائدہ ھوا - میں نے عمال پولیس میں منشی محمد فاضل صاحب سے بہتر کسی کو پایا نہیں -

بریسال میں ایک وقت ہم لوگ گیارہ ڈیپوٹی کلکٹر تھے اور سال تمامی میں میری نسبت کلکٹر صاحب نے یہ لکھا تھا کہ بریسال میں مولوی رضی الدین خان بہادر ڈیپوٹی مجسٹریٹ اور مولوی مظہر علی صاحب اسسٹنٹ ڈیپوٹی کلکٹر سے اور منشی ثمین الدین احمد خان بہادر سے کہ ان دنوں صدر امین تھے، ملاقات ھوئی اور منشی ثمین الدین صاحب کسی زمیندار یا تعلقدار کے مکان میں کھاتے نہ تھے اور مجھ کو یہ ناگوار معلوم ھوتا تھا - آخر تجربہ سے معلوم ھوا کہ بہت اچھا کرتے تھے - یعنی پیش کار امین الدین صاحب جن کا ذکر قبل ازیں ھو چکا ھے روزانہ میرے واسطے کھانے کی چیزیں مثل، پلاؤ،

قورمہ، کباب، میٹھے چاول، مربا، مٹھائی، اچار وغیرہ بھیج دیا کرتے تھے اور میں کھاتا تھا۔ آخر ایک مقدمہ ان کا میرے پاس آیا اور مجھ کو معلوم ہوا کہ حق بجانب ان کی نہیں ہے بلکہ ایسا معلوم ہوا کہ انہوں نے جو دستاویز داخل کی ہے وہ جعلی تھی۔ میں نے ان کے مختار وکیل سے بارہا کہا کہ وہ لوگ اس مقدمہ کو میری عدالت سے اٹھا کے دوسری عدالت میں لیجاویں لیکن ان لوگوں نے [٦٠] نہ مانا اور جب میں نے چاہا کہ ان کے خلاف فیصل کروں تو ہر وقت ان کا بھیجا ہوا پلاؤ قورمہ وغیرہ میرے خیال میں پھرتا تھا اور خیال آتا تھا کہ اگر ان کے خلاف رائے دوں گا تو وہ کیا کہیں گے اور لوگ کیا کہیں گے۔ لیکن آخر ایسا ہی ہوا کہ میں نے ان کے خلاف فیصل کیا۔ انہوں نے اپیل بھی نہیں کی اور لوگوں سے کہا کہ عبدالغفور کے ہاتھوں مجھ پر ظلم ہوا۔

میر تجمل علی صاحب زمیندار شائستہ آباد سے وہاں خوب ملاقات رہی۔ بڑے ظریف آدمی تھے اور ان کی ملاقات سے بڑا لطف اٹھتا تھا۔ ان دنوں منشی الائچی رام متخلص بہ طالب ایک برھمن امرت سر کے رہنے والے وہاں آئے۔ بیشتر وہ شعر فارسی کہتے تھے اور وہ میرے شاگرد ہوئے۔ انہوں نے ہم لوگوں کے واسطے قصیدے کہے اور ایک قصیدہ پچیس ٢٥ شعر کا میر تجمل علی صاحب کی مدح میں بھی کہا اور اصلاح کے واسطے میرے پاس لائے۔ میں نے اس میں ایک جگہ صورت میمون بنادی۔ وہ لے گئے، بعد ازاں پھر آئے اور کہا ھند میں 'میمون' بندر کو کہتے ھیں۔ اس لفظ کا رہنا مناسب نہیں۔ میں نے کہا 'میمون' عربی لفظ ھے بمعنی مبارک کے، کچھ عیب نہیں ھے اور میں نے قصداً صورت میمون لکھدی تھی کہ بڑا لطف ھوگا۔ انہیں دنوں ایک دن میر تجمل علی صاحب نے ہم لوگ

کئی شخصوں کی دعوت کی تھی۔ میں نے طالب مذکور سے کہدیا کہ وہ اسی دن قصیدہ لیکے جائیں [٦١] اور ہم لوگوں کے سامنے پڑھیں۔ چنانچہ انہوں نے وہ قصیدہ ہم لوگوں کے سامنے میر صاحب موصوف کو پڑھ کے سنایا۔ میر صاحب نے قصیدہ سن کے شاعر سے مخاطب ہو کے کہا کہ اس قصیدہ میں ایک بات مجھ کو نہایت پسند آئی وہ کیا کہ آپ نے جو صورت میمون لکھی ہے بہت بجا اور صحیح لکھی ہے۔ میری صورت حقیقت میں جگادری بندر کی سی ہے۔ اس پر وہ بیچارہ بہت گھبرایا اور کہا کہ میں پنجاب کا رہنے والا ہوں۔ میں نہیں جانتا کہ 'میمون' بندر کو کہتے ہیں اور میرا ذکر کر کے کہا کہ آپ نے بنا دی ہے۔ اس پر بڑی ہنسی ہوئی۔ شاعر بیچارہ اس وقت چلا گیا اور مجھ سے میرے مکان میں آ کر کہا کہ مجھ کو اس قصیدے سے آپ کے سبب سے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ میں نے کہا کہ ہرگز ایسا نہیں ہوگا کہ وہ بڑے ظریف ہیں اور ظرافت پسند ہیں۔ اور ظرافت سے خوش ہوتے ہیں۔ چنانچہ کئی دن کے بعد میر صاحب موصوف نے طالب کو اس قصیدہ کے صلہ میں فی شعر ایک روپیہ کے حساب سے پچیس ٢٥ روپے دیئے۔

بریسال میں ہزاروں مقدمے میں نے بذریعہ نجوم کے فیصل کئے اور جناب مولوی شفیع الدین صاحب قاضی عدالت ضلع مذکور اپنی عدالت کے بہت سے مقدموں کا حال مجھ سے بذریعہ نجوم کے دریافت کرتے تھے۔ اور ان پر میں جو حکم لگاتا تھا صحیح ہوتا تھا۔

ایک دن میرے پاس ایک مقدمہ آتش زنی کا سپرد ہوا۔ [٦٢] اس میں ایک شخص نے مدعا علیہ پر دعویٰ کیا تھا کہ مدعا علیہ نے بہ سبب عداوت کے اس کے گھر میں آگ لگا دی اور آٹھ ہزار روپیہ کا اسباب مع مکان جلا دیا۔ اسی دن منشی عزت اللہ صاحب میرے پاس آئے اور

بات بات میں ذکر کیا کہ مدعا علیہ نے مدعی کو تباہ کر دیا ۔ میں نے جو نجوم سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ مدعی کا مکان معہ اسباب کے بے شک جل گیا ہے لیکن مدعا علیہ نے جلایا نہیں ۔ آپ سے آپ آگ لگ کے جل گیا ہے ۔ مدعی اور مدعا علیہ میں از حد عداوت ہے ۔ اس لئے مدعی نے مدعا علیہ پر جھوٹ دعوی کیا ہے ۔ میں نے منشی عزت اللہ صاحب سے کہا کہ مقدمہ جھوٹ ہے ۔ انہوں نے نجوم کا ذکر کیا کہ وہ چاہتے تھے ۔ میں نے کہا ہاں نجوم سے ایسا معلوم ہوتا ہے ۔ انہوں نے کہا کہ وہ دریافت کریں گے ۔ دوسرے روز آئے اور کہا کہ مقدمہ مذکور حقیقت میں جھوٹ ہے کہ وہ مدعی کے مختار تھے ۔

بریسال میں ایک قاضی صاحب سے ملاقات ہوئی ان کا نام بھول گیا ۔ سارے ضلع میں مشہور تھا کہ وہ ہرگز جھوٹ نہیں بولتے اور حقیقت میں ایسے ہی تھے ۔ وہ جناب مولانا کرامت علی مرحوم واعظ جونپوری کے مرید تھے ۔

بریسال میں لالہ جیون سنگھ کھتری زمیندار انگاریہ سے ملاقات ہوئی ان کا سن ستر برس سے کم نہ ہوگا ۔ جوانی میں یہ نہایت خوبصورت آدمی تھے ۔ ان کے پاس عجیب و غریب کتابیں دیکھیں ۔ [۹۳] یعنی بیشتر نامی شعراء کے دیوان ' انہیں شاعروں کے ھاتھ کے لکھے ہوئے یا ان کے دیکھے ہوئے ان کے پاس نظر آئے ۔ ان کو فارسی میں ایسا دخل تھا کہ ان دنوں ضلع بریسال میں اور کسی شخص کو ایسا دخل نہ تھا ۔ ان سے از حد ربط بڑھ گیا تھا ۔ ان کا مکان کچہری سے میرے مکان میں جاتے وقت راستے میں پڑتا تھا اور روزانہ جب میں کچہری سے پھر آتا تھا اور مجھ کو دیکھتے تھے کہ میں مکان کو جاتا ہوں' اس وقت سوار ہو کر میرے مکان میں آتے تھے ۔ اور دس بجے رات تک ٹھہرتے

تھے - اور بیشتر ایک کتاب ساتھ لاتے تھے اور جاتے وقت لے جاتے تھے -

بریسال میں چند روز تک میں اور مولوی احمد، بی - اے، خان بہادر ایک مکان میں رہتے تھے - سن ۱۸٦۲ (اٹھارہ سو باسٹھ) عیسوی میں ایک دن میں کچہری سے تنخواہ لایا - اس میں سے تین سو روپے ایک رومال میں باندھا کہ صندوق میں رکھدونگا - باقی سو روپیہ روزانہ خرچ کے لئے بکس میں رکھدیئے اور صندوق میں بند کرنے کے آگے مجھ کو نیند آگئی - دو بجے شب کو میں چونکا اور روپیہ کا خیال آیا تو دیکھا کہ جس رومال میں روپیے بندھے تھے نہیں ہیں - غرض اس وقت پولیس میں خبر دی اور مسٹر سلمانیک داروغہ آئے لیکن کچھ نہیں ہوا - آخر دوسرے روز قریب سات بجے داروغہ سب نوکروں کو لے گئے - پھر دس بجے ایک کمہار کو جو مولوی احمد بی - اے خان بہادر کے پاس نوکر تھا لے آیا - اس نے [٦٤] میرے ایک معتمد نوکر نظر علی کا نام لیا کہ اس نے میرے مکان کے تالاب میں روپیہ سمیت رومال رکھدیا ہے - بعد ازاں وہ تالاب میں اتر کے تلاش کرنے لگا اور سب لوگ جا بجا دیکھنے لگے اور میرا دل برابر سے گھٹتا تھا کہ رات کو روپیہ لے جا سکا نہیں ہے کہ میری کوٹھی کی راہ کی ہر طرف کی راہ میں پہرہ والا ملتا ہے - غرض بعض بعض شخصوں نے دیکھ لیا کہ میرے مکان کی زمین کے نیچے وہ رومال ہے - آخر اس کمہار نے اس کو نکالا تو دیکھا کہ میں نے جس طرح پر گرہ لگائی تھی وہ گرہ اسی طرح سے ہے، کھلے بھی نہیں - آخر کمہار مذکور اس مقدمہ میں سیشن جج کی عدالت سے پانچ برس کے لئے قید ہوگیا - تعجب یہ ہے کہ ایک روپیہ بھی کم نہیں تھا اور اس کو کھولا بھی نہیں تھا حالانکہ اس کو کھول کے پچاس ساٹھ روپیہ کمر میں اپنے ساتھ لے سکتا تھا لیکن ایک روپیہ بھی لیا نہیں -

تعطیل میں اپنے آبائی وطن راجہ پور کا سفر

ایک بار تعطیل کے دنوں میں بریسال سے اپنے وطن یعنی راجہ پور کو روانہ ہوا کہ عزیزوں سے ملاقات کروں اور ایک بہت سریع السیر کشتی کرایہ کر لی - تیسرے دن دریائے مدھومتی میں ایک پہر دن رہتے پہنچا - وہاں پانی مخالف ملا - کشتی گن پر چلی لیکن وہاں سے موضع راجہ پور قریب چار پانچ پہر کے فاصلہ پر تھا اور دریا مدھومتی بڑا دریا تھا اور اس میں قریب دو ڈھائی پہر تک رہنا تھا - اس سے میں نہایت درجہ [٦٥] مضطر ہوا کہ اس دریا میں برابر ڈاکہ پڑتا ہے - غرض ملاحوں سے کہا کہ جہاں تک ہو سکے کشتی کو تیز چلاویں - اس میں خیال آیا کہ اس دریا کے کنارے ضلع جیسور کے متعلق موضع بڑو پوا ہے - وہاں منشی سلامت اللہ صاحب کا مکان ہے - کسی طرح سے ان کے مکان تک پہنچتا تو ان کے ذریعہ سے اور چند شخص ٹھیکہ کے ملاح ساتھ لیتا کہ وہ برابر گن کھینچتے کہ آخر شب میں راجہ پور پہنچ جاتا اور ڈکیتوں کا خوف بھی جاتا رہتا تھا - غرض بہ ہزار خرابی نو بجے شب کو بڑو پوا میں پہنچا - شب تاریک تھی - چپراسی کو منشی سلامت اللہ کے مکان میں بھیجا - چپراسی منشی سلامت اللہ کے بھائی کو ساتھ لایا - معلوم ہوا کہ منشی سلامت اللہ مکان میں نہیں ہیں ان سے ملاحوں کے واسطے کہا - وہ قریب گیارہ بجے شب کو ایک بوڑھے کو لائے اور آدمی ملا نہیں - میری کشتی کے ملاح بہت ناخوش ہوئے کہ وہ آدمی بوڑھا ہے، ساری رات کیونکر گن کھینچ سکے گا - اس شخص نے کہا کہ وہ ساری رات کام کرے گا - لیکن یہ خیال ہوا کہ رات کو اگر کشتی چلائی جائے تو ڈکیتوں کا خوف ہے - میں اس خیال میں تھا کہ چپراسی نے آ کر چپکے سے مجھ کو کہا کہ منشی سلامت اللہ کے بھائی نے مجھ سے

کہا ہے کہ بوڑھا مزدور جو آیا ہے وہ اس اطراف کے ڈکیتوں کا سردار ہے - جب تک وہ ساتھ ہے [٦٦] ڈکیتوں کا مطلق خوف نہیں - اگر کوئی ڈکیت آجائے تو اس کی آواز سن کے چلا جائیگا - یہ بات سن کے بڑی تسکین ہوئی - بعد ازاں وہاں سے روانہ ہوا اور صبح کو راجہ پور میں پہنچا - عزیزوں سے ملاقات کر کے دو دن ایک رات وہاں رہ کے بریسال کو چلا گیا - مزدور کو اچھی طرح سے انعام دیا - وہ بہت خوش ہوا -

ڈپوٹی مجسٹریٹی کے امتحان میں کامیابی

ڈیپوٹی مجسٹریٹی کا امتحان اپریل اور اکتوبر مہینے میں ہوا کرتا ہے - میں اپریل مہینہ میں امتحان دینے کو جا نہ سکا - ١٨٦١ عیسوی کے اکتوبر مہینہ میں امتحان دینے کے لئے ڈھاکہ کو گیا لیکن میرا امتحان پاس نہیں ہوا اور سبب اس کا یہ تھا کہ اس ایک سال کے اندر کثرت کار سرکار کے سبب سے قانون پڑھنے کی فرصت پائی نہ تھی روزانہ صبح سے دو پہر رات تک گھر میں اور کچہری میں کام کرتا تھا اور اس بات کو مسٹر هاروی صاحب کلکٹر مجسٹریٹ بھی بخوبی جانتے تھے - چنانچہ انہوں نے وہی مضمون کمشنر صاحب بہادر کو لکھکر بھیجدیا تھا - ١٨٦٢ عیسوی کے اپریل مہینہ میں پھر ڈھاکہ میں امتحان دینے کو گیا - اس دفعہ بھی بہ سبب عدیم‌الفرصتی کے قانون یاد کر نہ سکا اور اس دفعہ اگر میرا امتحان پاس نہ ہوتا تو میں برخواست کر دیا جاتا - ڈھاکہ کو جاتے وقت منشی ثمین الدین صاحب نے مجھ کو ایک انگشتری دی اور کہا کہ امتحان کے وقت اس کو برابر چاٹنا - سوال کا جواب یاد آتا چلا جائے گا - اور میں نے بریسال میں رہنے کے هنگام میں سنا تھا کہ

ڈھاکہ میں اکالی شاہ نامی [۶۷] ایک بزرگ صاحب کمال ہیں - میں ان سے استمداد کے لئے منشی قائم علی صاحب باشندہ ڈھاکہ کو ساتھ لیکر اکالی شاہ صاحب کے یہاں گیا اور ملاقات کی اور منشی قائم علی صاحب نے شاہ صاحب موصوف سے سب حال کہدیا - اس میں شاہ صاحب نے حافظ نامی ایک شخص کو پکار کر حقہ لانے کو کہا - اس نے پوچھا حقہ کون پئے گا اور اس کے پوچھنے کا سبب یہ تھا کہ رمضان کے دن تھے - شاہ صاحب نے اس سے کہا کہ تم حقہ لے آؤ - وہ ناریل لے آیا - شاہ صاحب نے میری طرف اشارہ کر کے کہا کہ ان کو دو - میں نے حقہ لینے سے انکار کیا - انہوں نے پوچھا کیا صوم ہے ؟ میں نے کہا 'نہیں'- شاہ صاحب نے کہا 'تو پیجئے'- بعد ازاں میں حقہ پیتا رہا اور ادھر اُدھر کی باتیں کرتا رہا - رخصت ہو کے آتے وقت شاہ صاحب نے کہا کہ امتحان کب ہوگا ؟ میں نے کہا کل - انہوں نے کہا کہ ایسا ہو سکتا ہے کہ امتحان دینے کو جانے کے آگے میرے پاس سے ہوتے جایئے - میں نے کہا ہو سکتا ہے - بعد ازاں میں چلا آیا - اس روز منشی عبدالنعیم صاحب الائچی پوری محرر عدالت فوجداری ضلع ڈھاکہ سے ملاقات ہوئی - انہوں نے مجھ سے کہا کہ امتحان میں اگر کسی سے کچھ پوچھنے کا موقعہ ملے تو بھی ہرگز نہ پوچھنا کہ ڈھاکہ کے کلکٹر صاحب برابر دیکھتے رہتے ہیں اور اگر وہ دیکھ لیں گے تو صاحب کمشنر سے کہدیں گے اور بڑا فساد ہوگا - ان دنوں مسٹر الکسنڈر صاحب بہادر کمشنر تھے اور بڑے [۶۸] زبردست کمشنر تھے - دوسرے دن میں شاہ صاحب کے پاس گیا - انہوں نے کہا جایئے آپ کا امتحان پاس ہو جائے گا - میں کمشنری کچہری میں جہاں امتحان ہوتا تھا گیا اور ایک میز پر میں اور مولوی احمد بی - اے خان بہادر اور دو ہندو ڈپوٹی مجسٹریٹ تھے - چار شخص چار طرف بیٹھے

تھے اور دوسری میز پر اور لوگ بیٹھے تھے اور کمشنر صاحب بہادر کمرے کے اندر تھے اور ان کا رعب سبھوں پر ایسا تھا کہ کوئی شخص کسی سے بات کرتا نہ تھا ۔ سب لکھتے تھے ۔ اس میں کمشنر صاحب بہادر آئے اور میری کرسی کے پیچھے کھڑے ہو کے دیکھنے لگے، تو دیکھا کہ میں نے سوال سوم یا چہارم کا جواب لکھا نہیں ہے ۔ اس کے بعد کے سوال کا جواب لکھا ہے ۔ اس میں انہوں نے مجھ سے کہا کہ اس سوال کا جواب کیوں لکھا نہیں ؟ میں نے کہا میں نہیں جانتا اور حقیقت میں وہ سوال نہایت سخت تھا اور بڑا سوال تھا ۔ آخر کلکٹر صاحب میرے ساتھ جو اور تین ڈیپوٹی کلکٹر صاحب ایک میز پر بیٹھے تھے سب کی پشت پر جا کے دیکھا کسی نے اس سوال کا جواب لکھا نہ تھا ۔ بعد ازاں انہوں نے ہم لوگوں کو مخاطب کر کے کہا کہ قانون کی سب باتیں عقلی ہیں اور سوال مذکور کی قیمت سولہ نمبر ہے اور چھوڑ دیا جائیگا تو سولہ نمبر کی کمی ہو جائیگی ۔ عقل سے اس کا جواب لکھئے کہ اگر نصف جواب بھی صحیح ہو جائے گا تو آٹھ نمبر مل جائے گا ۔ یہ کہہ کے وہ چلے گئے ۔ گھنٹے بھر کے بعد پھر آئے اور دیکھا کہ کسی نے اس سوال کا [٦٩] جواب لکھا نہیں ہے ۔ اس میں وہ کمشنر صاحب کے کمرے میں گئے اور ایک کاغذ لیکے نکلے اور دور کھڑے ہو کے پڑھنے لگے ۔ پڑھنے کے بعد میرے پاس آئے اور میرے داہنے کان میں اس سوال کا جواب کہتے رہے اور میں لکھتا رہا اور سب ڈیپوٹی مجسٹریٹ متعجب رہے اور سوائے میرے اور کسی کو انہوں نے اس سوال کا جواب بتلایا نہیں ۔ اور ان سے مجھ سے کبھی کی ملاقات نہ تھی ۔ اس روز شب کو مجھ سے منشی عبدالنعیم صاحب سے ملاقات ہوئی ۔ ان سے میں نے شاہ صاحب کا اور کلکٹر صاحب کا حال کہا اور کہا کلکٹر صاحب نہایت

اچھے آدمی ہیں - اس پر منشی صاحب مذکور نے کہا کہ کلکٹر صاحب نے جو آپ کو سوال بتلایا وہ شاہ صاحب کا تصرف تھا ورنہ کسی اور کو کیوں نہیں بتلایا اور حقیقت میں یہی بات تھی - پھر رات کو جو میں نے اپنے جواب کا نمبر لگانا شروع کیا تو کبھی پچانوے، کبھی سو، کبھی ایک سو پانچ نمبر ہوتا تھا - اس پر میں گھبرایا کہ اگر سو سے نمبر کم ہو گیا تو امتحان پاس نہ ہوگا - اس لئے پھر دوسرے روز شاہ صاحب کے پاس گیا اور امتحان کا حال کہا اور کہنے کو چاہتا تھا کہ اگر سو نمبر سے کم ہوگا تو امتحان پاس نہ ہوگا - اس پر شاہ صاحب نے کہا کہ آپ کو دھوکا معلوم ہوتا ہے - وہ نہیں رہے گا اور اس روز کلکٹری کا امتحان تھا - شاہ صاحب نے مجھ سے کہا کہ جایئے آپ کا امتحان اچھا ہوگا - بعد ازاں میں پھر امتحان دینے کو گیا اور اس روز کا امتحان بہت اچھا ہوا - [۷۰] تیسرے دن ترجمہ کا تھا اور انگریزی سے بنگلہ ترجمہ کرنا تھا - ایک انگریزی چھپا ہوا کاغذ مجھ کو ملا اور کمشنر صاحب کے کمرے میں گیا اور کمشنر صاحب کی داھنی طرف ذرا پیچھے طرف ایک کرسی پر بیٹھا اور ایک محرر میری داھنی طرف سامنے کھڑا تھا اور کمشنر صاحب کچھ لکھ رہے تھے اور مطلب یہ تھا کہ میں اس انگریزی عبارت کا بنگلہ ترجمہ محرر کو کہتا جاؤں گا اور وہ لکھتا جائے گا - اس عبارت میں لفظ اول .... (۱) یعنی 'اتفاقاً' تھا لیکن میں اس لفظ کا بنگلہ جانتا نہ تھا - اس لئے میں نے اس لفظ کا ترجمہ چھوڑ کر باقی جملہ کا ترجمہ بتلایا - اس پر میرے کان میں کسی نے کہدیا .... (۲) میں نے دیکھا کہ وہی کلکٹر صاحب ہیں اور وہ دبے پاؤں آئے تھے کہ

(۱) نساخ یہاں کوئی انگریزی لفظ لکھنا چاھتے تھے لیکن جگہ خالی رہگئی -

(۲) مصنف کو یہاں کوئی بنگلہ لفظ لکھنا تھا لیکن جگہ خالی رہگئی -

کمشنر صاحب کو معلوم نہ ہو اور وہ لفظ کہکے دبے پاؤں چلے گئے۔ محرر یہ حال دیکھ کر مسکرایا۔ میں نے ترجمہ کیا۔ بعد ازاں دالان میں آیا۔

یہاں اور ایک مضمون قابل لکھنے کے ھے کہ چند روز آگے بریسال کے جوائنٹ مجسٹریٹ مسٹر هارس صاحب مجھ سے خواہ مخواہ بہت سے امور سے ناراض تھے اور میرے چودہ مقدمات لیکے انہوں نے اپنی دانست میں غلطیاں نکال کے کمشنر صاحب بہادر کے پاس بھیجدی تھی۔ صاحب کمشنر بہادر مثل مقدمات کو دیکھ کر میری رائے کے موافق ہوئے تھے اور صاحب جنٹ مجسٹریٹ کو سخت لکھا تھا اور میری نسبت [٧١] زیادہ هوشیاری سے کام کرنے کو لکھا تھا۔ بعد ازاں میں امتحان دینے کو ڈھاکہ میں گیا۔ امتحان کے بعد جب میں کمشنر صاحب سے رخصت ہوکے جانے لگا تو انہوں نے مجھ کو بلایا اور کچہری کے برآمدے میں لے گئے اور مجھ سے پوچھا کہ هارس صاحب آپ سے کیوں ناراض ہیں؟ میں نے کہا میں نہیں جانتا۔ غالباً میری ان کی رائے میں موافقت نہیں ھے اس لئے انہوں نے میرے خلاف میں رپورٹ کی تھی۔ صاحب کمشنر بہادر نے کہا کہ نہیں اور کوئی بات ہوگی۔ جن باتوں سے وہ مجھ سے ناراض تھے میں جانتا تھا۔ لیکن جناب اخوی صاحب قبلہ نے مجھ سے بطور نصیحت کہدیا تھا کہ ایک سول سرونٹ کی شکایت ہرگز دوسرے سول سرونٹ سے نہ کرنا اگرچہ دونوں میں کسی سے عداوت کیوں نہ ہو۔ اس لئے میں نے ان باتوں کو کہا نہیں۔ آخر کمشنر صاحب نے مجھ سے کہا کہ هارس صاحب نے جو آپ کی شکایت لکھی تھی وہ یہاں سنی نہیں گئی۔ اس پر میں نے ان کو ایک سلام کیا اور رخصت ہوکے بریسال کو چلا گیا۔ اور کئی دن کے بعد معلوم ہوا کہ مجھ کو فوجداری میں

ایک سو پانچ نمبر اور کلکٹری میں ایکسو تیس نمبر ملے ہیں اور کاغذات امتحان کلکتہ بھیجے گئے ہیں - میں گھبرایا کہ کلکتہ میں فوجداری کا نمبر سو سے کم ہو جائے تو امتحان پاس نہ ہوگا - اس لئے میں نے ایک خط اکالی شاہ صاحب کی خدمت میں لکھا - انھوں نے اس خط کے جواب میں لکھا کہ آپ کی نوکری بحال و برقرار رہے گی - ہرگز کسی طرح کا خوف نہ کیجئے - چند روز کے بعد کلکتہ سے خبر آئی کہ میرا امتحان [۷۲] ہوگیا -

بریسال میں بندوبست کا کام

بریسال کے سارے ضلع کے بندوبست کا کام مجھ سے متعلق تھا - ایک تعلقہ نیلام ہوگیا تھا اور اس کے بندوبست کے لئے میں مقرر ہوا اور جہاں وہ تعلقہ تھا وہاں گیا - لیکن اس کا پتہ و نشان نہیں ملا - اور اس تعلقہ کا جو نام تھا اس نام کا تعلقہ کسی نے سنا بھی نہیں اور قریب چالیس پینتالیس برس سے وہاں ایک بازار ہے - اور اس تعلقہ کے دو طرف دو درخت پیپل اور برگد کے تھے، وہ درخت بھی وہاں نہ تھے اور ان کا اثر اثار بھی وہاں نہیں تھا - اس پر ہم لوگوں نے خیال کیا کہ تعلقہ مذکور کے مالک تین بڑے بڑے زمیندار تھے - ان لوگوں نے اس تعلقہ کی زمین کو اپنی اپنی زمینداری میں شامل کر لیا ہوگا - بعد ازاں اس تعلقہ کو نیلام کروا دیا - کہ اگر کوئی خرید بھی کرے گا تو اس کو کچھ نشان اس کا نہیں ملے گا - لیکن اس طرح فقط قیاس دوڑانے سے کچھ حاصل نہ تھا آخر سراغ میں مصروف ہوا - ایک دن ایک بجے شب کو محرر بندوبست بابو ہرچند گھوش دو شخصوں کو میری کشتی پر لایا - ان لوگوں کی عمر ستر اسی برس کی ہوگی - دونوں برھمن تھے - ان کی زبانی معلوم ہوا کہ قیاس ہم لوگوں کا ٹھیک تھا یعنی ان تینوں زمینداروں نے

پچاس ساٹھ برس ہوئے اس تعلقہ کی زمین کو بانٹ لیا تھا اور اپنی اپنی زمینداری میں شامل کر لیا تھا اور ان کی سرشتہ کے کاغذات سے بھی اس تعلقہ کا نام نکال ڈالا تھا ۔ اس لئے اس تعلقہ کا نام کوئی نہیں جانتا تھا اور دو درخت پیپل اور برگد کے [۷۳] جو تھے ان کو کاٹ ڈالا تھا اور ان دونوں شخصوں نے ان درختوں کا نشان بتلایا کہ فلاں فلاں مقام میں تھے ۔ ان میں سے ایک درخت کا نشان اس بازار کی ایک دوکان کے پاس بتلایا اور ان لوگوں نے کہا کہ اگر یہ بات ظاہر ہوگی تو زمیندار لوگ ان پر بہت ظلم کریں گے کہ وہ لوگ انہیں زمینداروں کی رعایا میں سے ہیں ۔ یہ کہہ کے وہ لوگ چلے گئے ۔ دوسرے روز ہم لوگ اس دوکان کے پاس گئے اور مقام مذکور کو کھدوانے لگے ۔ ہم لوگ کے اس حرکت پر بازار کے لوگ ہنستے تھے کہ ان لوگوں میں کسی نے وہاں کبھی کوئی درخت دیکھا نہ تھا ۔ غرض کھودتے کھودتے تین ہاتھ زمین کے نیچے برگد کے درخت کی بڑی موٹی جڑ نکلی ۔ اس پر سب لوگوں کو تعجب ہوا اور ہم لوگ اس نشان سے تعلقہ مذکور کی زمین جہاں تک تھی جریب کر کے نکالے ۔ زمیندار لوگوں نے جو فریب اس تعلقہ کو دبا لینے کا کیا تھا وہ فریب نہ چلا اور اس تعلقہ کا آگے جتنا خزانہ تھا اس سے بہت زائد خزانہ پر انہیں زمینداروں کے ساتھ بندوبست کردیا ۔

ضلع بریسال اور وہاں کی سماجی زندگی

ایک ایک ملک کے آدمیوں کو ایک ایک طرح کا شوق ہوتا ہے ۔ بریسال کے لوگوں کو اول شوق مقدمہ بازی کا ہے ۔ ایک دن اثنائے گفتگو میں مسٹر هاروی صاحب مجسٹریٹ و کلکٹر بریسال نے مجھ سے ہنس کے کہا کہ گرجا واسطے پادریوں کے اور بوڑھی عورتوں کے ہے نہ کہ اور لوگوں کے واسطے ۔ [۷۴]

بریسال کا ضلع نہایت زرخیز ہے اور وہاں بالم چاول اور ناریل اور سپاری بکثرت ہوتی ہیں ۔ وہاں کاشتکاری بہت آسانی سے ہوتی ہے کہ زمین وہاں کی نہایت نرم ہے اور وہاں کے بیشتر لوگ آسودہ ہیں اور دریا میں ڈکیتی چوری بکثرت ہوتی ہیں اور جعل بکثرت ہوتا ہے اور میں جب تھا تب دیتو نامی ایک ہندو جعل کے کاغذات بنانے میں مشہور تھا اور وہاں کے لوگ حقیقت میں جعل بہت عمدہ بناتے تھے اور جھوٹ مقدمہ بھی خوب بناتے ہیں یہاں تک کہ ایک شخص نے اپنی شیرخوارہ بیٹی کو دوسرے شخص کو دیا ۔ اس نے اسے مار ڈالا اور اپنے دشمن پر مقدمہ کر دیا ۔ ایک شخص نے اپنے چچا کو مار ڈالا اور اپنے دشمن پر مقدمہ دائر کیا اور ایک شخص نے اپنے عزیزوں میں سے ایک شخص کو جس کو ہیضہ ہوا تھا، اس کے مرتے ہی برچھی سے اس کے پیٹ میں زخم کیا اور اپنے دشمن پر نالش کر دی ۔ اور ڈاکٹر صاحب کو بھی دھوکا دیا کہ انہوں نے بھی گواہی دی کہ وہ شخص برچھی کے زخم سے مر گیا تھا ۔

ہر چند کہ میں بنگالہ کا رہنے والا ہوں لیکن طبعیت میری اس قسم کی واقع ہوئی ہے کہ مہینوں خشکہ کھاتا تھا اور مہینوں روٹی کھاتا تھا اور مہینوں پلاؤ کھاتا تھا اور کبھی ایک وقت خشکہ ایک وقت پلاؤ اور کبھی ایک وقت پلاؤ ایک وقت روٹی کھاتا تھا ۔ جب بریسال میں گیا تو دیکھا نہایت مرطوب جگہ ہے اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ روٹی [۷۵] کھایا کروں ۔ چنانچہ میں روٹی کھانے لگا اس ملک میں کوئی شخص ایسا نہ تھا کہ صرف روٹی کھاتا ہو اس لئے لوگوں کو نہایت تعجب ہوا اور بہت سے گاؤں کے لوگ مجھ کو دیکھنے کو آتے تھے اور پوچھتے تھے ۔ چنانچہ ایک بار صاحب جج مسٹر کمپ صاحب بہادر نے بھی مجھ سے پوچھا کہ ہم نے سنا ہے کہ آپ روٹی کھاتے ہیں ۔ میں نے کہا ہاں ۔

اس پر انہوں نے کہا شاید بنگالہ کا رہنے والا ایسا کوئی شخص نہ ہوگا
کہ بنگالہ میں رہ کے روٹی کھایا کرے اور اندنوں بھی کھانے کے بارے
میں میرا وہی حال ہے -

بریسال میں ایک محکمہ پیروزپور ہے - اس کے پورب طرف بالیسر
نامی ایک بڑا دریا ہے اور دکھن طرف ایک چھوٹا دریا ہے اور
بالیسر میں برابر کشتی پر ڈکیتی ہوتی تھی - وہاں کے ڈیپوٹی مجسٹریٹ
کی بدلی ہو گئی - اندنوں بریسال میں گیارہ حاکم ولایتی اور ملکی تھے
اور ملکی حاکموں میں پانچسو [روپئے] تنخواہ پانے والے بھی تھے - صاحب
مجسٹریٹ نے کمشنر صاحب کو لکھا کہ ایک بہت پختہ کار' تجربہ کار ڈیپوٹی
مجسٹریٹ کو وہاں بھیجدینے کے لئے گورنمنٹ میں لکھا جائے - لیکن کمشنر
صاحب نے مجھ کو وہاں متعین کیا [٧٦] اور میری نسبت لکھا کہ
وہ اس محکمہ کے قابل ہیں - چنانچہ میں وہاں گیا اور میں آگے سے وہاں
کا حال خوب اچھی طرح سے جانتا تھا - میں جس وقت پیروز پور میں
پہنچا اس وقت ایک رویکاری کی اور یہ حکم صادر کیا کہ شام کے بعد
سوائے سواری کے اور مال کے اور ماہی گیروں کی کشتی کے اور کوئی
کشتی دریا میں نہ جائے اور پولیس کو جا بجا متعین کر دیا کہ اگر اور
کسی قسم کی خالی کشتی ملے تو اس کو گرفتار کر کے محکمہ میں
بھیجدے اور اس علاقہ میں جتنی کشتیاں دوڑانے کی تھیں سب کو منگوا کر
تھانوں میں اور محکموں میں رکھوا دیا کہ جب کشتی کے دوڑانے کا
وقت آئے اس وقت ان کشتیوں کو لیجائے - اور میں نے دیکھا کہ ہر طرف
سے جتنی کشتیاں آتی ہیں سب محکمہ کے کچہری کے نزدیک چھوٹے
دریا میں رہتی ہیں - شام کے بعد کوئی کشتی بڑے دریا میں یعنی بالیسر
میں نہیں جاتی - اس لئے میں نے ایک بہت بڑی لمبی کشتی منگوائی اور

شام کے بعد اس کشتی میں سوار ہوتا تھا اور پیادوں اور محکمہ جس گاؤں میں تھا وہاں کے پندرہ سولہ برس کے لڑکوں کو ساتھ لیجاتا تھا - وہ کشتی چلاتے تھے اور میں دو گھنٹہ کے عرصہ میں دو پہر کی راہ اس کشتی پر پھر کے چلا آتا تھا - تین چار روز کے بعد سے دیکھا کہ شام کے بعد ہی بالیسر میں کشتیاں چلنے لگیں - بعد ازاں سندر بن کے ڈپٹی کمشنر نے [٧٧] میرے پاس چٹھی لکھی کہ اس محکمہ میں کتنے نامی ڈکیت اور چور ہیں - میں نے تحقیقات کر کے ساڑھے تین سو نامی چور ڈکیت کے نام لکھدیئے اور بہت سے نامی ڈکیتوں کو بلایا اور ان کو دھمکایا خصوصاً چھوٹے دریا کے پار خان محمد نامی ایک ڈکیت تھا، اس کو بلا کر کہدیا کہ تمہارا مکان بالیسر کے کنارے پر ہے اگر بالیسر میں ڈکیتی ہوگی تو تم کو گرفتار کروں گا - غرض چند نامی ڈکیتوں کو بلا کر دھمکایا اور ان لوگوں نے اور لوگوں کے ذریعہ سے مجھ کو کہلا بھیجا کہ جب تک میں رہوں گا تب تک اس محکمہ کے علاقہ میں کہیں دریا میں چوری ڈکیتی نہ ہوگی - چنانچہ میں اس محکمہ میں تین بار ساڑھے تین مہینے تک تھا - اس اثناء میں ایک ڈکیتی بھی نہیں ہوئی اور یہ بات سارے ضلع میں مشہور ہوگئی - اس عرصہ میں مجھ سے صاحب مجسٹریٹ سے ملاقات ہوئی انہوں نے مجھ سے میرے انتظام کا ذکر کیا اور کہا کہ اور چند روز کے بعد میں نے جو حکم محکمہ میں جاری کیا ہے وہ بھی اپنے علاقہ میں وہی حکم جاری کریں گے -

ہوڑہ میں تبادلہ اور مٹیا برج کے مشاعرے میں شرکت

بعد ازاں میری بدلی ہوڑے میں ہوئی اور میں مارچ ١٨٦٣ع میں کلکتہ کو گیا اور کلکتہ ہی میں رہتا تھا اور روزانہ ہوڑے میں جاکر کام کرتا

تھا - [۷۸] انہیں دنوں میں نادر مرزا صاحب لکھنوی اور میر دوست علی صاحب خلیل سے کلکتہ میں ملاقات ہوئی تو میر صاحب نے مجھ سے کہا کہ آپ نے خوب بھگویا - میں نے سبب پوچھا - تو انہوں نے کہا کہ مٹیا برج میں مشاعرہ ہوا اور اہالیان مشاعرہ نے ان کی دعوت کی - انہوں نے ان لوگوں سے میری نسبت پوچھا کہ ان کو ان لوگوں نے بلایا نہیں - ان لوگوں نے کہدیا کہ ہاں دعوت ہوئی ہے اس پر انہوں نے میرا نام لیکر کہا کہ اگر وہ جائیں گے تو ہم بھی جائیں گے - حالانکہ مجھ کو دعوت نہ تھی اور میر صاحب کلکتہ سے گاڑی پر روانہ ہوئے - راستے میں مینہ برسا گاڑی کی چھت ٹپکتی تھی - وہ بھیگ گئے اور مٹیا برج میں اپنے ایک دوست کے مکان میں ٹھہرے اور کپڑے کو آگ میں خشک کیا - رات کو ان کو لوگ مشاعرہ میں لیجانے کو آئے - انہوں نے میری بات پوچھی - ان لوگوں نے کہا کہ وہ آئے نہیں - میر صاحب نے کہا جب وہ آئیں خبر دینا - غرض پھر رات کو ان لوگوں نے آکے چاہا کہ ان کو لیجائیں لیکن میں گیا نہ تھا اور جاتا کیونکر - مجھ کو مشاعرہ کا حال معلوم نہ تھا اس لئے میر صاحب مشاعرہ میں گئے نہیں - میں نے ان سے کہدیا کہ مجھ کو دعوت نہ تھی - اس لئے میں گیا نہیں - اس پر میر صاحب نے حکیم احمد مرزا صاحب سے (میر صاحب انہیں کے مکان میں وارد تھے -) [۷۹] کہا کہ دیکھئے انہیں باتوں سے اہل لکھنؤ زمانے میں بدنام ہیں - پھر دوسرا مشاعرہ ہوا اور میر صاحب کو دعوت ہوئی - انہوں نے میرا نام لیکر کہدیا کہ اگر وہ جائیں گے تو ہم بھی جائیں گے - اس دفعہ مجھ کو بھی دعوت ہوئی اور میر صاحب نے مجھ سے کہا کہ یہ مشاعرہ خاص کر کے آپ کے واسطے ہوا ہے - اگر

آپ کو فرصت ہو اور اس پر غزل کہہ سکیں تو طرح میں غزل کہیں ورنہ نہ کہیں۔ مصرع طرح ہوا تھا: 'کم عندلیب مست سے اپنا قلم نہیں' میر صاحب کے کہنے سے، باوجود عدیم الفرصتی کے، میں نے یہ غزل (۱) کہی - چند شعر اس کے یہ تھے:—

کب فیضیاب شادی وصلت سے ہم نہیں
کب چاک اپنے ہاتھوں سے دامان غم نہیں

دلبر چھٹا کسی کا کوئی چال پر پسا
تعویذ حب بغض بھی نقش قدم نہیں

گالی مجھے جو دی تو جلے غیر رشک سے
اس بت کی دشمنی بھی محبت سے کم نہیں

کٹتے ہیں غیر حال مرا دیکھ دیکھ کر
تیغ جفا سے تیری وفا یار کم نہیں

جاں پاتے ہیں رقیب جو ہجراں میں دیکھ کر
ہے چشمۂ حیات مری چشم نم نہیں

کرتا ہے قتل مجھ کو ترا وعدۂ وصال
دمساز تیغ تیز سے کم تیرا دم نہیں

[۸۰] آسان بہر اہل دول ہے جہاں کی سیر
کم خط جام سے کبھی نقش درم نہیں

اس بت کی ہجر میں جو ٹپکتے ہیں اشک صاف
سنگ چکاں سے کم میری چشمان نم نہیں

سیر جہاں جو ہوتی ہے حاصل کتاب سے
حرفوں کا دائرہ بھی کم از جام جم نہیں

(۱) دفتر بے مثال، مطبوعہ لکھنؤ، ۱۸۷۴ء، صفحہ ۱۰۰—۱۰۱

حل ہو گیا ہے مسئلۂ جبر و اختیار
میں قید زلف یار، اسے میرا غم نہیں
کیوں مد آہ بلبل نالاں بھی بے اثر
گر گل جہاں کے باغ میں جذر اصم نہیں
نساخ بھی جو طائر مضموں کی فکر میں
شہباز تیز پر ہے ہمارا قلم نہیں

مشاعرہ کے دن میر صاحب اور میں ایک دن کلکتہ سے روانہ ہوا اور میرے چھ سات شاگرد بھی میرے ساتھ تھے - میں نے اپنے شاگردوں کو منع کر دیا تھا کہ وہ کسی اہل لکھنؤ کے شعر پر اعتراض نہ کریں - غرض محفل مشاعرہ میں میں اور میر صاحب ایک جگہ بیٹھے تھے - مجھ سے میر صاحب نے کہا یا میں پہلے شعر پڑھوں اور آپ آخر میں پڑھیں یا آپ پہلے پڑھیں میں آخر میں پڑھوں گا - اس پر میں نے سبقت کی اور شعر پڑھے - بعد ازاں میرے شاگرد بھی کہ میرے ساتھ بیٹھے تھے شعر پڑھے - بعد ازاں اہل لکھنؤ میں سے ایک شخص میری طرف مخاطب ہوا اور کہا کہ دیکھئے ذرا غور سے سنئے گا، شعر اس کو کہتے ہیں - اس طرح کے کلمات کہے کہ میر صاحب کے بشرے سے معلوم ہوا کہ ان کو اس شخص کی یہ حرکت نہایت نا گوار ہوئی - آخو اس شخص نے بڑے زور سے یہ مطلع پڑھا -

[٨١] مرتفع جب اپنی آھوں کا دھواں ھو جائے گا
آسماں اک اور زیر آسماں ھو جائے گا

اس مطلع کے پڑھتے ھی بیشتر اہل لکھنؤ کی چونڑ اوچھلی اور ھاتھ اٹھا اٹھا کر بڑے زور سے تعریف کی - میرے دوست سید عصمت اللہ صاحب

انسخ کو نا گوار ہوا ۔ انہوں نے باوجود ممانعت کے پکار کے کہدیا کہ اس مطلع کا پورا مضمون خواجہ وزیر کا ہے اور خواجہ وزیر کا یہ شعر پڑھ دیا ....(۱) اس کو سنتے ہی ' مرتفع' والے نے کہا کہ خواجہ وزیر کا دیوان دیکھا نہیں ۔ بعد ازاں اس غزل کے باقی شعر اس طرح سے آہستہ آہستہ پڑھے کہ محفل مشاعرہ کے نصف لوگوں نے بھی سنے نہیں اور تعریف کرنے والے بھی سست ہوگئے ۔ آخر میں دوست علی خلیل نے شعر پڑھے ۔ ان میں سے چند شعر یہ ہیں :—

ضعف سے کانپتے ہیں چلنے میں ہر بار قدم
پڑتے ہیں صورت چوب کف بیمار قدم
پائے رنگیں سے جو ہر نقش قدم ہے گل تر
چار باغ اے نظر تم جو چلو چار قدم
سالک راہ محبت کو ہے غفلت سے ضرر
دیکھ لو سونے سے ہو جاتے ہیں بیکار قدم
مرتبہ خاک نشینوں کا جو سمجھے کوئی
رکھے پھر نقش قدم پر بھی نہ زلہار قدم
[۸۲] بے سبب دشت جنوں میں نہیں سر گرداں ہم
قلم آسا نہیں رکھتے کبھی بیکار قدم
حشر برپا ہو' کہیں لوگ قیامت آئی
ربع مسکوں میں ہو ہلچل جو چلو چار قدم

(۱) قلمی نسخہ میں شعر لکھا ہوا نہیں ہے حالانکہ اسکے لئے جگہ خالی رہگئی ہے ۔ غالباً نساخ وزیر کا یہ شعر لکھنے والے تھے (دیوان وزیر موسوم بہ دفتر فصاحت' کانپور' ۱۸۵۶ء' صفحہ ۲۷)

گر زمین سے ہو گیا درد دل سوزاں بلند
آسماں ایک اور زیر آسمان ہو جائیگا

میر دوست علی صاحب بہت معقول آدمی تھے اور شعر اچھا کہتے تھے اور مجھ سے از حد محبت رکھتے تھے۔ ان سے بیشتر ملاقات ہوا کرتی تھی اور برابر شعر و سخن کا چرچا ہوتا تھا۔

انہیں دنوں مولوی دلیل الدین احمد خان بہادر ڈپوٹی مجسٹریٹ بست و چہار پرگنہ کے اشارے کے مطابق اہالیان مٹیا برج نے ایک مشاعرہ کیا اور یہ مصرع طرح میرے پاس بھی بھیجا :

آمد فصل بہاری کی چمن میں دھوم ہے

میں نے اس زمین میں تین غزلیں 'بہاری' اور 'چمن' اور 'دھوم' کو قافیہ کر کے لکھی۔ چند شعر ان غزلوں کے یہ ھیں :

تیرے جاتے ھی غم و رنج و الم کی دھوم ہے
سینہ سوزاں ہے مگر ہر درد دل مغموم ہے

زلف سنبل نے سنواری، مسّی سوسن نے ملی
آمد فصل بہاری کی چمن میں دھوم ہے

نے صدا سنتے ھیں، نے دیدار ہوتا ہے نصیب
گوش ھیں مہجور چشم منتظر محروم ہے

جمع جو عشاق ھیں اور پڑھتے ھیں ہر دم درود
نقش پائے یار کیا قبر دل مرحوم ہے

[۸۳] تشنہ کامی دفع کیا نساخ کے مقتل میں ہو
آب خنجر سے نہ ہو تر خشک وہ حلقوم ہے

* * * *

میرے تیرے عشق کی سب مردوں میں دھوم ہے
لیلی و شیریں و قیس و کوہ کن میں دھوم ہے

تیری باتیں چٹکیاں لیتی ھیں وہ دل میں کہ بس
اے ستمگر مطربان زخمہ زن میں دھوم ھے
سن کے حال مرگ مجھ عریاں کا کیوں خوش ھیں عدو
کیوں میرے مرنے کی دزدان کفن میں دھوم ھے
تیری زلف و جسم و رخسار و قد، اندام کی
نرگس و سنبل، گل و سرو و سمن میں دھوم ھے
جلوہ گر سب کو ھوا وہ مایۂ عیش و نشاط
کس قدر نساخ کی بیت‌الحزن میں دھوم ھے

* * * *

آمد فصل بہاری کی چمن میں دھوم ھے
بلبلوں کی بے قراری کی چمن میں دھوم ھے
کان گل کے کر ھوئے موقوف ھے بلبل کا شور
وہ ھماری آہ و زاری کی چمن میں دھوم ھے
آمد آمد باغ میں ھے آج کس خوش چشم کی
نرگسوں کی انتظاری کی چمن میں دھوم ھے
گل سے بلبل کو محبت سرو سے قمری کو عشق
فصل گل میں رسم یاری کی چمن میں دھوم ھے
وہ کھلے بندوں جو اے نساخ آئے باغ میں
آج گل کی دل فگاری کی چمن میں دھوم ھے

پوری غزلیں میرے دیوان دوم موسوم بہ 'اشعار نساخ' میں مندرج ھیں (۱)۔ دیوان مذکور چھپ گیا ھے۔

---

(۱) یہ غزلیں اشعار نساخ، مطبوعہ لکھنؤ، ۱۸۷۰ء، صفحہ ۶۳—۶۵، پر درج ھیں۔

مولانا جامی کی زمین میں نساخ کی ملمع

کلکتہ میں ایک جلسہ میں ایک قوال مولانا جامی کی ملمع جس کا مطلع یہ ہے [۸۴] گا رہا تھا :-

اَجِنَّ شَوْقًا اِلیٰ دِیَارٍ لَقِیتُ فِیهَا جَمَالَ سَلْمیٰ

کہ می رساند نوید لطفش ازاں نواحی بجانب ما

اس پر میرے دوستوں میں ایک شخص نے مجھ سے کہا کہ آپ بھی اسی زمین میں ایک غزل کہئے - کئی روز کے بعد میں نے یہ غزل کہی :—

تحمل بوسہ ہای پیہم رکھے نہ شام وصال اصلا

لَطِیْفُ دَلٍ نَعُومُ عَطْفٍ تَورَدَّتُ وَجنَتَاهُ وَهْلا

فروغ داغ دل عزیزاں ہے نور سودای زلف پیچاں

كَشَمْسِ دَجنٍ كَبَرقِ مُزْنٍ كَبَدرٍ وَهْنٍ اِذَا تَجَلّا

شب ملاقات یار جانی لئے چلے ساتھ زندگانی

نَعَاءُ نَفسِي نَعَاءُ نَفسِي فَاِنَّ شَرخَ الشَّبَابِ وَلّا

کشاں کشاں اشتیاق خنجر گلے میں لایا ترے ستمگر

مَدَدتُ کَفّي وَ لَستُ اَدرِي اَبَاذِلٌ مَا سَئَلتُ اَمْ لَا

فزوں ہے اخگر سے داغ سینہ ہے برق خرمن ہمیں تو جینا

قَلَیتَ ذَاخِلَةَ حَشَاهُ عَلیٰ لَظَی الشَّوقِ مِنکَ ثُقْلَا

نہیں ہے صحت کا اپنے امکاں کہ ہے یہ ایمای چشم جاناں

مَنِ استَحَبَّ الْمِرَاضَ مِنَّا تَوَلَّہُ الدَّهرَ مَا تَوَلّا

کمال انوار روی روشن نگه کو کرتا ھے دود گلخن

ضَلَالٌ قَلْبِی ضِیَاءُ عَیْنِی وَ مَنْ سَبَتْهُ الدُّمی تَضَلَّا

تمھاری برق نگاہ جانی ھوئی ھے تیغ جھاں ستانی

مَلَکَتْ مُلْکَ الْقُلُوبِ طُرًّا بِمُرْهَفَاتٍ تَحُسُّ خَلَّا

نمونۂ کربلا ھے وہ کو، ھوا جو ایمای چشم و ابرو

تَطَایَرَتْ حَوْلَهُ رُؤُسٌ کَاَنَّهَا بِالسُّیُوفِ تُفَلَّا

[۸۵] ھمیں تو نساخ ھے یھی غم کہ وہ پری چھرہ جان عالم

سَرِیْعُ ذَهْلٍ بَطِیْئُ فَیْئٍ اِذَا تَمَلَّی الْخَلِیْطُ مَلَّا (۱)

ھوڑے میں رھنے کے حال میں ایک دن نسیم اسحق یھودی، یعقوب نام ایک یھودی کو لیکے میرے پاس آئے اور کھا کہ یعقوب کو اس کے چچا نے جو کلکتہ میں [۸۶] نامی تاجر ھے مصر یا شام سے بلوایا ھے کہ اس سے اپنی لڑکی کی شادی کردے اور نشان بھی چڑھایا گیا۔ لیکن یعقوب کا چچا یعقوب سے ناراض ھو گیا ھے اور شادی نھیں کرتا ھے اور اس عرصہ میں یعقوب نے اپنے چچا کی لڑکی کو جو اس سے منسوب تھی لوگوں کے سامنے اپنی زوجہ کھا ھے اس لئے اس لڑکی نے یعقوب کے نام پر عدالت فوجداری میں ازالہ حیثیت عرفی کے نالش سیول کوڈ کے پانچسو ۰۰ دفعہ کے مطابق دائر کردی ھے اور یہ بھی کھا ھے کہ اگرچہ شادی اب تک ھوئی نھیں لیکن شرع موسوی کے مطابق اس لڑکی کی شادی، جب تک یعقوب چھوڑ نہ دے، دوسرے سے ھو نھیں سکتی ھے۔ اتنا حال

(۱) اس شعر کے بعد مخطوطے کا تقریباً پورا صفحہ خالی رهگیا ھے۔ نساخ شاید ملمع میں مزید اشعار اضافہ کرنا چاھتے تھے۔

کہکے ان لوگوں نے مجھ سے رائے طلب کی اور کہا کہ بہت سے کونسل اور وکیل مختار نے کہا ہے کہ یعقوب سزا ہو جائے گی اور ان کے سب دوست ملاقاتی وغیرہ نے رائے دی ہے کہ یعقوب کو قید ہو جائیگا ۔ میں نے سب حال سن کے اور غور کر کے یہ رائے دی کہ یعقوب سزا پا نہیں سکتا بلکہ رہا ہو جائے گا اور مقدمہ ڈسمس ہو جائیگا ۔ اور میں نے یعقوب سے کہدیا کہ انہوں نے مجھ سے جس طرح پر صاف صاف بیان کیا ہے عدالت میں بھی اس طرح بیان کریں ۔ ایک بات جھوٹ نہ کہیں ۔ بعد ازاں، وہ لوگ چلے گئے اور پھر میرے پاس آئے اور کہا کہ یعقوب کے بارسٹر وغیرہ میری رائے کے خلاف ہیں ۔ میں نے کہا کہ بعد [۸۷] انفصال کے' حال معلوم ہو جائیگا اور چند روز کے بعد وہ مقدمہ ہائی کورٹ میں فیصل ہوا اور یعقوب رہا ہوگیا ۔ شہر میں اس مقدمہ کی بڑی دھوم ہے اور جا بجا اس کا چرچا ہوتا تھا ۔ اخباروں میں بھی چھپا تھا اور سبب یہ تھا کہ ایک امیر زادی نے نالش کی تھی ۔

ضلع راجشاهی میں تبادله

اسی سال میرا دیوان اول موسوم بہ 'دفتر بیمثال' و اردو ترجمہ 'پند نامۂ عطار' موسوم بہ 'چشم فیض' کلکتہ میں چھپ گیا ۔ اور اسی سال انجمن مذاکرۂ علمیہ کی بنا جناب اخوی صاحب قبلہ نے ڈالی ۔ اسی سال کے آخر میں میری بدلی ضلع راجشاہی معروف بہ رام پور بوالیا میں ہوئی ۔ ۱۸٦۴ء کی جنوری میں کلکتہ سے روانہ ہو کے مرشد آباد کو گیا اور وہاں ابوالحسن صاحب کے مکان پر ٹھہرا ۔ ان سے قبل ازیں کلکتہ میں ہی ملاقات ہوئی تھی ۔ وہاں منشی اعظم الدین صاحب کاکوروی دیوان دھوڑی نواب ناظم بہادر سے بھی ملاقات ہوئی ۔ ان سے بھی کلکتہ میں قبل ازیں ملاقات ہو چکی تھی اور سرآمد علماء زمان مولوی نجف علی خاں صاحب متخلص بہ 'خستہ' باشندہ جھجر سے ملاقات ہوئی ۔ ان کو زبان عربی و دری میں ایسا

دخل تھا کہ شاید ھند میں اور کسی کو نہ تھا۔ ان کی تصنیفات میں سینکڑوں کتابیں ھیں۔ ان میں سے 'مقامات حریری' کی بے نقط شرح ھے [۸۸] اور شرح دساتیر موسوم بہ 'سفرنگ دساتیری' ھے۔ نواب ناظم بہادر کو میرے آنے کی خبر پہنچ گئی تھی۔ دوسرے دن میں ان کی ملازمت کو حاضر ھوا۔ بعد ازاں اسی شب کو روانہ ھو کر دوسرے روز صبح کو راجشاھی میں پہونچا اور منشی محمد اطہر صاحب وکیل عدالت دیوانی جج کے مکان میں ٹھہرا۔ بعد ازاں مکان کرایہ کیا اور اپنے کام میں مشغول ھوا۔ وھاں مولوی امجد علی خان صاحب ابن چودھری دوست محمد خان صاحب زمیندار ناتور و چودھری حفاظت اللہ صاحب و مولوی امجد علی صاحب زمیندار سے جن کے ذریعہ سے میں نے 'زیچ بہادر خانی' منگوائی اور پیرو میاں سجادہ نشین سے اور شاہ مہر علی صاحب میدنی پوری (۱) اور مولوی مشیت اللہ

---

(۱) آپکا نام نامی حضرت سید شاہ ابوالشمس محمد مہر علی القادری ھے۔ آپ اصلاً بغدادی اور مولداً میدنی پوری تھے اور حضرت اعلیٰ حضور کے لقب سے مشہور تھے۔ آپ سیدنا حضرت غوث اعظم کے فرزند ارجمند سیدنا سید تاج الدین ابو بکر عبدالرزاق کی اولاد امجاد میں انیسویں پشت میں تھے۔ آپکی ولادت شریف بتاریخ ۱٦ ربیع الاول ۱۲۲۳ھ مطابق ۲ مئی ۱۸۰۸ء شہر میدنی پور (مغربی بنگال) میں ھوئی۔ میدنی پور اور بنگال کے مختلف اضلاع میں متواتر سفر کے ذریعہ آپ نے سلسلہ قادریہ کی تعلیمات کو فروغ دیا۔ علوم ظاھری اور عرفان باطنی کو عام کرنے کیلئے آپ نے میدنی پور میں ایک خانقاہ کی بنیاد رکھی۔ آپ کے بعد آپکے بڑے صاحبزادے حضرت سید شاہ علی عبدالقادر شمس القادری المعروف بہ سید شاہ مرشد علی القادری مسند ارشاد قادریہ کی زینت بنے اور غوث زماں اور قطب دوراں ھوئے۔ آپکی ولادت با سعادت ۲۷ رمضان المبارک ۱۲٦۸ھ مطابق ۱٦ جولائی ۱۸۵۲ء کو میدنی پور میں ھوئی۔ گذشتہ صدی عیسوی کے اواخر میں آپ نے کلکتہ کے تالتلہ علاقے میں ایک خانقاہ اور مسجد کی بنیاد ڈالی اور اسطرح اس شہر میں رشد و ھدایت کی وہ شمع روشن ھوئی جسکی ضوفشانی آجتک قایم ھے۔ آپ بتاریخ ۲۷ شوال المکرم ۱۳۱۸ھ مطابق ۱۷ فروری ۱۹۰۱ء میں کلکتہ میں واصل بحق ھوئے۔ آپکا اور آپکے والد ماجد کا مزار پر انوار شہر میدنی پور کے جوڑا مسجد میں مرجع خاص و عام ھے۔

اور شرح دساتیر سوم به فرہنگ دساتیر نواب ناظم بہادر کو میری انیکی
خبر پہنچ گئی تہی دوسری دن میں اونکی ملازمت کو حاضر ہوا بعد ازان اوسی
سبب کو روانہ ہو کر دوسری روز صبح کو راج ساہی میں پہونچا اور منشی
محمد اظہر صاحب وکیل عدالت دیوانی ضلع کے مکان میں ٹہرا بعد ازان مکان
کرایہ کیا اور اپنی کام میں مشغول ہوا وہان مولوی امجد علی صاحب ابن چودہری
دولت محمد خان صاحب زمیندار ناتور و چودہری حفاظت اللہ صاحب و
مولوی امجد علی صاحب کے صاحبزادے جنکی ذریعے سے میں زیج بہادرخانی منگوائی اور پیر و میان صاحب
سجادہ نشین سے اور شاہ مہر علی صاحب بغدادی پوری اور محبت اللہ صاحب منصف
وغیرہ لوگون سے ملاقات ہوئی اور شاہ مہر علی صاحب کی کہنی کے مطابق میں اونکی
صاحبزادہ شاہ مرشد علی صاحب وغیرہ کی تاریخی نام نکال دیا اور اسکا جو
لکہا کہ اونکا جو نام تہا الحسیر کتب بڑا کی تاریخ نکال دی شاہ صاحب نے مولود
شریف کی مجلس کی اور مجہسی شریک ہوا اور وہیں میں مرزا ... بخت ابن
مرزا خرم بخت ابن مرزا جوان بخت معروف بمرزا جہاندارشاہ ابن شاہ عالم
بادشاہ دہلوی کی دختر نیک اختر سے شادی کی اور وہین ایک لڑکی جس روز
پیدا ہوئی اوسی روز ہو گئی راج شاہی کی تب وہو ... ہوا

قلمی نسخه کا وه صفحه جس میں کلکته کی مشهور خانقاه قادریه عالیه (تالتله)
کے بانی حضرت سید شاه مرشد علی القادری البغدادی اور انکے والد بزرگوار
حضرت سید شاه مهر علی القادری البغدادی کا ذکر موجود هے ـ

صاحب منصف وغیرہ لوگوں سے ملاقات ہوئی ۔ اور شاہ مہر علی صاحب کے کہنے کے مطابق میں نے انکے صاحب زادے شاہ مرشد علی صاحب وغیرہ کے تاریخی نام نکال دیئے اور اس طرح پر نکالا کہ ان کا جو نام تھا ان پر کنیت بڑھا کر تاریخ نکال دی ۔ شاہ صاحب نے مولود شریف کی مجلس کی اور مجھ سے پڑھوایا اور وہیں میں نے مرزا ہمایوں بخت ابن مرزا خرم بخت ابن مرزا جواں بخت معروف بمرزا جہاں دار شاہ ابن شاہ عالم بادشاہ دہلوی کی دختر نیک اختر سے شادی کی اور وہیں ایک لڑکی جس روز پیدا ہوئی اسی روز مرگئی ۔ راجشاہی کی آب و ہوا نہایت خراب ہے ۔ ایک بار ایسا ہوا [۸۹] کہ ہمارے ساتھ تیس بتیس آدمی تھے اور سب تپ صفراوی میں مبتلا ہو گئے اور ایک وقت ایسا ہوا کہ سبھوں کے واسطے ایک دیگ میں سابو دانا پکایا گیا اور سبھوں نے کھایا ۔ دوسری ہانڈی کی پکانے کی ضرورت نہ ہوئی ۔

راجشاہی میں برہمو گیانیوں سے مباحثہ

راجشاہی میں رہتے وقت وہاں چند برہمو گیانی و کیل وغیرہ سے ملاقات ہوگئی ۔ اور ان سے بہت ربط بڑھ گیا ۔ ایک دن ان لوگوں نے مجھ سے پوچھا کہ دنیا میں باستثناء بعض حیوان مثل خوک و بوزینہ وغیرہ کے سب جانور چرندہ پرندہ درندہ جوڑا جوڑا ہوتا ہے اور آدمیوں میں بھی اسی قاعدۂ خلقی کے مطابق ایک مرد کے واسطے ایک عورت چاھئے ۔ مسلمانوں میں ایک مرد کے واسطے چار چار بیویاں کیوں مقرر ہوئیں ؟ اس کی کوئی عقلی دلیل بتایئے ۔ میں نے ان سے پہلے کہا دنیا میں پہلے کتنے آدمی مسلمان تھے اور ان کا کیا حال تھا ؟ برہمو گیانی سب پڑھے ہوئے قابل لوگ تھے ۔ ان لوگوں میں سے بعض شخص نے کہا کہ سب

سے پہلے دنیا میں صرف ایک مسلمان یعنی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تھے - بعد ازاں تھوڑے تھوڑے لوگ مسلمان ہوتے گئے اور وہ لوگ نہایت غریب تھے - یہاں تک کہ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض وقت بھوک کے سبب سے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے پیٹ پر پتھر باندھ لیا تھا - اور ان لوگوں سے بت پرست کفار سے [۹۰] اور نصرانی اور یہود سے لڑائیاں ہوتی تھیں - اس میں مسلمان لوگ مارے بھی جاتے تھے - اس پر میں نے کہا کہ فرض کیجئے کہ اوائل اسلام میں تین چار سو مرد اور تین چار سو عورتیں مسلمان تھیں - بعد ازاں کفار سے لڑائی میں چند مسلمان مرد مارے گئے - ان کی عورتیں بیوہ رہ گئیں اور وہ مسلمان ہیں اور ان کے قرابت دار کفار ان کو بلایا کرتے ہیں کہ وہ عورتیں پھر ان کے پاس جائیں اور دین اسلام چھوڑ دیں - اب ان عورتوں کو چھوڑ دینا مناسب ہے یا نہیں ؟ در آں حالیکہ یقین تھا کہ وہ لوگ دین حق پر ہیں - اسپر سب لوگوں نے کہا کہ ان عورتوں کو چھوڑ دینا مناسب نہ تھا بلکہ ان کو اسی دین پر رکھنا چاہئے تھا - اس پر فقط ایک برمو گیانی نے کہا کہ انہیں ان عورتوں کو دینا تھا کہ وہ جو چاہیں کریں - اس پر سب برمو گیانی نے اس شخص سے کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی رائے نکاح ثانی کے خلاف میں ہے - انہوں نے اس سے انکار کیا لیکن سبھوں نے اس شخص کو خوب مائل کیا کہ نکاح ثانی عورتوں کے واسطے ہونا ضروری ہے - غرض میں نے ان لوگوں سے کہا کہ جب ان مسلمان عورتوں کو چھوڑ نہیں سکتے تو ضرور ہوا کہ ان کی خورد و پوش کی فکر کریں حالانکہ آپ لوگ خود قبول کرتے ہیں کہ مسلمان لوگ بہت غریب تھے - ایسے حال میں جب تک ان سے کوئی رشتہ نہ ہو تب تک کوئی شخص کیوں [۹۱] ان کی خورد و پوش کی فکر کرے گا ؟ بس ضرور

ہوا کہ اول عورتوں سے نکاح کر لیا جائے کہ نکاح ہو جانے سے اگر ایک روٹی ملے گی تو اس کو ہی زن و شوہر بانٹ کھائیں گے - اس وقت ایسے ایک ایک مرد کی دو دو بیبیاں ہوگئیں - بعد ازاں پھر لڑائی ہوئی اور پھر مسلمان مارے گئے - عورتیں زاید ہوگئیں - اس وقت تین تین بیبیاں ہوگئیں - پھر لڑائی ہوئی - پھر ایک ایک مرد کی چار چار بیبیاں ہوگئیں - اس کے بعد مسلمان بہت ہوگئے - اس کو سن کے سب برمو گیانی نے کہا کہ نہایت عمدہ عقلی دلیل ہے - میں نے ان سے کہا کہ حقیقت میں ایسا ہونا میرے مذہب کی کسی کتاب سے ثابت نہیں ہے - لیکن آپ لوگوں کے پوچھنے پر میں نے یہ عقلی دلیل بیان کی کہ ایسے حالات میں چار چار بیبیاں ہو سکتی ہیں - اور دوسری عقلی دلیل بہت صاف اور روشن یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو آدمی کو مخلوق کیا تو اس کی غرض اس سے یہی تھی کہ ابن آدم اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں - پس ایک مرد کی اگر ایک بی بی سے زاید بیبیاں ہوں گی تو اولاد زاید ہوگی اور عبادت میں بھی زیادتی ہوگی - برخلاف اس کے اگر ایک عورت دو تین مرد سے ایک وقت میں نکاح کرے تو اولاد زاید ہو نہیں سکتی اور یہ بھی ایک عقلی دلیل ہے کہ مردم شماری سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں ایک ثلث مرد اور دو ثلث عورتیں ہیں
[۹۲] پس ایک ثلث عورتیں جو زاید ہیں مردوں سے کیا ہوں گی اور کیوں کر بسر کریں گی ؟

-

راجشاہی میں رہتے کلکتہ کی آمد و رفت مرشد آباد میں جناب مولوی نجف علی خاں صاحب سے ملاقات بہت بڑھ گئی - ایک بار میں کلکتہ کو جاتا تھا - مرشد آباد میں انہوں نے مجھ سے بیان کیا کہ ملک دکن میں ایک دریا ہے اس میں (اس کا نام بھول گیا) چھوٹے بڑے

پتھر بہت ہیں اور ان پتھروں کو دریا سے نکال کے ایک ضرب لگانے سے دو ٹکڑے ہو جاتے ہیں - اور ان دونوں ٹکڑوں میں آدمی کی صورت نظر آتی ہے - ہندو لوگ کہتے ہیں کہ رام لچھمن کی تصویر ہے اور ان پتھروں کو اپنے دین حق ہونے کی دلیل بتلاتے ہیں - مولوی صاحب نے مجھ سے کہا کہ میں مدتوں سے اس کا جواب معقول ڈھونڈتا ہوں مگر نہیں پاتا - بہت سے دوستوں سے بھی کہا ہے کوئی شخص جواب معقول بتلا نہیں سکتا - اس لئے آپ سے کہتا ہوں کہ آپ بھی سوچئے اور فکر کیجئے اگر کوئی جواب معقول نکلے - میں کلکتہ کو چلا گیا اور کئی دن کے بعد پھرتے وقت ریل گاڑی پر سوچتا رہا تو یہ بات میرے ذہن میں آئی اور میں نے مرشد آباد میں جا کر مولوی صاحب موصوف سے کہی - انہوں نے بہت پسند کی اور بہت خوش ہوئے اور کہا کہ سوائے اس کے اور کوئی بات نہیں ہے - برسوں کے بعد یہ مسئلہ حل ہو گیا [۹۳] اور وہ بات یہ ہے کہ ہندو لوگ برابر نہاتے وقت پوجا کرتے ہیں - چنانچہ بنگالہ میں ہندو مٹی کے شیب بنا کر پوجا کر کے دریا میں پھینک دیتے ہیں - اور بہت سے دریا کے پانی کا خاصہ ہے کہ اس میں جو چیز ڈال دی جاتی ہے وہ چیز پتھر ہو جاتی ہے - چنانچہ دریائے سوہن میں جو آرہ میں واقع ہے یہ خاصہ ہے - پس آگے کے زمانے میں اس دریا کے کنارے کے لوگ اس طرح پر پوجا کرتے ہوں گے کہ مٹی کا دو ٹکڑا لیتے تھے - ان دونوں میں آدمی کی صورت کی لکیریں ناخن انگلی یا کسی چیز سے بناتے تھے - بعد ازاں دونوں ٹکڑوں کو ملا کر دریا میں ڈال دیتے تھے - وہ ٹکڑے اس دریا کے پانی کے اثر سے پتھر ہوگئے ہیں - اس پر ضرب لگانے سے جہاں سے جوڑ تھا اس جگہ سے دونوں ٹکڑے جدا ہو جاتے ہیں اور اب امتداد زمانہ کے سبب سے ہندوؤں میں وہ عمل باقی نہیں ہے - اور آگے جو

ایسا عمل تھا یہ بھی ہندؤوں کو معلوم نہیں کہ ان کے یہاں علم تاریخ نہیں ہے ۔ اس لئے وہ لوگ ان پتھروں کو اپنی کج فہمی سے اپنے دین کے حق ہونے کی دلیل بتلاتے ہیں ۔

راجشاھی میں کمشنر بہادر کی آمد

راجشاھی میں ایک بار مسٹر کمبل صاحب بہادر کمشنر واسطے ملاحظہ دفاتر کے آئے تھے اور ایک بہت بڑی کتاب اپنے بغل میں لیکے پھرتے تھے اور جو کچھ ملاحظہ کرتے تھے اس میں لکھتے تھے ۔ وھاں اندنوں چار ڈپٹی کلکٹر اور صاحب کلکٹر [۹۴] اور سب جوایئنٹ مجسٹریٹ اور اسسٹنٹ کلکٹر یہ سات حاکم تھے اور صاحب کمشنر بہادر سب حکام کے دفتر دیکھنے کے بعد آخر روز میری کچہری میں آئے اور میرے یہاں کے مقدمات دیکھے ۔ خدا کے فضل سے میرے یہاں کسی طرح کی غلطی و بے ضابطگی نظر نہیں آئی اور جاتے وقت مجھ سے کہا کہ آپ کل گیارہ بجے میرے خیمے میں آیئے ۔ میں دوسرے روز گیا تو مجھ سے انھوں نے کہا کہ اس ضلع میں کیا کیا کام خلاف قانون و بے ضابطہ ھوتا ہے ؟ میں سنکر چپ رہا ۔ اس پر صاحب موصوف نے کہا جواب کیوں نہیں دیتے ؟ میں نے کہا مجھ سے اس کا پوچھنا مناسب نہیں ہے کہ دوسرے حکام کی کچہریوں میں کیا کیا غلطیاں ھوتی ھیں ؟ اس پر صاحب موصوف نے کہا کہ سب سرشتہ میں غلطیاں پائی تھیں ۔ صرف آپ کی کچہری کے متعلق کاموں میں غلطی پائی نہیں ۔ اس لئے آپ سے دریافت کرتا ھوں اور میری غرض نہیں ہے کہ میں کسی حاکم کی شکایت لکھوں بلکہ میری غرض یہ ہے کہ جتنی باتیں خلاف آئین ھوں اور بے ضابطہ ھوں سب کو لکھ کر سرکار

جاری کر دیا جائے گا کہ اس طرح کی باتیں عمل میں نہ آئیں اور یہ بھی ظاہر ہوگا کہ اس طرح کی غلطیاں کس سے صادر ہوتی تھیں - اس پر میں نے چند باتیں خلاف ضابطہ بتلائیں - ان میں سے بعض بعض باتیں صاحب موصوف نے خود گرفت کی تھیں اور اپنی بہی میں لکھی [۹۵] تھیں - چنانچہ مجھ کو دکھلا دیں - میرے یہاں بعض عملے محض نالایق تھے اور صاحب کلکٹر بہادر نے ان کو مقرر کیا تھا - ان کے سبب سے مجھ کو بہت تکلیف ہوتی تھی اور صاحب کمشنر بہادر نے ان کی صورت سے اچھی طرح دریافت کر لیا تھا کہ وہ اچھی طرح سے کام نہیں جانتے - اس لئے مجھ سے انہوں نے ان عملوں کا ذکر کیا - میں نے سچ سچ کہہ دیا - اس پر صاحب موصوف نے مجھ سے کہا کہ جس عملے کو آپ نکال دینا چاہیں اس کا نام میرے پاس گھراؤ چھٹی میں لکھ بھیجئے - میں اس عملہ کو ایک ترکیب سے اپنے حکم سے برخاست کردونگا اور کلکٹر صاحب کو اس کی کچھ خبر نہ ہوگی اور وہ کسی طرح سے آپ سے ناراض نہیں ہونگے - لیکن میں نے کسی عملے کو برخاست کرنے کو ان کے پاس لکھا نہیں - عملوں کو دھمکاتا تھا اور ان کا کام خود بتکلیف کر کے دیکھ لیتا تھا -

مرشد آباد میں نواب صفدر جنگ سے ملاقات

راجشاھی میں رھنے کے ھنگام میں ایک بار مرشد آباد میں نواب مبارک علی خاں صاحب کے ھمراہ نواب صفدر جنگ کی ملاقات کرنے کو گیا - چونکہ میرے جانیکی تقریب آگے ھو چکی تھی چند شاعر وھاں جمع تھے - نواب صفدر جنگ بہادر نے مجھ سے شعر پڑھنے کو کہا - میں نے جو شعر پڑھے تھے ان میں سے چند شعر لکھے جاتے ھیں :—

رباعیات فارسی (۱)

اقلیم سخن که زیر فرمان منست　　خاقانئ شیروان ثناخوان منست
[۹٦] نقش دل قرطاس بود هر حرفم　　این خامه بدست من زباندان منست

* * *

نساخ زمین شعر میدانستم　　این طبع جوان رستم دستانستم
این صفحهٔ قرطاس سپر را ماند　　این خامهٔ من تیغ صفاهانستم

* * *

هستم به عصا بهٔ ضعف و پیری محتاج
تیر غم و درد را دلم شد آماج
چون پنبه سفید گشت موی سر و تن
شد قد خمیده‌ام کمان حلاج

* * *

از میکده ساغر شرابی بمن آر　　یاقوت وشی لعل مذابی بمن آر
دل سرد شد از خمار تا گرم شود　　ای ساقی مهوش آفتابی بمن آر

اشعار اردو

وہ میرے عشق صادق کے اثر سے میرا مجنوں ہے
جو مجنوں تھا وہ لیلیٰ ہے جو لیلیٰ تھا وہ مجنوں ہے
ہوئی کیفیت اشراق حاصل مئے کے پینے سے
ہر ایک میکش تیری دوری میں اے ساقی فلاطوں ہے

(۱) چاروں رباعیاں منتخب رباعیات نساخ موسوم بہ "مرغوب دل" مطبوعہ لکھنؤ ۱۸۷۴ء میں شامل ہیں۔

قطعہ

منشہ قاف ہے دونوں نقطے گوہر   میم اس کا دھن ہے رخ لب تر
[97] گر کہئے اسے قمر بجا ہے   بلکہ وہ قمر سے بھی سوا ہے

بعد ازاں مدرسۂ مرشد آباد کے مدرس اول نے (جن کا نام یاد نہیں) چند شعر پڑھے ۔ ان میں سے ایک شعر میں 'آب سمندر میں' کے لفظ تھے ۔ میں سنکے چپ رہا ۔ مدرس صاحب نے کہا شاید آپ کو اس میں شبہ ہے ۔ میں نے کہا ہاں ۔ 'آب' لفظ فارسی ہے اور 'سمندر' ہندی لفظ ہے ۔ یہ ترکیب درست نہیں ۔ اس پر مدرس صاحب نے فرمایا 'سمندر' فارسی ہے ۔ بعد ازاں نواب خورشید الدولہ بہادر اوٹھے اور 'ہفت قلزم' لا کے مدرس صاحب کو دیا ۔ مدرس صاحب 'سمندر' کے لفظ کو نکالکے آہستہ آہستہ پڑھنے لگے ۔ تب میں نے انکو بآواز بلند پڑھنے کو کہا ۔ وہ بآواز بلند پڑھنے لگے ۔ اس میں لکھا تھا 'سمندر' بہ ہندی دریای محیط را گویند ۔ بعد ازاں مدرس صاحب چپ ہوگئے ۔

قیام راجشاھي کے دوران طوفانوں کی تباہ کاریوں کا حال

راجشاھی میں غالباً ۱۸۶۴ء اٹھارہ سو چونسٹھ میں درگا پوجا کی تعطیل میں میرا [۹۸] کلکتہ جانے کا ارادہ ہوا اور میں آگے کئي بار جو کلکتہ کو گیا تھا مرشد آباد ھو کے جاتا تھا ۔ اس دفعہ بعض احباب نے کہا کہ راجشاھی سے کشتي پر کشتیا تک جا کے ریل پر سوار ہو لینے سے دوسرے روز صبح کو کلکتہ میں پہنچ جاؤنگا ۔ اسلئے میں چہارم ماہ اکتوبر کی صبح کو قریب آٹھ بجے کے ایک بہت ھی چھوٹی اٹھارہ ھاتھ کی کشتي پر سوار ھوا ۔ میرے ساتھ فقط ایک چپراسی تھا اور کوئي نہیں ۔ کشتي کھولنے کے بعد کشتیبان سے میں نے کشتي کو کنارے کنارے لے جانے کو کہا لیکن میں دیکھتا تھا

که کشتی دریا کی منجدھار کی طرف چلی جاتی ھے اور ملاح کشتی کو روک نہیں سکتے - چنانچہ ملاحوں نے کہا کہ ھوا جو تیز چلتی ھے اس سے کشتی رکتی نہیں - ایک گھنٹہ تک یہی حال رھا اور ملاح لوگ ھزار تدبیر کرتے رھے کہ کشتی کنارے کی طرف آئے مگر کچھ حاصل نہ ھوا - آخر دریائے گنگا یعنی پدّا کے اندر ایک بڑا جزیرہ نظر آیا - میں نے کشتیبان سے کہدیا کہ اس جزیرہ میں کشتی لگا دے - چنانچہ اس نے کشتی لگا دی - اب وقتاً فوقتاً ھوا تیز ھوتی جاتی تھی اور شام تک وھاں اور بھی کئی کشتیاں آگئیں اور وہ جزیرہ غیرآباد تھا - آدمی یا حیوان یا درخت کا نام و نشان تک نہ تھا - میری کشتی چونکہ بہت چھوٹی تھی، اس میں لنگر ھی نہ تھا - اسلئے میں نے ملاحوں سے کہا کہ اس کشتی کو کھینچ کے خشکی پر لے جاؤ - ملاحوں نے کہا کشتی ٹوٹ جائیگی - میں نے کہا کہ اگر کشتی ٹوٹ جائیگی [۹۹] تو میں قیمت دونگا - آخر کشتی کو دریا سے دس ھاتھ کے فاصلے پر خشکی میں کھینچ کر لے گئے اور وھاں میخ گاڑ کے کشتی کو میخوں سے باندھ رکھا - بعد ازاں ھوا اور تیز ھوئی، تو اور کشتیبان لوگوں نے بھی اپنی اپنی کشتیوں کو کھینچ کھینچ کر خشکی پر لیگئے - آھستہ آھستہ ھوا تیز ھونے لگی اور طوفان بڑھنے لگا اور ھوا کی آواز رعد سے بڑھ کے آتی تھی - میں نے کبھی ھوا کی ایسی آواز سنی نہیں - آخر شب کو طوفان موقوف ھو گیا - صبح کو دیکھا کہ اس جگہ چوبیس کشتیاں تھیں اور کسی کی کشتی کی کوئی چیز ضائع ھوئی نہیں - مگر ایک کشتی پر گڑ کے مٹکے لدے ھوئے تھے - اس کشتی میں شگاف ھو گیا تھا - میں پھر کے اپنے مکان کو گیا اور دیکھا کہ میرے مکان میں جس طرف سہ منزلہ

تھا وہ سہ منزلہ گر گیا ہے اور بہت سے مکانات اور درخت گر گئے ہیں اور دریا میں سینکڑوں کشتیاں ڈوب گئیں، بلکہ دریا میں کنارے پر جو کشتیاں بندھی ہوئیں تھیں، وہ کشتیاں بہت سی ڈوب گئیں - اس روز پھر میں سوار ہوکر مرشد آباد کو گیا - راستے میں بہت سے درخت گرے ہوئے، ٹوٹے ہوئے نظر آئے اور مرشد آباد میں بھی جا کے طوفان کا حال سنا - دوسرے روز کلکتہ کو روانہ ہو گیا اور وہاں جا کے جو طوفان کا حال سنا تو معلوم ہوا کہ راجشاھی کے بہ نسبت کلکتہ میں اور کلکتہ سے دکھن طرف [۱۰۰] یعنی سمندر کی طرف اور سخت طوفان آیا تھا، ہزاروں کشتیاں و جہاز ڈوب گئے، ٹوٹ گئے - اس طوفان میں ہم لوگوں کا خاندانی تعویذ میری کشتی میں [تھا]، یعنی ہم لوگوں کے عزیزوں میں یعنی میرے رشتہ کے پھوپھا جناب شاہ صوفی غلام حیدر قدس سرہ، ساکن گھانر ھاٹ ضلع فریدپور مرید شاہ صوفی محمد دایم قدس سرہ سجادہ نشین اعظم پورہ ڈھاکہ نے حضرت والد مرحوم کو ایک تعویذ دیا تھا کہ جس کشتی پر وہ تعویذ رھیگا وہ کشتی نہیں ڈوبے گی - وہ تعویذ پچیس برس سے میرے پاس ہے اور بڑے بڑے طوفان میں پڑا مگر خدا کے فضل سے اس سے نجات ہوئی - اس طوفان کو انگریزی میں 'سائیکلون' کہتے ہیں -

ایک بار راجشاھی سے مرشد آباد کو جانا تھا - مرشد آباد سے تین کوس کے فاصلے پر شام کو طوفان سخت آیا - کہار لوگ میری پالکی کو وہاں سے جو موضع قریب تھا وہاں لے گئے - اس موضع کے منڈل (مکھیا) کی دھلیز میں ٹھہرا - چاروں طرف سے گوبر کی بو آتی تھی - طبیعت نہایت پریشان ہوگئی - لیکن چارہ نہ تھا - دس بجے شب کو منڈل مذکور نے

بہت عاجزی کے ساتھ مجھ سے کھانے کو کہا اور بغیر کھائے بھی چارہ نہ تھا حالانکہ میرے ساتھ کھانے کی سب چیزیں تھیں - آخر منڈل مذکرر موٹے چاولوں کا خشکہ اور دال اور کیلے کی [۱۰۱] ترکاری اور شیر خالص اور گڑ اور مرتبان کیلے نہایت عمدہ لایا - میں نے دو تین نوالے دال و خشکہ و ترکاری سے کھائے - بعد ازاں تھوڑا سا خشکہ اور شیر اور کیلے سے ملا کے کھایا اور مجھ کو شرم معلوم ہوئی کہ میرے ساتھ جو کھانے کی چیزیں تھیں ان کو نکال کے کھاؤں - اس لئے وہ چیزیں اسی طرح پر رہ گئیں - آخر شب کو طوفان کم ہو گیا - میں وہاں سے روانہ ہو کے مرشد آباد کو گیا - اس دفعہ مرشد آباد سے پھرتے وقت صبح کو گنگا کے کنارے پہونچا لیکن سخت طوفان تھا اس لئے دریا پار ہو نہ سکا - دریا کنارے ٹھہرا رہا کہ طوفان موقوف ہو جائے تو دریا پار ہو کے چلا جاؤں - اس میں کھانے کا وقت آ گیا - میرا معمول تھا کہ میں گھر سے جہاں جاتا تھا، ایک وقت کا کھانا میرے ساتھ رہتا تھا - اس روز بھی جو کھانا ساتھ تھا صبح کو کھا چکا تھا - طوفان مذکور آٹھ بجے رات کے بعد موقوف ہوا لیکن وہ وقت پدّا پار ہونے کا نہ تھا - میں پالکی میں دریا کے کنارے سو رہا - گیارہ بجے شب کو میرے چپراسی نے مجھ کو جگا دیا - دیکھا کہ گذاری کے گھاٹ کا اجارہ دار گلے میں کپڑا باندھے، ایک ھاتھ میں کاسۂ برنجی لئے اور ایک ھاتھ میں تھوڑے سے کیلے لئے کھڑا ھے - میں نے پوچھا کیا ھے ؟ چپراسی نے کہا : اجارہ دار مذکور قریب نو بجے شب کو دریا پار کر کے آیا اور سنا کہ آپ نے کچھ کھایا نہیں - اس لئے وہ اپنے گھر کو کہ وہاں سے ڈھائی کوس کے [۱۰۲] فاصلہ پر ھے گیا اور شیر اور کیلے اور کھوئی آپ کے واسطے لایا ھے - میں نے

دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے کہ رزاق مطلق ہے رزق بے منت پہونچایا۔ میں نے قبول کیا اور اس سے لیکے کھایا۔ دودھ اور کیلا نہایت عمدہ تھا اور اس وقت بڑا مزہ دیا۔ میں نے اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لایا اور اس روز میرے پاس روپئے، پیسے، آدمی، سب موجود تھے مگر کھانے کی کوئی چیز میسر آ نہ سکی کہ دریا کے کنارے سے بستی ڈھائی کوس پر تھی، اور بستی میں بھی کھانے کی اچھی چیز میسر ہو نہیں سکتی تھی۔ اور میرے ساتھ پکانے کے ظروف بھی نہ تھے کہ ظروف رکھنے کی ضرورت نہ تھی۔ لیکن اس تاریخ سے اہتمام کیا کہ جب کبھی سفر کو جاتا ہوں تو میں تین چار وقت کا کھانا ساتھ رکھتا ہوں۔ ہم لوگوں کی بیماری کے سبب سے میں نے تین مہینے کی رخصت لی اور کلکتہ میں چلا آیا اور وہاں خاص کر کے سراپای 'شاہد عشرت' سننے کے لئے مٹیابرج میں ایک مشاعرہ ہوا اس سراپا کو سن کے سامعین بہت محظوظ ہوئے۔ اس سراپا کے چند اشعار یہ ہیں۔ (۱)

[۱۰۳] راجشاہی میں میں نے ایک سراپا موسوم بہ 'شاہد عشرت' اور مجموعۂ رباعیات فارسی موسوم بہ 'مرغوب دل' لکھا تھا۔ ان دونوں رسالوں کی دری تقریظ مولوی نجف علی خاں صاحب نے لکھی ہے اور وہ دونوں رسالے پہلے کلکتہ میں چھپ گئے ہیں۔ وہیں تذکرۂ 'سخن شعراء' بھی مرتب ہوگیا۔

'دفتر بیمثال' اور 'چشمۂ فیض' کی کئی جلدیں مسٹر ای۔ بی۔ کاول صاحب ولایت جاتے وقت ساتھ لیگئے اور ایک ایک جلد فرانس کے کتب خانہ میں دیئے۔ وہاں مسٹر گارسن ڈی ٹیسی صاحب نے دیوان پر

(۱) اس عبارت کے بعد تین صفحے خالی رہگئے ہیں۔

فرانسیسی زبان میں ریویو لکھا اور میرے پاس راجشاھی میں بھیجدیا وہ ریویو یہ ھے - (۱)

بانکا (بھاگلپور) میں تبادلہ

بعد ازاں میری بدلی محکمہ بانکا ضلع بھاگلپور میں ھوئی اور میں ۱۸۶۶ء کی ماہ اگست میں وھاں گیا - وھاں کام بہت کم تھا اور وھاں جو لوگ کہ اسامیوں کے ضامن ھوتے تھے وہ ضمانت نامہ اسٹامپ پر لکھ دیتے تھے حالانکہ سادے کاغذ پر ھونا چاھئے - میں نے اس کو موقوف کردیا اور معلوم ھوا کہ بھاگلپور میں بھی یہی قاعدہ تھا لیکن بانکے کے مختاروں سے بھاگلپور کے مختاروں کو یہ بات معلوم ھونے کے بعد بھاگلپور میں بھی سادے کاغذ پر ضمانت نامہ ھونے لگا - اس محکمہ کے علاقے میں سونتال قوم کے [۱۰۴] بہت لوگ تھے اور وھاں بہت غریب لوگ تھے - میں نے جاڑوں کے دنوں میں بہت سے لوگوں کو دیکھا ھے کہ صرف ایک لنگوٹ باندھے ھوئے ھیں - پس کوئی کپڑا ان کے جسم پر نہیں تھا اور رات کو دو طرف لکڑی جلا کے بیچ میں سو رھتے ھیں اور نیند میں کروٹ لینے میں سینہ یا پیٹ جل جاتے تھے - وھاں رھنے کے ھنگام میں شاہ نوری صاحب شہبازی سجادہ نشین بھاگلپور و مولوی وحید الدین خان بہادر جج چھوٹی عدالت بھاگلپور و مونگیر اور مولوی محمد حاذق شہبازی وکیل و مولوی محمد راحق شہبازی و حکیم آغا احمد اصفہانی و شاہ حسین علی خان بہادر ڈیپوٹی کلکٹر، پیر زادہ گیا، سے ملاقات ھوئی - مولوی وحید الدین خان بہادر کا سا بے ریا حاکم صوبۂ بہار کے علاقے میں کم نظر آیا - وہ مجھ سے

---

(۱) نساخ نے ریویو یہاں شامل نہیں کیا ھے -

نہایت درجہ محبت رکھتے تھے۔ بانکے میں رہنے کے دنوں میں لکھنؤ کے ایک دوست کی فرمائش سے میں نے خالص دری زبان میں ایک خط مندرجہ ذیل لکھا اور اس کے چند روز کے آگے میں نے صنعت تلمیع میں ایک غزل کہی تھی وہ غزل خط مذکور کے ساتھ بھیجدی۔

نامہ بزبان دری

یار من

[۱۰۵] پس از آرزوی دیدار زندگی یار گزارش انیکه هفت هشت روز سپری (بمعنی تمام) شده که پارهٔ از هندی سروادهای (یعنی شعر) نو گفته خودم بشما فرستاده‌ام، رسیده باشد۔ امروز چامهٔ که یک لخت هر سروادش بزفان (بمعنی بزبان) فارسی و لغت دیگر بزفان تازی است و پساوندش (بمعنی قافیه) پروا و پیوندش ها (بمعنی ردیف) می‌باشد گفته‌ام و سخنی که بدین روش گفته آید فارسیان آن را ملمع نامند۔ این چنین چامها را بیشتر باش گزینان (بمعنی باشنده) داوری خانهٔ کلکته می‌پسندند بدین انگیزه (بمعنی سبب) سرود سرایان خنیاگران آن شهر بر شمرند و یاد گیرند و در انجمنی که تازی‌دانان و دری‌خوانان گرد می‌آیند می سرایند و داد را مشگری می‌دهند و بزم‌آرائی میکنند۔ هر چند درین روزها بفزونی نگرانیها که از هر سویه (بمعنی طرف) دارم دلم نمی گرایست که کدامی گفتار تازه را بخامه دهم و از خامه بنامه بسپارم بین (بمعنی لیکن) از شاد خواست (بمعنی شوق و اشتیاق) یاری که همه دانش و سراسر خرد است گریز ندیدم۔ خواست نا خواست خامه نگار

نگار بند را بدست شمپوری (بمعنی مجبوری) گرفتم و پیکر بند این چامه نگارین که ارمغان می فرستم شدم - چونکه آموزگار شما دانشگر یگانه و فرجاد (بمعنی دانشمند و فاضل) و فرزانه است و زبان تازی را نیکو می‌داند و نگه به تنگی هنگام من نیز یارائی ندارم [۱۰۶] لاد برین (بمعنی بنا برین) پای چم (بمعنی شرح و حاشیه) نه لگاشتم و نمیرای (بمعنی شرح و حاشیه) بران افزودم من و خدای من شایش (بمعنی طاقت) این چامه ستودن سزا نیست خوشا بخت اگر پذیرفته آید و سخن‌زنی بستاید (۱) -

غزل در صنعت تلمیع

[۱۰۷] کجا مرغ دلم باشد اسیر دام پرواها

لَمَّا جُدَّتْ لَهُ نَفْسِی بِدُنْیَاهَا وَ عُقْبَاهَا

ز محویت بروی و کاکلش هر داغ را گویم

أَهَذَا بَدْرٌ تَمَّ فِی الدَّیَاجِی أَمْ مُحَیَّاهَا

نشان کوچهٔ آن بت خود او باشد برو قاصد

اِذَا مَا قَدْ سَجَا لَیْلٌ هُدَی السَّارِیْنَ مَرْأهَا

برم چون شانه گر دستی بزلفش چشم او گوید

هِیَ الشَّوْلَاءُ لَا تَبْقَی فَایَّاکُمْ وَ اِیَّاهَا

---

(۱) باقی صفحه خالی رهگیا ھے - اس خط دری میں مابین القوسین الفاظ حاشیہ پر درج ھیں -

ز چاک سینه صد مهر قیامت میکنم پیدا

اَلَا لَمْ تَشْقَقِ اللَّیْلَاءُ فِی لَیْلَا حُدَیَّاهَا

مراهم می کند هر زخم دل در سیر کاکل ها

دُمُوعٌ کُلَّمَا انْهَالَتْ جَعَلْنَاهُنَّ اَفْوَاهَا

نه در ایام وصل او مفر از غم نه در هجران

وَ مَا ذا یُرتَجِی مِنهاَ اِذَا مَا کُنَّ اَشْبَاهَا

صلاح کار از شیدای چشم او مجو ناصح

وَ اَنَّی الصَّحوِلی فِیهَا و قَد ریْتُ حُمَیَّاهَا

روان کشتهٔ هجرست لب تیغ او کز وی

اِذَا وَافَی الحَیَا الاَمْوَاتُ حَیَّاهَا وَ اَحیَاهَا

بعین مهربانی خود پرستی های او پیدا

فَاِمَّا کاعَمَتْ جَفنِی فَاِنَّ العَیْنَ مَثْوَاهَا

تہی میداشت نساخش تن فرسوده را لیکن

تَلَقَّی النَّشْر اِذَا هَدَّتْ نَسِیمُ الصَّبح رَیَّاهَا

ابو القاسم شمس کی پیدایش

[۱۰۸] بانکے میں رھنے کی حالت میں میرا بیٹا ابو القاسم محمد سلمه الله تعالیٰ که نام تاریخی اس کا مظہر الحق هے پیدا هوا اور اس تقریب میں میں نے بانکے کے مسلمانوں کو که بہت کم هیں اور

وہاں کے قرب و جوار کے سات آٹھ سو ہندوؤں کو دعوت کر کے کھلایا اور رقص و سرود کا جلسہ کیا۔

علاج کیلئے دهلي کا سفر اور مرزا غالب سے ملاقات

وهیں رهنے کے هنگام میں ایک دن مفصل میں دس بجے میرے سر میں از حد درد هوا که میں بے تاب هوگیا۔ بعد ازاں بانکے میں چلا آیا۔ دوسرے، دن گلے سے خون آیا حالانکه میرے گلے سے سوله برس کے سن سے خون آتا تھا مگر ایسی زیادتی نه تھی۔ میں بہت گھبرایا اور بھاگلپور کو چلا گیا اور سول سرجن سے سرٹیفیکٹ لیکے دو مہینے کی رخصت لیکے کلکته کو گیا اور وهاں سے ۱۲۸۴ھ کی رمضان المبارک میں علاج کے لئے دهلی میں گیا۔ دهلی میں جاتے پٹنه میں یوسف علی خان صاحب کے مکان پر ایک شب ٹھہرا۔ وهاں جناب نواب سید لطف علی خان صاحب کی ملاقات هوئی۔ دوسرے دن اله آباد کو گیا۔ دیکھا که شہر اچھا هے اور وهاں امرود ایسے دیکھے که کبھی دیکھے نه تھے۔ وهاں ایک روز ٹھہر کے علی گڑھ کو گیا۔ وهاں مولوی عبد الله خان بہادر صدر الصدور سے ملاقات هوئی، نہایت معقول اور اچھے آدمی تھے۔ وهاں سے دوسرے دن دهلی کو گیا۔ [۱۰۹] وهاں جناب حکیم غلام مرتضیٰ خان صاحب اور حکیم محمود خان صاحب سے علاج کیا اور بخوبی آرام هوگیا۔ وهاں مفتی صدر الدین خان بہادر آزرده اور نواب ضیاء الدین خان صاحب نیر رخشاں اور ان کے صاحب زادے نواب شہاب الدین خان صاحب ثاقب اور نواب سعد الدین احمد خان صاحب طالب اور منشی امین الله خان معروف به منشی عمو خان صاحب اور بخشی انعام الله خان صاحب اور منشی محمد فضل صاحب، مرزا اسد الله خان غالب، نواب محمد مصطفی خان

شیفته و حسرتی اور نواب محمد علی خان صاحب رشکی و مولوی ظہور الحسن صاحب خیرآبادی و مولوی الطاف حسین صاحب حالی اور نواب غلام حسین خان صاحب محو و امراء مرزا انور و نواب مرزا ظہیر و خواجه امان صاحب صاحب ترجمۂ 'بوستان خیال' و شہزاده مرزا الٰہی بخش صاحب و خواجه بدر الدین صاحب ابن میاں کالے صاحب سے ملاقات ہوئی اور یه سب مجھ سے از حد مہربانی کے ساتھ پیش آئے - حکیم محمود خاں صاحب و حکیم غلام مرتضیٰ خان سے بہتر طبیب سارے ہندوستان میں نہیں ہے اور ان سب صاحبوں سے برابر ملاقات رہی - مرزا غالب نے ایک دن مجھ سے کہا که مولوی ! معلوم ہوتا ہے که تم بھی میری طرح سے سات آٹھ برس کے سن سے شعر کہتے ہو گے میں نے کہا که 'ہاں' - عید کے روز مرزا صاحب نے اپنی مثنوی 'ابر گہر بار' کے تین چار سو شعر میرے سامنے پڑھے اس پر [۱۱۰] اہل دہلی کو بڑا تعجب ہوا که مرزا صاحب نے چار پانچ برس سے کسی کے سامنے شعر پڑھے نه تھے بلکه کوئی اگر ان کو شعر پڑھنے کو کہتا تھا تو وہ خفا ہو جاتے تھے -

نواب ضیاء الدین خان صاحب سے بہتر مؤرخ مسلمانوں میں نظر نہیں آیا اور نواب مصطفے خان سا مہذب آدمی میں نے دیکھا نہیں - کبھی انہوں نے اپنے مکان پر مجھ کو شعر پڑھنے کو کہا نہیں بلکه اپنے مکان پر خود اپنا شعر سناتے تھے اور جب میرے مکان پر آتے تھے تب مجھ سے شعر پڑھنے کو کہتے تھے -

دہلی میں کئی مشاعروں میں شریک ہوا اور بڑا لطف اٹھایا - دہلی کے حیدر خان قوال نے میری کئی غزلیں یاد کیں اور حضرت امیر

خسرو علیه الرحمة کے عرس کے دن حضرت نظام الدین اولیاء قدس سرہ کے مزار پر ان غزلوں میں سے بعض غزل گا رہا تھا کہ میں بھی وہاں پہنچا اور اپنی غزل سن کے دل کو ایسی خوشی ہوئی کہ بیان کر نہیں سکتا۔ ایسی خوشی مجھ کو عمر بھر میں کبھی ہوئی نہیں، حالانکہ میں نے اپنی غزلوں کو بہت سے طوائف کو گاتے سنا تھا۔ دھلی میں حضرت قطب الدین بختیار کاکی و حضرت نظام الدین اولیاء و حضرت حمید الدین ناگوری و حضرت امیر خسرو و حضرت مولانا عبد الحق محدث [۱۱۱] و حضرت شاہ باقی باللہ و مولانا شاہ عبد الرحیم و مولانا شاہ ولی اللہ محدث و مولانا شاہ رفیع الدین و مولانا شاہ عبد العزیز و مولانا شاہ عبد القادر و حضرت ترکمان و حضرت مرزا مظہر جان جانان و حضرت شاہ غلام علی و مولوی رحیم بخش و حضرت شاہ ہرے بھرے و حضرت سرمد و حضرت خواجہ ناصر عندلیب و حضرت خواجہ میر درد قدس سرھم و سلطان شمس الدین التمش و ھمایوں بادشاہ وغیرہ بزرگوں کے مزار کی زیارت بھی کی۔ دھلی کے لوگ عموماً اچھے ھیں، دل و زبان ایک ہے۔

دھلی کی عمارتیں نہایت عمدہ اور خوبصورت خصوصاً مسجد قوۃ الاسلام کا مینارہ مشہور بہ لاٹ اور مقبرہ ھمایوں بادشاہ و جامع مسجد دھلی و دیوان خاص و دیوان عام و عقب حمام۔

دھلی میں رہتے وقت ایک ناچ کی محفل میں دیکھا کہ طوائف ناچتی ھیں اور آنکے دونوں طرف دو مشعلچی مشعل لئے ہوئے ھیں یہ بات میں نے لکھنؤ میں بھی دیکھی۔

دھلی میں رہتے وقت کلکتہ میں جناب اخویصاحب قبلہ کی دختر

نیک اختر کی شادی سید محمد خان بہادر ابن سید اسد الدین حیدر ابن سید علی مہدی خان [۱۱۲] بہادر ابن میر اشرف علی نامی زمیندار ڈھاکہ سے بڑی دھوم دھام سے ہوئی لیکن افسوس ہے کہ میں اس شادی میں شریک نہ ہو سکا ۔

لکھنؤ میں قیام

میں دھلی میں تین مہینے رہ کے صحیح ہو کے آگرہ میں گیا اور ڈاکٹر اشرف علی صاحب کے مکان پر ٹھہرا اور روضۂ ممتاز محل معروف بتاج محل و مزار اکبر شاہ بادشاہ کی زیارت کی اور قلعہ و شہر دیکھکر کانپور ہو کے لکھنؤ کو گیا اور چوک میں ایک سہ منزلہ مکان کرایہ پر لیکر ٹھہرا ۔ وہاں نواب شرف الامراء مدراسی و آغائی صاحب و داروغۂ واجد علی صاحب و منشی فدا حسین وکیل و مولوی احمد علی صاحب وکیل و منشی نول کشور صاحب و سلطان طہماسب مرزا صفوی صاحب سے جو میری بی بی کے رشتے میں بھائی تھے ملاقات ہوئی ۔ شیخ امداد علی بحر و عبید اللہ خان مہر وغیرہ شعراء سے اور شیخ احمد بخش سوداگر سے ملاقات ہوئی ۔

ایک دن آغائی صاحب کے مکان پر گیا ۔ وہاں بہت سے لوگ مجتمع تھے اور ایک مقدمہ کا ذکر تھا ۔ اس میں وہاں کے وکلاء و مختار نے ایک راے دی اور آغائی صاحب کے پوچھنے پر میں نے ان لوگوں کے خلاف میں رائے دی اور میرے رہتے رہتے میں نے جو رائے دی تھی وہاں کے حاکم نے بھی وہی رائے دی ۔

لکھنؤ میں قیصر باغ وغیرہ جو عمارتیں قابل دیکھنے کی تھیں

[۱۱۳] دیکھیں - یہاں کے اکثر لوگ زبانی محبت بہت دکھلاتے ہیں لیکن دل میں کچھ نہیں ہے - لکھنؤ کے لوگ باتیں خوب بناتے ہیں -

لکھنؤ میں ۱۲۸۵ ہجری کا محرم ہوا اور حسین آباد کی بہت عمدہ روشنی دیکھنے میں آئی - میں نے محرم میں ایسی روشنی کہیں دیکھی نہیں - میں آغائی صاحب کے مکان میں اور داروغۂ واجد علی صاحب کے مکان میں مجلسوں میں شریک ہوا - کربلا میں بھی گیا تھا ایسی تعزیہ داری بھی کہیں دیکھی نہیں - اتنے تعزیئے بھی کہیں دیکھے نہیں -

لکھنؤ میں ایک دن نعمت علی خان بہادر اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر لکھنؤ سے بات بات میں میں نے پوچھا کہ آپنے کلکتہ دیکھا ہے - انہوں نے کہا 'نہیں' - اس پر میں نے کہا کلکتہ کو ضرور دیکھئے - کلکتہ دیکھنے کے قابل ہے - اس پر انہوں نے ہنسی سے کہا کہ انہوں نے سنا ہے کہ بنگالہ کی رنڈیاں آدمی کو بھیڑ بنا رکھتی ہیں - اس خوف سے وہ کلکتہ میں نہیں جاتے - میں نے کہا اگر یہ بات سچ ہو تو جو آدمی ہوگا اس کو البتہ خوف ہوسکتا ہے - آپ کو کیا خوف ہے - آپ بے تکلف کلکتہ کو چلے جایئے - شیخ امداد علی بحر لکھنؤ میں مجھ سے ملنے کو آئے اور مجھو بیگ عاشق تخلص اور ایک شاعر بھی آئے اور مجھ سے شعر پڑھنے کو کہا - میں نے اشعار مندرجہ ذیل اور چند شعر جو مجھ کو یاد تھے پڑھے [۱۱۴] - (۱)

(۱) یہ اشعار دیوان دوم موسوم باشعار نساخ، مطبوعہ لکھنؤ، ۱۸۷۴ء، صفحہ ۷۷-۷۸ پر مندرج ہیں -

مجھ سے کرتا ہے جو خوش چشم اشارہ کوئی
بزم میں ہائے بگڑ جاتا ہے کیسا کوئی

بدگمانی ہے عبث تیرے سوا خوبوں میں
چھین لے دل نظر آتا نہیں ایسا کوئی

رشک ان کو بھی ہے جو باغ میں دیتے ہیں یہ حکم
مجھ سے گل تک نہ ہنسے بولے نہ غنچہ کوئی

تم وہ ہوشیار کہ ہوشیاروں کو ناداں سمجھو
سمجھے ناداں تمہیں ناداں نہیں ایسا کوئی

طعن کرتے ہیں عدو میری وفاداری پر
خوف اس کا نہیں ہوجائیگا رسوا کوئی

پردۂ دیدۂ دل میں ہو تمہیں جلوہ نما
کیا چھپائیں کہ نہیں آپ سے پردا کوئی

ہر گھڑی نالہ و فریاد و فغاں مر بھی کہیں
طور جینے کا بھی یہ ہے دل شیدا کوئی

وصل مجھ کو نہ ہوا اور نہ دشمن کو فراق
ہائے نکلی نہ میرے دل کی تمنا کوئی

مشکل آساں جو ہوئی دیکھ کے ان کو دم نزع
بولے وہ ھای نہ آتے تو نہ مرتا کوئی

ظلم کرتے ہو تو تم سے خدا سمجھے گا
تم سمجھتے ہو کہ گویا نہیں میرا کوئی

یار و احباب سے نساخ توقع کیسی
وہ زمانہ نہیں ہووے جو کسی کا کوئی

قیام بانکہ کے دوران بعض دلچسپ مقدموں کا ذکر

سیر لکھنؤ کے بعد رخصت کے دن کم رہ گئے تھے اس لئے میں روانہ ہوکے پھر بانکے میں آیا۔ بانکے میں ایک مقدمہ آیا۔ اس کی صورت یہ تھی کہ ایک گوالا اپنی بہو سے زنا بالجبر کرتا تھا۔ آخر اس عورت نے اپنی ساس سے کہا اور گاؤں کے لوگوں نے سنا اور اس عورت نے [۱۱۵] اپنے شوہر سے بھی کہدیا۔ اس وقت گوالا مذکور ایک گھر میں تھا۔ اس کا بیٹا اس کے گھر کے اندر گیا اور اس کی ماں بھی گئی اور دیکھا کہ گوالا مذکور چارپائی پر لیٹا ہوا ہے اور اس کے گلے میں رسی لگی ہوئی ہے اور وہ رسی چار پائی کے پٹوں سے بندھی ہوئی ہے اور گوالا مذکور مرگیا ہے۔ گوالا مذکور کی دختر اور بہو نے گواہی دی کہ گوالے کا بیٹا یعنی اسامی اپنی زوجہ سے خبر ناخوش سن کے اس گھر کے اندر گیا اور اپنے والد کے گلے میں رسّی لگا کے مار ڈالا۔ لیکن ان لوگوں نے رسّی لگاتے دیکھا نہیں۔ مرنے کے بعد جا کے رسّی دیکھی اور مردہ دیکھا۔ گوالے کی زوجہ نے کہا کہ چونکہ یہ بات کہ وہ اپنی بہو سے زنا بالجبر کرتا تھا مشہور ہوگئی تھی اسلئے اس نے خود اس طرح پر گلے میں رسّی لگا کے جان دیدی اور اس کا بیٹا بھی موافق اپنی ماں کے کہتا تھا اور وہ مدعاعلیہ تھا۔ پولیس نے اس کو چالان کیا تھا اور ڈاکٹر صاحب نے مجھ سے زبانی کہا تھا کہ اس طرح پر گلے میں رسّی لگا کر مار ڈالا جا سکتا ہے۔ بعض گواہوں کی زبان بندی سے یہ بھی ظاہر ہوتا تھا کہ گوالا مذکور اپنے بیٹے سے نہایت درجہ قوی تھا لیکن ڈاکٹر صاحب لاش کی تحقیقات کر نہ سکے کیونکہ لاش سڑ گئی تھی اور تحقیق کر نہیں سکتے تھے کہ اس نے خودکشی کی تھی یا اس کے گلے میں کسی نے پھانسی لگائی تھی۔ لیکن مشہور تھا کہ اس کے

بیٹے نے اپنی زوجہ سے وہ بات سن کے غصہ میں آ کے اسی وقت گھر کے اندر گیا اور اپنے والد کو مار ڈالا اور مقدمہ خون کا تھا ۔ چاھیئے تھا کہ اس کی تجویز عدالت [۱۱۶] سشن جج میں ہو اور بھاگلپور کے سشن جج اس وقت مسٹر ماڈکشن صاحب تھے اور وہ سخت سزا بلکہ بیشتر پوری سزا دیا کرتے تھے ۔ میرا ارادہ ھوا کہ اس شخص کو دورہ سپرد کروں اور پیش کار کو قرارداد جرم لکھنے کو کہا ۔ اس وقت میرے خیال میں آیا کہ مہلوک اپنے بیٹے سے بہت قوی تھا ۔ ایسی صورت میں اگر اس کے بیٹے نے اس کے گلے میں رسّی لگائی تھی تو اس وقت اس کو معلوم ھو جاتا ورنہ کھینچنے کے وقت معلوم ھوتا اور وہ رسّی کو چھڑا لیتا ۔ غالب ھے کہ اس نے خودکشی کی ھو بسبب شرم کے ۔ اور مجھ کو اور سب مختاروں کو یقین تھا کہ وہ شخص دورہ سپرد ھونے سے ھرگز نہیں چھوٹے گا اور اس کو سزا سخت ھوگی ۔ اور میرے خیال میں آیا کہ یہ شخص مجرم نہیں ھے، اس کو چھوڑ دینا چاھئے اور میرا قاعدہ حسب منشا قانون انگریزی یہ تھا کہ رائے لکھنے کے بعد حکم سناتا تھا لیکن اس وقت خیال آیا کہ اگر رائے لکھنا شروع کروں اس میں پھر میری رائے بدل جائے اور سزا دینے کی رائے ھو جائے تو بڑی خرابی ھے ۔ اسلئے میں رائے لکھنے کے پہلے ھی بول اٹھا خلاص ۔ اس سے عملے اور سب لوگ متحیر و حیران ھوگئے اور وہ شخص بے اختیار کچھری سے باھر نکلا اور اس وقت اس نے نہ اپنی ماں نہ بہن نہ زوجہ کی طرف دیکھا بلکہ آسمان کی طرف ھاتھ اٹھا کے دیکھا اور دوڑ کے ایک طرف چلا گیا ۔ ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ [۱۱۷] صاحب بھاگلپور نے صاحب مجسٹریٹ سے استدعا کی کہ پھر اس مقدمہ کی سر نو سے تجویز کی جائے لیکن صاحب موصوف نے مانا نہیں ۔ وھاں اور ایک واقعہ عجیب ھوا کہ ایک شخص نے اپنی

زوجہ کے اندام نہانی میں ہاتھ ڈال کر اس کی آنت نکال ڈالی اور مار ڈالا حالانکہ وہ عورت چار مہینے کی حاملہ تھی اور نیک بخت تھی - اس کے شوہر نے کہا وہ اس پر جادو کرتی تھی اس لئے مار ڈالا - غرض اس شخص کو پھانسی ہوگئی - اس مقدمہ کا حال گورنمنٹ کی طرف سے سال تمام کی رپورٹ میں چھپا تھا -

بانکے کے پولیس انسپکٹر ایک شخص مونگیر کے رہنے والے مسلمان تھے - ان کا نام تاج علی خاں تھا - وہ دو سو روپئے تنخواہ پاتے تھے - ساتھ اس کے مشہور تھا کہ رشوت لیتے تھے - میں نے ان کو اور لوگوں کے ذریعہ سے منع کیا کہ دو سو روپئے تنخواہ کیساتھ رشوت لینا نہایت تعجب کی بات ہے - انہوں نے انکار کیا اور کہا کہ وہ جب سے انسپکٹر ہیں تب سے وہ رشوت نہیں لیتے ہیں حالانکہ یہ بات غلط تھی - میں نے پھر ان کو کہلا بھیجا کہ ہوشیار رہئے گا - وہ برابر میرے پاس آمد و شد کرتے تھے - چند روز کے بعد ایک ڈکیتی کے مقدمہ میں ایک گھر کے پانچ شخصوں کو (اس گھر میں صرف وہی پانچ شخص مرد تھے) اسامی بنا کے چالان کردیا - اب ان کے گھر میں سوائے چند عورتوں کے کوئی رہا نہیں اور ڈکیتی کے مال میں صرف دو تین [۱۱۸] ٹاٹ کی تھیلی اور ایک پیتل کی رکابی جن کو وہ اسامی اپنا کہتے تھے چالان کردیا میں نے بعد اظہار گواہان جب مقدمہ تیار ہوگیا تو دیکھا کہ مقدمہ یکبارگی جھوٹ بنایا ہوا ہے - مدعی و اسامی سے دشمنی بھی ہے اور قبل فیصل کرنے مقدمہ کے مجھ کو معلوم ہوا کہ انسپکٹر پولیس نے مدعی سے سوا سو روپئے لیکے پانچ شخصوں کو ڈکیتی کا اسامی بنا کر چالان کردیا ہے - اس سے بڑا رنج ہوا کہ پچیس پچیس روپئے پر جو پولیس عملہ کسی شخص کو دائم الحبس کی سزا دلانے کو چالان کرسکتا ہے وہ کیا نہیں

کر سکتا - اس شخص کو نہ خدا کا خوف ھے نہ آدمی کا - غرض میں نے اس مقدمہ کو ڈسمس کر دیا اور لکھدیا کہ مقدمہ جھوٹ ھے اور پولیس کا بنایا ھوا ھے - اس پر صاحب کمشنر بہادر نے کیفیت طلب کی - اس پر اسسٹنٹ ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس خود تدارک کے لئے مأمور ھوئے اور مجھ سے بھی ملے اور تحقیقات کر کے وہ میری رائے کے موافق ھوئے اور اھالی پولیس کے خلاف میں رپورٹ کی - اس مقدمہ میں انسپکٹر پولیس مذکور اور ایک سب انسپکٹر اور شاید دو ھیڈ کانسٹبل مأخوذ ھوئے لیکن چونکہ اس ضلع میں پولیس کے کام میں اس انسپکٹر کا نام بہت مشہور تھا اور بعض مقدمہ میں سراغ خوب کرتے تھے اس لئے انسپکٹر مذکور کو بھاگلپور کے علاقہ سوپول میں کہ ایک نہایت خراب مقام ھے بدلی کر دی - باقی پولیس عملوں کو بھی بانکے سے بدل دیا - سوپول میں انسپکٹر مذکور بیمار ھوگئے اور ان کا بہت ضرر ھوا کیونکہ بانکے میں ان کی کچھ بے نامی جائداد تھی [۱۱۹] جو وھاں کے زمینداروں سے لی تھی، اس کے انتظام میں فتور ھوا - انھوں نے ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس کے پاس پھر بانکے آنے کے لئے لکھا اور میرے پاس بھی لکھا کہ میں ان کا قصور معاف کردوں - بعد ازاں پھر وہ بانکے میں آئے اور میرے پاؤں پر گر گئے - میں نے ان کو رشوت لینے سے منع کیا - انھوں نے رشوت لینے سے توبہ کی - بعد ازاں میں بانکے میں جتنے روز تک رھا انھوں نے شاید رشوت لی نہیں کہ مجھ کو نہ ان کے کام سے اور نہ کسی شخص کے ذریعہ سے ان کا رشوت لینا معلوم ھوا -

بانکے میں رھنے کے ھنگام میں قانون لائسنس ٹیکس جاری ھوا اور میں نے ٹیکس مقرر کیا - کمشنر صاحب بہادر نے میرے کام کو دیکھکر صاحب کلکٹر بہادر کو لکھ بھیجا کہ بانکے کے علاقہ میں ٹیکس بہت کم ھوا ھے اور وہ

خود اس کی تحقیق کریں - چنانچہ اس چٹھی کی نقل میرے پاس آئی - کئی دنوں کے بعد میں دورے میں جانے کو تھا - اس میں صاحب کمشنر بہادر بھی دورے میں نکلے اور بانکے میں آئے - دوسرے دن وہ اور ایک مقام میں گئے - میں نے بھی اپنا خیمہ وہیں بھیجا اور وہاں جا کے کام کیا - پھر کمشنر صاحب جے پور کے بازار میں گئے - میں بھی وہاں گیا - وہاں کے چند دکانداروں نے جن پر میں نے ٹیکس لگایا تھا صاحب کمشنر بہادر کے پاس میرے خلاف درخواستیں دیں - صاحب موصوف نے خود بازار میں جا کے تحقیقات کی - بعد ازاں ان درخواستوں پر یہ حکم لکھ کر میرے پاس بھیجدیا کہ وہاں جتنے لوگوں پر ٹیکس لگایا گیا ہے غالباً وہ سب قابل ٹیکس دینے کے نہیں ہیں - [۱۲۰] اور غالباً ٹیکس کی مقدار میں بھی کچھ زیادتی ہوئی ہے - میں ان درخواستوں کو لے کر صاحب کمشنر بہادر کے پاس گیا اور ان سے کہا کہ اس علاقہ کے لوگ غریب ہیں اور ایسا ہو سکتا ہے کہ جو شخص ٹیکس دینے کے قابل نہیں اس پر غلطی سے ٹیکس لگایا گیا ہو یا کسی پر زاید ٹیکس لگایا گیا ہو لیکن ایسا ہرگز ہوا نہیں ہے کہ جو شخص ٹیکس دینے کے قابل ہو اور اس پر ٹیکس لگایا نہ گیا ہو - یہ بات سن کے کمشنر صاحب مسکرائے - بعد ازاں میں اپنے خیمہ میں چلا آیا - کئی دن کے بعد کمشنر صاحب کی ایک چٹھی کی نقل جو بنام صاحب کلکٹر بہادر تھی میرے پاس آئی - اس کا مضمون یہ تھا کہ انہوں نے صاحب کلکٹر کو لکھا تھا کہ میں نے جو ٹیکس لگایا ہے اس کی تحقیقات کی ضرورت نہیں ہے -

بانکے میں برادر زادہ شاہ حسین علی خان بہادر مولوی حسن عسکری صاحب پیر زادہ گیا ، کلکتہ سے میرے شاگرد منشی مصطفے حیدر متخلص بہ حیدر کا خط لیکر گئے - میں نے دیکھا کہ جوان آدمی نہایت متقی و

پرہیزگار ہیں، تھوڑی سی عربی و فارسی بھی جانتے ہیں - اور طب میں بھی دخل رکھتے ہیں - میں نے آن کو نقل نویسی میں مقرر کیا اور ان کا کھانا اپنے ساتھ مقرر کیا - چند روز کے بعد بابو للت نرائن دیو، زمیندار لچھمی پور، نے چاہا کہ اپنے مقدمہ میں ایک شخص کو مختار کر کے کلکتہ کو بھیجیں - مولوی حسن عسکری نے مجھ سے کہا میں نے منشی منور حسین عظیم آبادی سے کہ میرے یہاں کتابت کرتے تھے ایک خط لکھوا کر محکمہ [۱۲۱] کے ناظر سرفراز علی خاں کو مولوی حسن عسکری کیساتھ لچھمی پور میں بھیجدیا - بابو للت نرائن دیو نے ان کو مختار مقرر کر کے کلکتہ کو بھیجدیا - کئی مہینے میں وہاں کا کام اختتام کو پہنچا - یہ برخاست ہوگئے - میں نے ان کے لئے میرے دوست بابو بلاق چند رائے بہادر صاحب منصف بھاگلپور سے کہا - انہوں نے ان کو محرری میں مقرر کیا - چند روز کے بعد مجھ کو معلوم ہوا کہ میں نے جو خط لکھا تھا اس خط کو مولوی حسن عسکری نے پھاڑ کے پھینک دیا تھا اور منشی منور حسین سے ایک جعلی خط لکھوایا تھا اور اس میں بہت سا مضمون بڑھا دیا تھا اور اس خط کو لیکے بابو للت نرائن دیو کو دیا تھا - اسوقت منور حسین مٹیا برج میں تھے میں نے ان کو لکھا - انہوں نے لکھا کہ مولوی حسن عسکری نے ان سے میرا نام لیکے دوسرا خط لکھوایا تھا - اس سے اور تحقیق معلوم ہوا کہ انہوں نے جعلی خط بنایا تھا - اسوقت میں نے مناسب سمجھا کہ اس امر کی اطلاع بابو بلاق چند صاحب کو دیدوں - چنانچہ میں نے انکو لکھا کہ مولوی حسن عسکری جعل بناتے ہیں، آپ ان سے ہوشیار رہیں - اور یہ بھی لکھا کہ آپ ان کو برخاست نہ کریں اور ان سے جعلی خط کا ذکر نہ کریں کیونکہ میں نے خود مولوی حسن عسکری کو اس بارے میں لکھا تھا - انہوں نے جواب میں

لکھا کہ ان کی تقدیر خراب ہے ۔ اسلئے میں ان سے ایسی بات پوچھتا ہوں کہ میں نے خود خط ان کو بدل کے دوسرا خط لکھوایا تھا ۔ اب میں بھول گیا ہوں اور منشی منور حسین بھی بھول گئے ہیں کہ انہوں نے میرے کہنے سے دوسرا خط لکھا تھا کہ مولوی حسن عسکری کے کہنے سے ۔ غرض اس کے دو سال کے بعد جب میں مونگیر میں تھا اس وقت معلوم ہوا کہ مولوی حسن عسکری نے ایک جعل کا کاغذ بابو بلاق چند صاحب سے دستخط کروا کے چار سو بارہ روپے نکال کر لیگئے اور بھاگے اور ان پر جعل کا مقدمہ قائم ہوا ہے ۔ غرض بہ ہزار خرابی
[۱۲۲] اس مقدمہ سے رہائی ہوئی لیکن نوکری چھوٹ گئی ۔

بانکے میں ایک مقدمہ میں بابو مہا راج سنگھ نامی ایک زمیندار گواھی دینے کو آئے ۔ فریقین کے مختاروں نے کہا کہ وہ کبھی جھوٹ نہیں بولتے اور سچ بولنے کے سبب سے ان کی معاش جاتی رہی اور ان کی راست گوئی اس ضلع میں مشہور ہے ۔

ایک بار سول سرجن بھاگلپور بانکے کی ڈسپنسری دیکھنے کو گئے اور میرے مکان میں ٹھہرے ۔ ان کے کھانے کا انتظام کیا گیا ۔ اس میں انہوں نے مجھ سے کہا کہ اگر ہم لوگوں کا کوئی دین و مذھب ہوتا تو بڑی مشکل ہوتی ۔ بھاگلپور کی عدالت ججی کے سرشتہ دار نے ایک بار درگا پوجا کی محفل کی ۔ میں شریک ہوا اور دوسرے روز مولوی امداد علی خاں بہادر سرشتہ دار مذکور سے ملنے کو گئے ۔ میں بھی اس کے ساتھ تھا انہوں نے درگا کی شبیہ دیکھنے کی خواهش کی اور دیکھکر اس طرح کے الفاظ کہے 'بھر شکلی کہ می آئی ترا من می شناسم' ۔

بانکے کے متصل چاندن دریا ھے اور اس دریا سے لگا ھوا ایک کھال ھے - وہ درمیان کچھری اور تھانہ اور بازار اور بستی کے ھے - اور اس کھال پر ایک پل ھے - ایک بار چاندن میں ایسی زور کا ڈھل آیا کہ پل ٹوٹ گیا اور اھل مقدمہ قریب ڈیڑھ سو آدمی کے کچھری کی طرف رہ گئے تھے باقی بازار کی طرف تھے اور بازار میں پانی آ گیا اور بہت سے مکانات گرنے لگے - بعد ازاں پانی کا زور کم ھوا لیکن سیلاب تھا - میں نے دیکھا کچھری کی طرف جتنے لوگ آ گئے تھے وہ ھندو ھیں - اس میں زمیندار اور بہت سے شریف لوگ تھے - [۱۲۳] ان لوگوں سے میں نے اپنے چپراسی چرنجیت رائے سے پوچھوایا کہ اگر وہ لوگ میرے یہاں کی چیزیں کھائیں تو میں دوں - وہ لوگ راضی ھوئے - میں نے سبھوں کو چاول دال گھی تیل مصالح آلو نمک لکڑی ھانڈی وغیرہ سب چیزیں دیں - ان لوگوں نے کھانا پکا کے کھایا - وہ لوگ سب ایک سو آدمی سے زائد تھے - چرنجیت رائے چپراسی قوم کا بھاٹ تھا - آرہ کا رھنے والا اور سات روپیہ تنخواہ پاتا تھا اور ستر برس کی عمر کا تھا لیکن بڑا مضبوط اور ھوشیار تھا اور کام اس قدر جلد کرتا تھا کہ میں نے کسی کو دیکھا نہیں اور بڑا پھنکیت تھا اور ایک لوھابند لاٹھی سات آٹھ ھاتھ کے باندھتا تھا اور بانکے سے بھاگلپور تک کے چودہ کوس کا فاصلہ ھے رات کو تنہا جاتا تھا اور شیر اور ریچھ سے ڈرتا نہ تھا کہ شیر اور ریچھ راہ میں بہت ھیں -

اور وھاں کلکٹری کا ایک پیادہ تھا - نام اس کا درشن سنگھ تھا اور وہ راجپوت کی قوم کا تھا اور بڑا عالی خاندان تھا اور سیدھا آدمی تھا اور ماھانہ چھ روپے پاتا تھا اور وہ چرنجیت رائے کو ماھانہ ایک

روپیہ دیتا تھا اور چرنجیت رائے اس کی تعریف میں اشلوک پڑھا کرتا تھا اور وہ خوش ہوتا تھا۔ ایک دن میں نے چرنجیت رائے سے کہا کہ تم درشن سنگھ سے فریب کر کے ماہانہ ایک روپیہ لیتے ہو حالانکہ تم اس سے زاید پاتے ہو۔ اس پر چرنجیت رائے نے کہا: درشن سنگھ راجپوت ھے اس سے نہ لوں گا تو کس سے لوں گا؟ بعد ازاں میں نے ایک دن درشن سنگھ کو کہا [۱۲۴] کہ تم چرنجیت رائے کو کیوں ایک روپیہ ماہانہ دیتے ہو نہ دو۔ اس پر درشن سنگھ نے کہا چرنجیت رائے بھاٹ ھے۔ وہ مجھ سے نہ لیگا تو کس سے لیگا۔ بانکے میں میرا دیوان سوم موسوم بہ 'اشعار نساخ' مرتب ہوا۔

ضلع سارن (چھپرا) میں تبادلہ

بانکے سے میری بدلی ۱۸۶۹ عیسوی میں ضلع سارن معروف بہ چھپرا میں ہوئی اور میں نے بذریعہ مولوی وحید الدین خاں بہادر اور مولوی فرزند علی صاحب کے پاس جو ان کے خالہ زاد بھائی تھے مکان کے واسطے لکھوایا اور وہاں جاتے وقت پٹنہ میں صاحب کمشنر بہادر سے ملا۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ سرکاری خاص محل کی تھوڑی سی زمین داناپور میں ھے لیکن وہ زمین ملتی نہیں ھے۔ اس لئے میں نے حکم دیا ھے کہ آپ اس کی تحقیقات کیجئے۔ بعد ازاں میں آرہ میں گیا اور منشی عبدالحئی صاحب منیجر کے مکان میں ٹھہرا۔ وہاں مولوی وارث علی خاں بہادر ڈپٹی مجسٹریٹ سے جو کسی زمانے میں میرے ہم سبق تھے، ملاقات ہوئی اور بابو بلاق چند رائے بہادر سے جو آرہ میں اپنے مکان میں رخصت لے کے آئے ہوئے تھے اور منشی حسن عسکری صاحب سرشتہ دار

بھاگلپور وغیرہ صاحبوں سے بھی ملاقات ہوئی - بعد ازاں میں ماہ مارچ ۱۸۶۹ء میں چھپرے کو گیا اور مولوی فرزند علی صاحب نے جو مکان ٹھہرایا تھا اس میں اترا اور صاحب کلکٹر بہادر مسٹر اے - پی - گریٹ صاحب سے ملاقات کی اور چارج لیا - اس روز فوجداری دو مقدمے میرے سپرد ہوئے - میں نے زبان بندی لکھنی شروع کی - بہت لوگوں نے آ کے ھجوم کیا [۱۲۵] - اور میں بہت جلد لکھتا تھا مجھ کو اندنوں میں اردو لکھنے میں اتنی مہارت تھی کہ آدمی بات کرتا جائے اور میں لکھتا جاؤں - اس کی بات تمام ہوگئی اور میرا لکھنا بھی تمام ہوگیا -

چھپرے میں میرے جانے کے بعد لائسنس ٹیکس کے اسیسر ڈیپوٹی کلکٹر جو مسلمان تھے برخاست ہو گئے تھے اور قریب ساڑھے تین سو مقدمات عذر داری کے جو ملتوی تھے وہ سب میرے سپرد ہوئے - میں نے جو کاغذات مقدمات کو دیکھا تو معلوم ھوا کہ بیشتر مقدمے ایسے ھیں کہ جن جن شخصوں پر ٹیکس لگایا گیا ھے وہ ھرگز ٹیکس دینے کے قابل نہیں ھیں اور بہت سے شخصوں پر جتنا ٹیکس لگانا چاھئے اس سے بہت زاید ٹیکس لگایا گیا ھے چنانچہ ان لوگوں نے جو ثبوت دیا تھا اس سے یہ بات ظاھر ھوتی تھی - اس لئے میں نے اسیسر ڈپٹی کلکٹر کے پاس روبکاری بھیجی کہ ان مقدموں میں گورنمنٹ کی طرف سے اگر کوئی ثبوت ھو تو لکھ لیجئے - اس پر انہوں نے میرے پاس لکھا کہ آپ کو اس طرح کے ثبوت طلب کرنے کا اختیار نہیں ھے - مجھ کو یہ بات ناگوار ھوئی اور میں نے صاحب کلکٹر سے جا کے کہا کہ گورنمنٹ کی چٹھی میں ھے کہ عذر داری کے مقدموں میں گورنمنٹ کی طرف سے جو ثبوت ھوگا وہ دیا جائے گا - اور اسیسر ڈیپوٹی کلکٹر نے میری روبکاری کا جواب جو کچھ لکھا ھے

وہ بھی کہا ۔ صاحب کلکٹر سن کے خفا ہوگئے اور مجھ سے کہا کہ آپ پھر ثبوت طلب کیجئے ۔ [۱۲۶] ان کو ضرور اس کا جواب دینا ہوگا ۔ چنانچہ میں پھر اسیسر ڈپٹی کلکٹر کو گورنمنٹ کی چھٹی کا منشا لکھ بھیجا اور یہ بھی لکھا کہ جس جس جگہ ہوشیار اسیسر ڈپٹی کلکٹر مقرر ہوئے تھے ان لوگوں نے ایک کتاب بنائی تھی اور جس جس شخص سے دریافت کر کے جس جس شخص پر ٹیکس لگاتے تھے اس کتاب میں ان کا نام و نشان لکھ لیتے تھے ۔ بعد ازاں جب عذرداری کا مقدمہ ہوتا تھا اس وقت گورنمنٹ کی طرف سے انہیں لوگوں کی گواہی دلواتے تھے ۔ اس روبکاری کا جواب آیا کہ گورنمنٹ کی طرف سے وہ کوئی ثبوت دے نہیں سکتے ۔ بعد ازاں میں نے مقدمات عذرداری کو فیصل کرنا شروع کیا اور عذرداری منظور کر کے زر ٹیکس جو ادا ہو چکا تھا واپس دینے لگا ۔ یہ خبر اسیسر ڈپٹی کلکٹر کو معلوم ہوئی تو انہوں نے اور لوگوں کو کہدیا اور ان لوگوں نے اپنی طرف سے مجھ کو کہا کہ میں جو سرکاری روپیہ خزانہ سے عذر داران لائسنس ٹیکس کو واپس دیتا ہوں آئندہ اس کی کیفیت بورڈ آف ریونیو سے طلب ہوگی ۔ میں نے کہدیا کیفیت لکھتے وقت مجھ سے کسی کو پوچھنے کی ضرورت نہیں ہوگی ۔ غرض میں چھ ہزار ساڑھے چھ ہزار روپے لوگوں کو واپس کر دیئے اور مجھ سے کسی نے کیفیت طلب کی نہیں ۔ دوسرے سال چھپرے کے لوگرں نے صاحب کلکٹر سے کہا کہ وہ مجھ کو اس کام پر مقرر کریں ۔ صاحب کلکٹر نے مجھ سے کہا ۔ میں نے انکار کیا کہ میں یقینی جانتا تھا کہ اس کام میں خواہ مخواہ کسی نہ کسی پر ظلم ہوگا ۔

[۱۲۷] چھپرے کے تمام خاص محل میرے سپرد ہوئے کہ بندوبست کروں ۔ چانچہ میں نے تحقیقات کر کے سب محال کا بندوبست کیا ۔

مجھ کو یاد آتا ھے کہ ان محالوں میں ایک خاص محل ایسا تھا کئی سال سے اس کا بندوبست ھوتا نہ تھا اور پڑا ھوا تھا ۔ میں جو اس کو دیکھنے کو گیا تو دیکھا کہ اس میں جنگل ھے اور اس کے اندر سے تین گاڑیاں نکلیں ۔ تینوں گاڑیوں میں جنگل کے درخت کٹے ھوئے لدے ھوئے تھے ۔ گاڑی بانوں سے پوچھا تو ان لوگوں نے ایک زمیندار کا نام لیا کہ ان کے حکم سے جنگل کاٹ کر جلانے کیلئے لیجاتے ھیں اور ھر سال اس طرح سے لیجاتے ھیں ۔ زمیندار جنگل کی لکڑیاں اور لوگوں کے پاس بھی بیچتے ھیں ۔ اس سے معلوم ھوا کہ زمیندار مذکور اس خاص محل کو اجارہ نہیں لیتے مگر اس پر قابض و متصرف ھیں اور اس کے جنگل سے نفع اٹھاتے ھیں ۔ میں نے ان کی زبان بندی لی اور اس زمیندار کے مختاروں سے کہا کہ اگر وہ اس محل کو بندوبست کر لیں تو خیر ورنہ کئی سال کے خسارہ کا دعویٰ ان کے مؤکل پر ھوگا ۔ آخر زمیندار مذکور نے اس محل کو اجارہ لے لیا اور داناپور میں جو ایک خاص محل کی زمین تھی اس کا حال یوں ھے کہ دو زمینداروں میں مقدمہ ھوا اور ھائی کورٹ میں وہ مقدمہ اپیل میں دائر ھوا ۔ اس میں بہت سے نقشے داخل ھوئے ۔ اس میں معلوم ھوا کہ ایک خاص محل کی ایکسو اٹھارہ بیگھہ زمین وھاں ھے [۱۲۸] کہ آگے وھاں گھانس ھوتی تھی اور سرکاری ھاتھی اس میں چرتے تھے ۔ ھائی کورٹ نے اس کو گرفت کر کے بورڈ آف ریوینو میں بھیجا ۔ وھاں سے کمشنری اور کمشنری سے چھپرے کی کلکٹری میں ھائی کورٹ کا کاغذ آیا ۔ پانچ چھ برس سے جتنے کلکٹر صاحب آئے اور جتنے ڈپٹی کلکٹر آئے وہ لوگ اور کلکٹری کے سب عملے بلکہ پولیس کے سب عملوں نے تحقیقات کی اور کوئی اس زمین کو نہ نکال سکا ۔ اور اس زمین کے نہ نکلنے کے سبب سے بورڈ آف ریوینو سے اور کمشنری

سے سخت چٹھیاں آتی تھیں ۔ مجھ کو صاحب کلکٹر بہادر نے اس زمین کی نسبت کہا کہ حقیقت میں وہ زمین نہیں ہے ۔ فقط ھائی کورٹ کی غلطی ھے ۔ آپ اس طرح پر تحقیقات کر کے رپورٹ کردیجئے کہ آئندہ پھر تحقیقات کرنے کی تاکید کی نوبت نہ آئے اور سخت چٹھیوں کا آنا موقوف ھوجائے ۔ ان باتوں کو سن کے میں گھبرایا کہ اس امر کا سراغ نئی جگہ میں بہت مشکل ھے کیونکہ وھاں کسی سے شناسائی نہیں ھے ۔ جہاں کے لوگوں سے شناسائی ھو وھاں سراغ بخوبی ھوسکتا ھے ۔ غرض سونچتا رھا کہ کیا کروں ۔ آخر ایک بات ٹھہری اور محرم قریب تھا ۔ میں نے زمینداروں کے مختاروں سے کہدیا کہ میں محرم دیکھنے کو پٹنہ میں جاؤنگا ۔ وھاں سے پھرتے وقت تحقیقات کرونگا ۔
[۱۲۹] بعد ازاں میں محرم کی چوتھی یا پانچویں تاریخ کو پٹنہ روانہ ھوا اور میرے دو عملے بھی میرے ساتھ ھوئے ۔ وہ لوگ یکہ پر تھے اور میں پالکی میں تھا ۔ جب منیر میں پہنچا تو عملوں کو وھیں چھوڑا اور کہدیا کہ ایک گھنٹہ کے بعد وہ دانا پور میں آئیں ۔ اور ساتھ کے چپراسی کی پگڑی اور چپراس لیکے پالکی میں رکھ لی یعنی اس کی صورت بدل دی کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ وہ چپراسی ھے ۔ بعد ازاں میں دانا پور میں پہنچ کے جہاں زمین تکراری کا پتہ نقشہ تھا اندازے سے وھیں ٹھہرا اور لب دریا گنگ پالکی رکھوائی اور ھاتھ منہہ دھویا اور آدمی سے حقہ لانے کو کہا ۔ وھاں اس وقت صرف ایک بہت ھی بوڑھا ھندو سپاھی تھا اور ایک بوڑھا دھوبی کپڑا دھو رھا تھا اور ایک بوڑھا گراس کٹر یعنی گھسیاڑہ گھاس کاٹتا تھا اور کوئی نہ تھا ۔ سپاھی نے مجھ کو دیکھ کر پوچھا کہ آپ کہاں جایئے گا ؟ میں نے کہا پٹنہ میں محرم دیکھنے کو جاؤنگا ۔ سپاھی نے کہا کہ پٹنہ کا محرم دیکھنے کے لئے بہت دور دراز

سے لوگ آتے ہیں۔ بعد ازاں میں پالکی میں بیٹھا ہوا حقہ پیتا رہا اور سپاہی سے باتیں کرتا رہا اس میں اس مقام کا ذکر پوچھا کہ یہ زمین کیسی ہے، کیا ہے ؟ اس پر سپاہی نے کہا یہاں تیس برس کے آگے بڑے بڑے گھانس ہوتے تھے اور اس میں سرکاری ہاتھی چرتے تھے۔ اس پر دھوبی نے [۱۳۰] کہا کہ ہاں مہاراج مجھ کو بھی یاد ہے۔ اس پر گراس کٹر نے کہا کہ وہ بھی جانتا ہے کہ وہاں گھانس ہوتی تھی اور سرکاری ہاتھی چرتے تھے اور ان لوگوں نے کہا کہ اب وہ زمین فلاں فلاں زمیندار کے دخل و تصرف میں ہے۔ اس سے مجھ کو معلوم ہوگیا کہ وہی زمین ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد میرے عملے وہاں آ گئے۔ اس پر ان لوگوں کو معلوم ہوگیا کہ میں ڈپٹی کلکٹر ہوں۔ میں نے ان لوگوں کی زبان بندی لی اور نقشہ نکال کر زمین سے ملا کر جریب کر کے دیکھا۔ نقشہ میں ایک سو اٹھارہ بیگھہ زمین لکھی تھی۔ اتنی ہی زمین نکلی اور میں سمجھا کہ آگے جو برابر تحقیقات ہوئی ہے اس میں زمیندار لوگ اپنے اپنے لوگوں کو وہاں آگے سے متعین رکھتے تھے اور وہ لوگ زمینداروں کی طرف سے گواہی دیتے تھے اور کوئی شخص یہ بات کہتا نہ تھا کہ وہاں جنگل تھا اور سرکاری ہاتھی چرتے تھے اور چونکہ وہ زمینداروں کے دخل میں تھی، اسلئے سب لوگ سمجھتے تھے کہ وہ زمین ان کی زمینداری میں شامل ہے۔ میں اس تحقیقات سے نہایت خوش ہوا اور پٹنہ کو چلا گیا۔ وہاں مولوی دلیل الدین احمد خاں بہادر ڈپٹی مجسٹریٹ کے مکان پر ٹھہرا اور محرم کی مجلسوں میں شریک ہوا۔ مرزا دبیر اور میر مونس مرثیہ خوانوں کو سنا اور عشرہ کے روز بھی وہاں رہا اور تعزیہ وغیرہ دیکھا۔ وہاں نواب سہراب جنگ، سید ولایت علی خاں صاحب، [۱۳۱] میر محمد نواب صاحب، مولوی فضل حسین صاحب، مولوی خدا بخش خان

صاحب وکیل اور بہت سے رؤسای نامی سے ملاقات ہوئی اور مولوی فدا علی خان بہادر سے ایک زمانہ دراز سے مجھ سے رنج تھا - ان سے بھی ملاقات ہوئی - انہوں نے معذرت کی اور میری دعوت کی - وہ رنج دفع ہوگیا - عشرہ کے دوسرے دن میں پھر دانا پور میں گیا اور کئی دن تک لب دریا ایک مکان میں ٹھہرا اور زمینداروں کے گواہوں کی زبان بندیاں لیں - بعد ازاں میں چھپرے کو چلا گیا اور رپورٹ کر دی کہ زمین سرکاری تو وہاں بے شک ہے لیکن تیس برس سے زاید مدت سے زمیندار لوگ اس پر متصرف ہیں - صاحب کلکٹر بہادر نے اس رپورٹ کو وکیل سرکار کے پاس بھیجا - انہوں نے لکھدیا کہ رپورٹ میں یہ مضمون نہ ہو کہ تیس برس سے زاید مدت سے سرکار اس زمین سے بے دخل ہے کہ اس میں گورنمنٹ کا نقصان ہونے کا احتمال ہے - صاحب کلکٹر نے پھر اس رپورٹ کو وکیل سرکار کے نوشتہ کے ساتھ میرے پاس بھیجدیا - میں نے لکھدیا کہ میں ہرگز ایسا نہ لکھوں گا - جو میری تحقیقات سے معلوم ہوا ہے وہی لکھدیا ہے - غرض پھر صاحب کلکٹر نے مجھ سے اس امر میں کچھ کہا نہیں -

چھپرے میں قاضی رمضان علی صاحب ایک نامی آدمی تھے ان کے نیل کی کوٹھیاں تھیں اور [۱۳۲] حکام میں بڑی رسائی تھی - خصوصاً مسٹر ہوپ صاحب جج ان کو اچھا جانتے تھے - ان کا ایک مقدمہ ہنگامہ کا میرے پاس تھا وہ ہار گئے یعنی ان کی طرف کے آدمی ہار گئے - انہوں نے پھر اس مقدمہ کو چلانے کے بارے میں صاحب سشن جج بہادر

سے کہا انہوں نے ان کو صاحب مجسٹریٹ بہادر کے پاس جانے کو کہا - وہ صاحب مجسٹریٹ کی کوٹھی میں گئے - اس وقت میں بھی وہاں تھا، میں چلا آیا - اس روز، شب کو وہ اور سید موسیٰ رضا، سرشتہ دار محکمۂ افیون، کہ ان کے بیٹے سید مہدی میری عدالت میں محرر تھے، مجھ سے ملنے کو آئے اور سید موسیٰ رضا نے کہا کہ آپ نے جو قاضی صاحب کے ہنگامہ کا مقدمہ کو ڈسمس کیا ہے قاضی صاحب نے موشن کیا ہے اور صاحب مجسٹریٹ اس مقدمہ کو ہائی کورٹ میں آپ کا حکم رد کرنے کو بھیجیں گے کہ وہ مقدمہ سچ تھا اور صاحب چاہتے ہیں کہ وہ مقدمہ پھر آپ کے پاس ہو اور آپ ہی تجویز کیجئے - میں نے کہا میں آدمی ہوں - ہو سکتا ہے کہ مجھ سے غلطی ہوئی ہو یا میری سمجھ میں نہ آیا ہو - خیر جب میرا حکم ہائی کورٹ میں رد ہو کے آئیگا اس وقت میں پھر سر نو سے اچھی طرح سے تجویز کرونگا - حالانکہ میں یقینی جانتا تھا کہ میرا حکم ہائی کورٹ [۱۳۳] میں کیا ولایت میں بھی رد نہ ہوگا کہ اس مقدمہ میں ایسی کوئی بات نہ تھی - بعد ازاں مجھ کو کچہری میں معلوم ہوا کہ مجسٹریٹ صاحب نے میرے اس حکم کے رد کرنے کے بارے میں دس بارہ ورق وجوہات لکھ کر ہائی کورٹ میں بھیجا ہے - کئی دن کے بعد معلوم ہوا کہ ہائی کورٹ نے میرا حکم بحال رکھا ہے - بعد ازاں پھر ایک شب کو قاضی صاحب مذکور اور سید موسیٰ رضا صاحب میرے مکان پر آئے اور سید موسیٰ رضا نے کہا کہ اس وقت تک اس ضلع سے جتنا حکم رد کرنے کے لئے ہائی کورٹ میں بھیجا گیا تھا سب حکم رد کیا گیا ہے لیکن آپ کا حکم رد ہوا نہیں - آپ کا حکم بہت سخت ہے - میں نے کہا کہ حکام فوجداری کا حکم اگر سخت نہ ہو تو سیاست ہو نہیں سکتی ہے -

چھپرے سے جس ڈیپوٹی کلکٹر کی بدلی ہو گئی تھی اور میں جن کی جگہ مقرر ہوکر گیا تھا وہ وہاں رشوت میں بدنام تھے - میں نے جو اس کی تحقیقات کی تو معلوم ہوا کہ وہ بعض سبب سے بعض بعض عملوں کی بہت خاطر کرتے تھے اور وہ عملے ان کے نام سے رشوت لیتے تھے اور وہی عملے میری عدالت میں مقرر ہوئے تھے - مجھکو عملوں کے ان باتوں سے نہایت رنج ہوا اور میں نے ان کے ساتھ ایسا برتاؤ شروع کیا [۱۳۴] کہ کوئی ان کو ایک پیسہ نہ دیتا تھا اور یہ بات صاحب کلکٹر کو بھی معلوم ہوئی اور انہوں نے خود مجھ سے کہا کہ آپ نے اپنے عملوں کو خوب درست کیا -

چھپرے میں مختلف رؤساء سے ملاقات

چھپرے میں حکیم مہدی نامی ایک شخص تھے کہ وہ کسی زمانے میں اعلی صدر امین کے سرشتہ دار تھے اور رمل میں بھی کچھ دخل رکھتے تھے اور پیری مریدی کرتے تھے - مولوی امداد علی خان بہادر بھاگلپوری ان کے مرید تھے - میں نے ان کی تعریف مولوی امداد علی خاں بہادر سے سنی تھی اور مجھ کو ان سے ملنے کا نہایت اشتیاق تھا - ایک دن میں مولوی ولایت حسین صاحب، سرشتہ دار کلکٹری چھپرہ، کو همراہ لیکر ان سے ملنے کو گیا - ادھر ادھر کے ذکر کرنے کے بعد حکیم مہدی نے مجھ سے پوچھا کہ آپ کو کسی سے بیعت ہے یا نہیں - میں نے ان کو یہ جواب دیا کہ قبل ازیں مجھ سے بڑے بڑے کاملوں سے ملاقات ہوئی لیکن اس وقت مرید ہونے کو جی نہیں چاہتا تھا - اب ان لوگوں میں سے کوئی باقی نہیں رہا - ان دنوں جی چاہتا ہے کہ کسی سے بیعت کیجئے لیکن اب جس مسخرے کو دیکھتا ہوں وہ فریبی،

جعلیہ، جھوٹا، مکار، دغاباز، اوچکا، اٹھائی گیرا نظر آتا ہے ۔ اس لئے کسی سے مرید نہیں ہوتا ۔ اگر کوئی کامل مل جائیگا تو مرید ہوجاؤنگا ۔ اس روز سے پھر کبھی حکیم مہدی نے مجھ سے بیعت کا ذکر نہ کیا ۔

چھپرے میں ایک مجذوب تھے اور لوگ ان کے معتقد تھے اور کسی کے کہنے سے کبھی [۱۳۵] کسی کے مکان میں جاتے نہ تھے ۔ جہاں انکا جی چاہتا تھا خود چلے جاتے تھے ۔ میں چاہتا تھا کہ میرے مکان میں بھی کبھی یہ آئیں ۔ یہ بات بہت کم کہتے تھے اور بیشتر مفرد الفاظ بولتے تھے ۔ ایک دن گرمیوں کی شدت میں یہ میرے مکان میں سے چلے آئے اور آنگن میں کھڑے ہوگئے ۔ میں نے ان کو سلام کیا، انہوں نے مجھ سے مخاطب ہو کے کہا پیسہ ۔ میں نے اپنے خانساماں فقیر بخش کو کہا کہ شاہ صاحب کو چار پیسے لادو ۔ پیسے لا کر شاہ صاحب کو دینے لگا ۔ شاہ صاحب نے پیسے لئے نہیں اور فقیر بخش سے مخاطب ہو کر کہا تاڑی کباب ۔ اس وقت میرے جی میں آیا کہ شاہ صاحب ولی ہوں 'کامل ہوں' کچھ ہوں میں ان کو اپنے مکان میں تاڑی پینے نہ دونگا ۔ تاڑی شرعاً حرام ہے اور میں نے اشارے سے فقیر بخش کو منع کیا ۔ وہ کھڑا رہا شاہ صاحب نے میرے اشارے کو دیکھا نہیں لیکن میرے مکان سے نکل گئے اور سڑک کے پار ایک ہندو نجار کی دکان پر جاکے بیٹھے اور فقیر بخش کو تاڑی اور کباب لانے کو کہا ۔ اس نے لا دیا، شاہ صاحب نے وہیں تاڑی پئے اور گاؤ گوشت کا کباب کھایا ۔ ساتھ اس کے نجار مذکور ان سے بہت خوش ہوا ۔

میں چھپرے میں جس مکان میں رہتا تھا اس مکان کے پشت پر سے چور کے آنے کی راہ تھی ۔ اسلئے میں نے مکان کے پشت پر پہرہ مقرر

کیا تھا اور میرے مکان کے [۱۳۶] بہت قریب ایک کھال تھا اور مکان سے قریب دریائے گنگ تھا ۔ ایک دن دس بجے شب کو پہرے والے نے پکار کے کہا مکان کے پشت پر دریا کا پانی آ رہا ہے ۔ یہ سنکر میں نے کمرے سے باھر نکل کر دیکھا کہ آنگن میں گھٹنے گھٹنے پانی ہے ۔ اس وقت میں باھر کے مکان میں چلا آیا اور دروازہ پر سے دیکھا کہ سڑک پر بھی پانی آ رہا ہے اور کھال کا پانی بہت زور سے رواں ہے ۔ اس وقت مکانوں کے گرنے کی آواز آنے لگی ۔ ہم لوگ نہایت مضطر ہوئے ۔ مگر کیا کرتے ۔ کوئی چارہ نہ تھا ۔ سفر کی راہ نہ تھی ۔ ایسے وقت میرے احباب میں مولوی مستنصر باللہ صاحب، باشندۂ الائچی پور، ضلع ڈھاکہ، ھیڈ ماسٹر نارمل اسکول اور درگا بابو اکونٹنٹ عدالت جج صاحب بہادر، پانی میں تیر تیر کے ہم لوگوں کی خبر لینے کو آئے ۔ ان کی زبانی معلوم ھوا کہ نارمل اسکول اور درگا بابو کا مکان اور اور مکان گر گئے ھیں ۔ بعد اس کے وہ لوگ چلے گئے ۔ وہ رات کس طرح اللہ اللہ کر کے بسر ھوئی، دوسرے روز صبح کو میں پالکی پر سوار ھوکر شہر میں نکلا اور دیکھا کے سینکڑوں مکانات گر گئے ھیں اور کھال مذکور جس مقام میں دریائے گنگ سے ملا تھا وھاں بہت بڑا ایک دروازہ تھا، وہ دروازہ ٹوٹ گیا ہے اور صاحب مجسٹریٹ بہادر اس دروازہ کی مرمت میں مصروف تھے اور پانی [۱۳۷] کا زور ویسا ھی تھا ۔ اس لئے میں اپنے اھل و عیال کو لیکر ایک ٹیلے پر ایک شخص کا مکان تھا، وھاں جا کے ٹھہرا اور دوسرے روز جب پانی ایک بارگی کم ھو گیا اپنے مکان میں چلا آیا ۔ چھپرے میں رھنے کے ھنگام میں چھتر کا میلا بھی دیکھا ۔ بڑی کثرت ھوتی ہے اور بہت خوبصورت میلا ہے ۔ اطراف و جوانب کے امراء اس میں شریک ھوتے ھیں ۔ چھتر کے میلے میں سید عمر دراز صاحب اور رؤسائے بہار سے

ملاقات ہوئی - اور میاں خلیل منجم سے بھی ملاقات ہوئی - یہ اپنے فن کے کامل تھے گو کہ انہوں نے میری نسبت جتنے حکم لگائے سب غلط ہی نکلے - وہ قوم ہنود میں سے تھے مشرب باسلام ہوگئے تھے -

چھپرے میں رہنے کے ہنگام میں مولوی جمیل صاحب لکھنوی مدرس مدرسہ چھپرا اسکول اور حکیم مولوی حافظ عزیز الدین صاحب مدرس نارمل اسکول، باشندۂ خورجہ شکار پور سے کہ دونوں صاحب بڑے عالم تھے ملاقات ہوئی اور میرے سامنے مولوی عزیز الدین صاحب کا انتقال ہوا اور ان کی مرنے کی خبر ان کے والد کو دی گئی - اس خبر کو سنتے ہی ان کے والد اندھے ہوگئے - اس سے یہ بات ظاہر ہوئی کہ فرزندوں کو جو فارسی میں نور چشم لکھتے ہیں نہایت بجا ہے اور درست ہے - میں نے ان کی انتقال کی یہ تاریخ کہی ہے : (۱)

مر جو گئے اسکول سارن کے مدرس کیا لکھوں
والد ہوئے کور انکے غم انکو ہوا اتنا بڑا
نساخ نے تاریخ رحلت کو جو پوچھا ناگہاں
'حافظ عزیز الدین محمد ھای' ہاتف نے کہا
۱۲۸۶ھ

[۱۳۸] قاضی رمضان علی صاحب بھی میرے سامنے فوت ہوئے -

چھپرے میں رہنے کے ہنگام میں ایک دریا کی تحقیقات کو میں پرگنہ بلیہ متعلق ضلع غازی پور میں گیا اور وہاں میر تقی صاحب تحصیلدار ڈیپوٹی کلکٹر ضلع غازی پور سے ملاقات ہوئی کہ وہ بھی اس دریا کی

(۱) قلمی نسخہ میں تاریخ درج نہیں ہے حالانکہ جگہ خالی رہ گئی ہے - یہ اشعار 'گنج تواریخ' (مطبوعہ لکھنؤ ۱۸۷۵، ص ۵۱—۵۲) سے ماخوذ ہیں -

تحقیقات کو غازی پور سے آئے تھے ۔ بعد تحقیقات میر صاحب مذکور مجھکو اپنے مکان میں کہ حسین آباد متعلق ضلع چھپرے میں واقع ہے لے گئے ۔ وھاں حسین آباد کے بہت سے شرفاء سے ملاقات ہوئی اور ایک امامیہ مذہب کے بہت بوڑھے لکھنوی طبیب سے بھی ملاقات ہوئی اور انہوں نے مجھ سے کہا کہ انہوں نے علم طب حکیم شریف خاں مرحوم دھلوی سے حاصل کیا تھا اور یہ بھی کہا تھا کہ ان کے والد نے ان کو تبرکا مولانا شاہ عبدالعزیز قدسرہ کا شاگرد کیا تھا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اس موضع میں سوائے امامیہ مذہب کے [۱۳۹] اور کسی مذہب کا آدمی نہیں ہے ۔

چھپرے میں رہنے کے حال میں جناب استاذی حافظ اکرام احمد ضیغم مرحوم کے انتقال کی خبر ملی اور میں نے یہ تاریخ کہی (۱) :

مر گئے حیف حضرت ضیغم — تھے وہ بے مثل حافظ قرآن
ڈاکٹر اور طبیب اور حکیم — قاری تجوید داں ریاضی داں
صاحب دست غیب و شعبدہ باز — ایسی جس سے عقل ہو حیراں
عالم و کیمیا گر و جفار — ایسے عامل بھلا جہاں میں کہاں
وہ منجم کہ رازدان سپہر — اور رمال بے عدیل جہاں
شاعر کامل فصیح و بلیغ — اور عروضی بڑے قوافی داں
انکو تھا صنعتوں میں دخل تمام — شعر فہمی کا انکے کیا ہو بیاں
رکھتے تھے وہ ہر ایک فن میں کمال — تھے کمالات جسم اور وہ جاں
تھا یہ انکو کمال استغنا — جس سے حیران تمام پیر و جواں
انکے مرنے کا رنج ہے ایسا — کہ نہیں ہے زبان کو تاب بیاں
میں نے پوچھا جو سال ہاتف نے — دی ندا 'ہائے بے نظیر زباں'
۱۲۸٦ھ

(۱) قلمی نسخہ میں تاریخ شامل نہیں ہے ۔ یہ اشعار 'گنج تواریخ' (مطبوعہ لکھنؤ، ۱۸۷۵ء ص ۵۰) سے لئے گئے ہیں ۔

علاج کیلئے دھلی کا سفر

[۱۴۰] چپھرے میں میں سخت بیمار ہوگیا ۱۸۶۹ء اٹھارہ سو انہتر عیسوی کے اٹھارھویں دسمبر کو چار مہینے کی رخصت لیکے واسطے تبدیل آب و ہوا و علاج کے اسی سال کے اوائل جنوری میں دھلی کو گیا، وھاں احباب دھلی سے ملاقات ھوئی اور وھاں اس دفعہ عبدالرحمن ضلع بولنے والے کو دیکھا کہ ایسا شخص عمر بھر میں دیکھا نہیں۔ اس کی سب باتیں یاد نہیں ھے۔ ایک بار اس نے کہا کہ وہ ایک بیگم کا نوکر تھا اور وہ بیگم بد اطوار مشہور تھی۔ اس میں ایک دن اس بیگم نے صبح کو اپنے متعلقین سے کہا کہ اس کی گردن میں درد ھے۔ اس پر عبدالرحمان نے کہا کہ کوئی پٹھا چڑھ گیا ھوگا۔

اس دفعہ دھلی سے پھرتے وقت الہ آباد میں گاڑی ٹھہری تھی۔ اس وقت ایک شخص میری گاڑی کے پاس آئے اور میرا نام و نشان پوچھ کے مجھکو اپنے مکان میں لے گئے اور محفل رقص و سرود ترتیب دی۔ انکا نام مولوی فرید الدین خاں بہادر ھے۔ وہ اس وقت وکیل تھے، اب صدر الصدور ھیں۔ انھوں نے میری شاعری کا حال سنکے منشی اسمعیل حسین منیر کو بلایا، وہ آئے۔ ان کے شعر سنے، ان کو اپنے شعر سنائے۔

[۱۴۱] بات بات میں انھوں نے کہا کہ مرثیہ میں وہ مرزا دبیر کے شاگرد ھیں۔ لیکن مرزا دبیر علم شعر سے واقف نہ تھے اور یہ بھی کہا کہ اگر وہ نواب مصطفے خاں شیفتہ سے ملتے تو فارسی شعروں میں ان سے اصلاح لیتے۔ اس سفر میں بھی لکھنو، الہ آباد وغیرہ شہروں کی سیر کرتا ھوا، دوست و آشنا سے ملاقات کرتا ھوا، کلکتہ میں آیا اور اس دفعہ میری بدلی اٹھارہ سو ستر عیسوی کی بارھویں ماہ اپریل کو پھر بھاگلپور

میں [۱۴۲] ہوئی - میں بھاگلپور کو چلا گیا - صاحب کمشنر بہادر نے مجھکو مونگیر میں جانے کو کہا اور دوم مئی سن مذکور میں میری بدلی مونگیر میں ہوئی - میں مونگیر گیا وہاں شاہ محسن علی صاحب اور ان کے بھائی اور ان کے عزیزوں سے ملاقات ہوئی اور وہاں نواب علی قلی خاں خلف نواب سہراب جنگ، رئیس پٹنہ سب رجسٹرار، ہو کے آئے اور میرے مکان پر ٹھہرے - آدمی بہت معقول ہیں -

مونگیر میں تبادلہ

مونگیر کے اسکول کے فارسی و عربی پڑھنے والے لڑکوں کا امتحان مولوی وحید الدین خان بہادر لیا کرتے تھے - ان کی بدلی بھاگلپور میں ہوگئی اور میر ابی عبداللہ خان بہادر، باشندۂ بریسال، مونگیر میں مقرر ہوئے - تب مجھکو امتحان لینے کو کہا گیا اور میں امتحان لینے کو گیا اور جتنے لڑکے ہندو مسلمانوں کے عربی و فارسی و اردو پڑھتے تھے ان سے جتنے سوال کئے گئے کوئی لڑکا سب سوال کا جواب دے نہ سکا - ایک کایستھ کا لڑکا بہت چھوٹا تھا - اس سے میں نے سوالات کئے، مگر وہ کہیں کسی طرح بند نہیں ہوا - مولوی عبداللہ صاحب مدرس لکھنوی نے مجھ سے کہا کہ ایسا کبھی ہوا نہیں اور یہ بھی کہا کہ وہ لڑکا نہایت ذہین و ذکی ہے -

مونگیر میں ایسا ایک واقعہ ایک بار ہوا کہ میرے سب نوکر چھوٹ گئے اور آدمی ملتا نہ تھا - اندر صرف میری بی بی اور میرا بیٹا محمد سلمہ، جس کی عمر اس وقت تین ساڑھے تین برس کی تھی، رہ گیا تھا اور باہر کے [۱۴۳] مکان میں صرف فقیر بخش خانساماں رہ گیا تھا -

دو تین دن تک یہ حال رہا ۔ بعد ازاں آدمی مل گیا ۔ اندنوں فقیر بخش کھانا پکاتا تھا اور ہم لوگ کھاتے تھے ۔ اس بات کے لکھنے کا سبب یہ ہے کہ بعض وقت روپیہ سے کچھ کام نہیں نکلتا ۔

مونگیر جا کے میں نے ایک نقل سنی اس کا لکھنا مناسب معلوم ہوا، اس لئے لکھتا ہوں ۔ وہاں ایک کایستھ کا لڑکا تھا، وہ اسکول میں پڑھتا تھا اور اس کی طبیعت کو دین اسلام کی طرف رجحان تھا اور وہ اپنی برادری کے لوگوں سے جب مذہبی گفتگو ہوتی تھی تب مسلمانوں کی طرف سے گفتگو کرتا تھا ۔ اس لئے ہندو لوگ از راہ تمسخر اس کو میاں صاحب کہتے تھے اور مذہبی بات نکلنے سے اس کو بطور مسلمان کے خطاب کر کے بات کرتے تھے ۔ ایک بار مونگیر کے اسکول میں ایک کتاب کا درس ہو رہا تھا ۔ اس میں آسمان کے تین سو ساٹھ درجوں کا بیان تھا ۔ ماسٹر اسکول نے کہ وہ بھی ہندو تھے اس کایستھ کے لڑکے کو مخاطب کر کے کہا کہ چونکہ تمہارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ریاضی نہیں جانتے تھے اس لئے قرآن شریف میں آسمان کے درجے کا ذکر نہیں ہے ۔ اس پر وہ لڑکا تھوڑی دیر تک خاموش رہا ۔ بعد ازاں کہا کہ قرآن شریف میں ہے اور یہ آیت پڑھی وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ یعنی 'اور قمر کیلئے مقرر کیں ہم نے منزلیں' اور قَدَّرْنٰهُ کے عدد ابجد کے حساب سے نکال کر بتلا دیا کہ اس سے [۱۴۴] تین سو ساٹھ عدد نکلتے ہیں ۔ اور آسمان کے اتنے ہی درجے ہیں ۔ اس سے ماسٹر وغیرہ بہت گھبرائے اور خفیف ہوئے ۔ بعد ازاں اس لڑکے نے کہا کہ اس نے سنا ہے کہ قرآن شریف میں کوئی بات نہیں ہے کہ نہ ہو ۔ لیکن ہر شخص اپنی عقل کے مطابق سمجھتا ہے ۔ یہ ایک واقعہ بھی قرآن شریف کا ایک معجزہ ہے ۔

مونگیر میں رہنے کے هنگام میں منشی دیانت حسین بہاری سب انسپکٹر اسکول ھای پرنیه، کہ اندنوں مونگیر کے نارمل اسکول کے مدرس تھے اور میرے مکان میں رہتے تھے اور میرا دیوان دوم موسوم به 'اشعار نساخ' و تذکرۂ 'سخن شعراء' انہوں نے مجھکو صاف کردیا تھا، ان دونوں کتابوں کو صاف کرنے کے حال میں انہوں نے شعر کہنا شروع کیا اور میرے شاگرد ہوئے اور 'فہمی' تخلص کیا - ان کی طبیعت بہت اچھی ہے اور نہایت نیک بخت آدمی ہیں اور اردو فارسی اچھا کہتے ہیں اور شیخ وزیر علی صاحب متخلص به 'مسلسل' باشندۂ مونگیر اور شاہ خلیل احمد صاحب محرر دفتر، سب رجسٹرار مونگیر' اولاد میں حضرت شاہ شرف‌الدین یحیی منیری کے ہیں، میرے شاگرد ہوئے - وہ 'خلیل' تخلص کرتے تھے -

مونگیر کے خزانہ میں ایک اگروالا فوطه دار تھا - وہ گھنٹہ بھر میں لاکھوں روپیه گن لیتا تھا اور جو روپیه کھوٹا یا عیب دار ہوتا تھا اس کو جدا بھی کر دیتا تھا - اس قدر جلد روپیه [۱۴۵] گننے میں کسی شخص کو دیکھا نہیں - بہت سے صاحبان یوروپین اور بہت سے لوگ اس کا روپیه گننا دیکھنے جاتے تھے -

مونگیر کے مفصل میں ایک بار دو رکھوالوں میں تکرار ہوئی تھی - اس پر مار پیٹ ہوئی - ایک رکھوالے نے دوسرے کو ایک چھڑی سے پیٹھ پر ایک ضرب لگائی - بعد ازاں وہ شخص گھر میں آیا اور کھانا کھا کر مر گیا - اس کی ماں نے پولیس میں نالش کی - پولیس نے ضارب پر خون کا مقدمه کر کے چالان کیا - وہ مقدمه میرے سپرد ہوا - اس مقدمه میں سول سرجن صاحب نے گواهی دی که مہلوک کھانے کے سبب سے

مر گیا یعنی اس کے گلے میں خشکہ اٹک کے دم بند ہو کے مر گیا۔ اس لئے جلد کھانا اور بڑا لقمہ لینا شرعاً منع ہے۔

ڈاکٹر موصوف نئے آئے ہوئے تھے۔ میں جو ان سے ملا تو معلوم ہوا کہ نہایت عمدہ شخص تھے اور بڑے مہذب۔ میری طبیعت کچھ سست تھی انہوں نے کہا کہ تپ ہے۔ بعد ازاں مجھ سے کہا کہ آپ نے کبھی وہ چیز (شراب) جو صاحب لوگ استعمال کرتے ہیں استعمال کی ہے میں نے کہا کہ نہیں۔ اس پر انہوں نے کہا کہ انہوں نے بہت سے اہل فارس (مغل) کو استعمال کرتے دیکھا ہے اس پر میں نے کہا کہ آپ نے دیکھا ہوگا لیکن ہماری شرع میں حرام ہے اور بہت سی باتیں منع ہیں لیکن لوگ کرتے ہیں اور گنہگار ہوتے ہیں۔ اس پر انہوں نے
[۱۴۶] کہا میں خوب جانتا ہوں کہ دنیا میں جتنے ادیان ہیں سب اپنے کام کے واسطے ہیں۔ خدا کے کام کے واسطے کوئی دین نہیں ہے مگر مسلمانوں کا دین۔ یہ کہکے انہوں نے مجھ سے کہا کہ انہوں نے جو مجھ سے یہ بات کہی، اگر کوئی سنے تو ان کو کچھ پرواہ نہیں۔ اس سے انکی غرض یہ تھی کہ مجھ سے ان سے آگے کبھی ملاقات نہ تھی۔ وہ مجھکو اچھی طرح سے جانتے نہ تھے کہ میں کس قسم کا آدمی ہوں۔ اس لئے ایسی بات کہی یعنی اگر میں ان کی اس بات کو حکام بالا دست سے ذکر کروں تو ان کو اس کی پرواہ نہیں۔ میں نے ان سے پوچھا کہ آپ کو کیوں کر معلوم ہوا۔ اس پر انہوں نے کہا کہ ایک بار سخت گرمیوں میں ان کی بدلی ضلع رانچی میں ہوئی تھی اور وہ پالکی میں سوار تھے۔ ان کے ساتھ گرمی کی شدت رفع کرنے کی چیزیں بھی نہیں اور ان کے خانساماں خدمت گار کہ وہ مسلمان تھے پالکی کے ساتھ دوڑے ہوئے جاتے تھے اور ایسی گرمی پڑتی تھی کہ کہتے تھے کہ وہ

نہایت مضطر و پریشان تھے اور کمہار لوگ جا بجا پالکی اتارتے تھے - اس میں آفتاب ڈھل گیا تو مسلمان نوکروں نے نماز ظہر پڑھی - ڈاکٹر صاحب کہتے ھیں کہ میں پالکی میں بد حواس ہوگیا تھا - وہ لوگ دوڑے جاتے تھے - ایسے وقت میں کبھی کوئی آدمی خدا کی عبادت کر نہیں سکتا ھے بلکہ وہ اپنی بد حواسی اور اضطرار و اضطراب کو دفع کرنے کی تدبیر کریگا -

مونگیر میں ریلوے کے متعلق مسٹر روساک صاحب [١٤٧] نامی ایک صاحب رہتے تھے ان کا نام میں نے کلکتہ میں بھی سنا تھا اور ان کو دیکھا بھی تھا - وہ بھی مجھکو آگے سے جانتے تھے لیکن ان سے ملاقات نہ تھی اور کلکتہ میں ایسا سنا تھا کہ وہ حقیقت میں مسلمان ھیں - غرض مونگیر میں ان سے ملاقات ہوئی - اور رفتہ رفتہ معلوم ہوا کہ وہ اپنے میم کو ایک طور سے پردہ میں رکھتے ھیں اور صاحبان انگریز میں وہ کسی کے یہاں کھاتے نہیں اور کسی کو کھلاتے نہیں، مگر کبھی چائے پانی کی دعوت کرتے ھیں - اس میں بھی ان کی میم تعارض کرتی تھیں اور حقیقت میں دونوں مسلمان ھیں - بظاھر نصرانی ھیں لیکن مسائل دینیہ سے واقف نہیں - مسٹر روساک نے مجھ سے وضو کی ترکیب پوچھی - میں نے بتا دی - ان کو کشتی سے بہت شوق تھا اور قوی جوان تھے - ایک دن انکے مکان میں افریقہ کے گریلا کا ذکر ہوا - میں نے کہا کہ میں نے دیکھا نہیں اس پر وہ ایک چھوٹی سی کتاب نکال لائے اس میں گریلا کی تصویر تھی - مجھکو دکھلائے اور مجھ سے کہا کہ تصویر کا بنانا کیوں ناجائز ہوا حالانکہ اس میں ھزار طرح کے فوائد ھیں اور بہت سی باتیں معلوم ہو جاتی ھیں - اس کی عقلی دلیل ہو تو بتلائیے - اسی وقت میرے ذھن میں ایک بات آئی اور میں نے ان سے یہ کہا کہ بت پرستی

میں جو ضرر ہے وہ ضرر تصویر میں جو نفع ہے اس سے زاید ہے یا کم - انہوں نے پندرہ منٹ سوچ کے کہا کہ بت پرستی کا ضرر تصویر کے نفع سے [۱۴۸] ہزارہا درجہ زائد ہے - تب میں نے کہا کہ اگر تصویر بنانا کوئی نہیں جانتا تو ہرگز بت پرستی نہ ہوتی - اس بات کو وہ سن کے بہت خوش ہوئے اور کہا کہ بے شک یہ عقلی دلیل عمدہ ہے مجھ سے اور ایک صاحب یورپین نے یہی سوال کیا تھا - ان کو بھی میں نے یہی جواب دیا -

مونگیر میں ایک فرنگی سے مذہبی بحث

مونگیر میں ریلوے کے اور ایک یورپین صاحب سے ملاقات ہوئی تھی ان کا نام یاد نہیں - انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ قرآن شریف جو آسمانی کتاب ہے اس کی عقلی دلیل کیا ہے - میں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں اس آیت اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ میں وعدہ فرماتا ہے کہ وہ ہمیشہ قرآن شریف کی حفاظت کریگا - اس لئے قرآن شریف میں کبھی تحریف ہو نہیں سکتی ہے اور دیکھے کہ اہل یورپ نے جو لوگ قرآن شریف کے مخالف یعنی نصرانی و نیچریہ وغیرہ ہیں قرآن شریف کو چھاپا ہے سب ایک ہے - ایک لفظ کا بھی فرق نہیں ہوتا - اس لئے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت کرتا ہے بر خلاف توریت و زبور و انجیل کے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کتابوں کی حفاظت کرنے کا وعدہ کیا نہیں ہے اس لئے ان کتابوں میں تحریف ہوئی ہے اس پر صاحب موصوف نے کہا کہ نہیں اس پر دوسرے دن میں نے ان کو کتاب استفسار نکال کے توریت و انجیل میں جہاں جہاں برابر بدلا گیا ہے، سب [۱۴۹] دکھلایا - وہ چپ ہوگئے -

اور میں نے ان سے یہ بھی کہا کہ ہم مسلمان لوگ جو کہتے ہیں کہ قرآن میں تحریف و کمی بیشی ہو نہیں سکتی اس کو رد کرنے کے لئے آپ ایسا تو کر سکتے ہیں کہ آپ خود قرآن شریف چھپوائیے مگر الٹ پھیر کر کے، لیکن مجھکو یقین ہے کہ آپ ایسا بھی کر نہ سکیں گے - اس پر وہ صاحب ھنسے اور کہا کہ اگر میں ایسا کرونگا تو ساری دنیا کے لوگ مجھکو برا کہیں گے - میں نے کہا دیکھئے یہ ایک ذرا سی بات ہے کہ لوگ آپ کو برا کہیں گے - اسی خیال سے آپ ایسا کرنا نہیں چاھتے حالانکہ اگر آپ ایسا کیجئے تو مسلمانوں کے اعتقاد کو باطل کر سکتے ہیں لیکن آپ کیا کیجئے گا اللہ تعالیٰ اس طرح پر آپ کو روکتا ہے اور اپنی کتاب کو تحریف سے بچاتا ہے - یہ بات سن کے انہوں نے کچھ جواب دیا نہیں -

مونگیر میں میرے رہتے ایکبار لفٹننٹ گورنر بہادر گئے اور دربار ہوا، میں شریک تھا - [۱۵۰] مونگیر میں گرمیوں کے دنوں میں صبح کو کچہری ہوتی تھی - میرے ھاتھ میں خزانہ کا کام بھی تھا - ایک دن میں خزانہ خانہ میں بارہ ہزار روپیہ کا اسٹامپ نکال لینے کو گیا - اس میں میرے محرر مولوی محمد اشرف صاحب بہاری میرے پاس گئے اور کہا کہ ایک صاحب یورپین آئے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان کا مقدمہ ہے آپ کب تک اجلاس پر جایئے گا - میں نے کہا کہ بعد نکال لینے اسٹاپ کے جاؤنگا - غرض اسٹامپ کے نکال لینے میں قریب دو گھنٹہ کے عرصہ ہوا - اس کے بعد میں اپنی عدالت میں گیا اور بیٹھا - اس میں ایک مقدمہ جس میں زمین کی تکرار تھی، پیش ہوا اور اس وقت ایک صاحب عینکہ لگائے ہوئے مختاروں کے پیچھے جاکے کھڑے ہوئے - میں سمجھا کہ اس ضلع کے کوئی مستاجر ہوں گے اور شاید اسی مقدمہ سے علاقہ رکھتے

ہوں گے اور یہ کچھ نئی بات نہ تھی - اکثر ایسا ہوا ہے کہ یورپین صاحب لوگ میری اجلاس میں جایا کرتے تھے - اس کے بعد انداز دس منٹ کا عرصہ گزرا ہوگا کہ اکونٹنٹ بابو کچھ کاغذات دستخط کرنے کو لے گئے - ان کاغذوں کے اوپر ٹکرے پر انگریزی میں لکھا تھا کہ آپ کے کچہری کے اندر مسٹر لوئیس جکسن صاحب جج بہادر ہائی کورٹ موجود ہیں - یہ دیکھکر میں نے جو سر اٹھایا تو دیکھا کہ میری کچہری سے نکل گئے - اس وقت میں نے ان کے پاس ملاقات کے واسطے چٹھی لکھی اور یہ بھی لکھا کہ نہایت افسوس کی بات ہے کہ آپ میری کچہری میں بے خبر تشریف لائے اور میں نے آپ کو [۱۵۱] پہچانا نہیں - اس لئے جو تعظیم و تکریم آپ کی کرنی چاہئے تھی کر نہ سکا - اس کے جواب میں صاحب موصوف نے چٹھی لکھی اور شام کو مجھکو اپنے فرودگاہ میں بلایا - اس کے تھوڑی دیر کے بعد معلوم ہوا کہ انھوں نے میرے فیصل کئے ہوئے چھ مہینے کے مقدمے طلب کئے ہیں - بعد برخاست ہونے کچہری کے معلوم ہوا کہ وحید الدین خان بہادر جج عدالت خورد اور نواب علی قلی خان صاحب رجسٹرار و مولوی عبداللہ صاحب لکھنوی مدرس اسکول مونگیر کو اور مجھکو ایک ہی وقت میں بلایا ہے - اس لئے ہم چاروں آدمی ایک ہی ساتھ چلے اور آپس میں گفتگو طے ہوگئی کہ ملاقات ہونے سے معذرت کرونگا - چنانچہ جب ان کی فرودگاہ میں پہنچا اور ان سے ملا تو انھوں نے سب سے ہاتھ ملایا - اس کے بعد ہی میں چٹھی میں معذرت کا مضمون لکھا تھا - وہی بیان کیا - اس پر صاحب موصوف نے مجھ سے کہا کہ آپ نے مجھ کو نہ پہچانا ہوگا لیکن آپ کے بڈھے پیش کار (مولوی محمد اشرف صاحب) نے ضرور پہچانا ہوگا اور اس کے کہنے کی یہ وجہ تھی کہ صاحب موصوف اپنی آغاز شباب مونگیر

میں جوائنٹ مجسٹریٹ تھے - انہوں نے قیاس کیا کہ مولوی محمد اشرف صاحب بوڑھے آدمی ہیں جوائنٹ مجسٹریٹی کے زمانے میں وہ وہاں ہونگے حالانکہ یہ ان کی غلط فہمی تھی - کیونکہ ایک بات یہ ہے کہ بعد جوائنٹ مجسٹریٹی کے وہ سب مرحلے طے کر کے ہائی کورٹ [۱۵۲] کے جج ہوئے تھے - پس جس شخص نے ان کو جوائنٹ مجسٹریٹی کے وقت میں دیکھا تھا وہ ان کو ہائی کورٹ کے ججی کے وقت میں بعد امتداد زمانہ دراز ہرگز پہچان نہ سکتا تھا اور دوسری بات یہ ہے کہ مولوی اشرف صاحب آگے برابر بھاگلپور میں پولیس میں کام کرتے تھے جب وردی پہننے کا حکم آیا تب انہوں نے پولیس کی نوکری چھوڑ دی اور مونگیر میں جاکے محرری میں مقرر ہوئے تھے - غرض صاحب موصوف کی بات سنتے ہی یہ سب امر میرے خیال میں آ گیا اور میں نے ان سے کہا کہ بوڑھے پیشکار چند روز سے مونگیر میں آئے ہیں - آگے وہ بھاگلپور میں تھے - اس کو سن کے وہ چپ ہو گئے اور اور طرح کی باتیں کرنے لگے لیکن انکو یقین ہو گیا کہ میں نے انکو پہچان کے التفات نہیں کیا بلکہ انکو خفیف اور ذلیل کیا - مجھ سے صاحب موصوف سے کبھی کی ملاقات نہ تھی - انکو چاھئے تھا کہ وہ میری کچہری میں آنے کے آگے مجھ کو اطلاع دیتے حالانکہ انہوں نے اطلاع نہ دی تھی اور فرض کیا جائے کہ میں نے انکو پہچانا اور انکی تعظیم و تکریم یہ خیال کرکے نہ کی کہ وہ جب چوری سے آئے ہیں انکو منظور نہیں ہے کہ انکو کوئی پہچانے - پس اگر میں قصداً انکو نہ پہچانا تو گویا انکی رائے کے موافق کام کیا - ایسی حالت میں اقتضای انصاف یہ نہ تھا کہ وہ مجھ سے خفا ہوتے اور مجھ پر غصہ ہوتے حالانکہ وہ مجھ سے نہایت درجہ خفا ہو گئے اور میرے چھ مہینے کے [۱۵۳]

فیصل کردہ مقدمات میں پچاس پچپن مقدموں میں غلطیاں نکالیں اور گورنمنٹ میں رپورٹ کردیئے - گورنمنٹ کو قاعدہ کے مطابق چاھئے تھا کہ مجھ سے ان مقدموں میں کیفیت طلب کرتی لیکن کیفیت طلب نہ کر کے سر جارج کمبل صاحب لفٹننٹ گورنر بہادر نے مجھ سے میرے اختیارات کامل کو لے لیا اور سلہٹ میں بدلی کر دی - مسٹر لوئس جیکسن صاحب بہادر نے جو غلطیاں نکالی تھی حقیقت میں غلطیاں نہ تھیں - چنانچہ پینلکوڈ کے ۳۵۲ دفعہ ۴۲۶ دفعہ ۴۴۷ دفعہ کے چند مقدموں میں اسامی کو سزا ھوئی تھی - ان مقدموں کی نسبت لکھا ھے کہ اسامی پر چارج کیا گیا نہیں حالانکہ آئین کے مطابق ان مقدموں میں چارج کرنے کی ضرورت نہ تھی - اس طرح کی اور بہت سی باتیں لکھی تھیں - میری بدلی کا حکم ھونے کے بعد میں نے مسٹر ڈلرمپل صاحب کمشنر بھاگلپور اور مسٹر ماڈکس صاحب سشن جج بھاگلپور سے پوچھا کہ میں خود ان مقدموں کی کیفیت بلا طلب لکھ کر بھیج سکتا ھوں یا نہیں - اس پر ان صاحبوں نے مجھ کو منع کیا اور میں نے سب حال ان مقدموں کا اور وھاں کے لوگوں کا صاحب کمشنر بہادر سے کہدیا اور میں اسباب کرنے کو کشتی کرایہ کر چکا تھا - صاحب موصوف نے سب حال سن کے معلوم کیا کہ مجھ پر ظلم ھوا ھے - اس لئے انہوں نے مجھ کو کہا کہ آپ بغیر میرے حکم کے مونگیر سے نہ جائیں - بعد ازاں صاحب موصوف مونگیر سے چلے گئے اور مجھ کو مونگیر میں
[۱۵۴] رھنے کے واسطے گورنمنٹ میں چٹھی لکھی لیکن کچھ سنا نہیں گیا - آخر وہ کلکتہ میں گئے اور خود لفٹننٹ گورنر بہادر سے کہا لیکن انہوں نے نہ مانا اور وہ رخصت ھو کے آتے وقت جناب اخو صاحب قبلہ جو لفٹننٹ گورنر سے ملنے کو گئے تھے ان سے کمشنر

صاحب سے بھی ملاقات ہوگئی - کمشنر صاحب نے جناب اخو صاحب سے سب حال کہدیا اور کمشنر صاحب نے میرے پاس چٹھی لکھی کہ میں مونگیر میں چارج دیکے چلا جاؤں - چنانچہ میں وہاں سے روانہ ہوکے کلکتہ گیا، وہاں سے ڈھاکہ میں جا کر کمشنر صاحب سے ملاقات کرکے سلہٹ کو چلا گیا -

سلہٹ میں تبادلہ اور وہاں کے لوگوں کا حال

مونگیر سے میری بدلی بستم نومبر ۱۸۷۱ء میں ہوئی - میں سلہٹ جاتے وقت کلکتہ کو گیا - وہاں جناب مولانا عبد الحق خیر آبادی مدرسہ عالیہ کے مدرس اول ہوکے آئے تھے اور جناب اخو صاحب کے دولت کدہ میں ٹھہرے تھے ان سے ملنے کا اشتیاق تھا - ان سے چند روز تک خوب ملاقات رہی، بہت بڑے عالم ہیں اور سارے ہندوستان میں مشہور ہیں - میں کلکتہ سے ڈھاکہ کو گیا ، وہاں کمشنر صاحب سے ملا اور جہاز پر روانہ ہو کے جہاں تک گیا وہاں سے کشتی پر سوار ہوکے سلہٹ میں قاضی بازار کے گھاٹ پر پہونچا اور وہاں کے زمیندار مولوی عبدالقادر صاحب کو خبر دی - بعد ازاں ان کے ذریعہ سے ایک مکان ٹھرایا اور اس مکان میں جا کر اترا - وہ مکان ایک ٹیلے پر تھا
[۱۵۵] اس کو میں نے ڈیڑھ سو روپیہ صرف کرکے درست کیا اور مبلغ مذکور کرایہ میں وضع کیا - وہاں میرے دوستوں میں حکیم اشرف علی صاحب متخلص بہ مست اور مولوی محمد محسن صاحب تھے، اور حاجی ناظر محمد عبد اللہ صاحب متخلص بہ آشفتہ، حاجی سعید بخت صاحب اور ان کے بیٹے حاجی حمید بخت صاحب ڈیپوٹی مجسٹریٹ اور حاجی مجید بخت اور مولوی عبد الستار متخلص بہ یٰسین سے آگے سے ملاقات تھی - غرض وہاں

مولوی عبد القادر صاحب ناظر حسن نواز صاحب، محمد ہادی مجموعہ دار صاحب، حیدر خاں دہلوی، شیخ عبد الوہاب ولایتی تاجر و صوفی محمد انصر صاحب و قاری محمد جاوید صاحب وغیرہ لوگوں سے ملاقات ہوئی - وہاں کے کام سے معلوم ہوا کہ صوبۂ بہار کے بہ نسبت اس طرف جھوٹ کا رواج بہت زائد ہے - میں وہاں جانے کے چند روز بعد کلکٹری کے متعلق ایک مقدمہ کی تحقیقات کو مفصل میں گیا اور بعد ظہر وہاں پہنچا - اور فریقین کو بلا کے دونوں طرف کا ثبوت لیا، اس میں نماز عصر کا وقت آ گیا - فریقین نے ایک ساتھ نماز پڑھی، بعد ازاں تحقیقات تمام ہوگئی اور مجھ کو ارادہ تھا کہ میں وہاں سے شب کا کھانا کھا کر روانہ ہوجاؤنگا اور کھانا پک رہا تھا، اس لئے ان لوگوں نے آدمیت کی کہ میرے پاس بیٹھے رہے اور باتیں کرتے رہے - میں نے دیکھا کہ یہ لوگ بھلے آدمی ہیں اور نماز پڑھتے ہیں، متقی اور پرہیز گار ہیں - ساتھ اس کے ان لوگوں نے جھوٹ گواہی دی تھی -
[۱۵۶] اس لئے میں نے ان لوگوں سے کہا کہ ادھر کے شریف لوگ جھوٹ کیوں گواہی دیتے ہیں - اس پر دونوں فریقوں کے دو ممتاز شخص تھے ایک ساتھ بول اٹھے کہ اس ضلع میں جھوٹ گواہی کا دینا معیوب نہیں ہے سب جھوٹ گواہی دیتے ہیں - یہ بات سن کے میں چپ ہو رہا - شام کے بعد کھانا کھا کے روانہ ہوا - راہ میں ایک مقام میں کہ نام وہاں کا بھول گیا ہوں مولوی نصیر الدین صاحب منصف تھے، مولوی نجم الدین صاحب متخلص بہ نادر کے چھوٹے بھائی تھے اور میرے بھانجے عضدالدین کے رشتہ کے بھائی تھے - میں ان سے مل کے سلہٹ کو آیا - یہاں حاجی حمید بخت صاحب سے میں نے جھوٹ گواہی دینے کا قصہ کہا - انہوں نے مجھ سے کہا کہ آپ ہی انصاف کیجئے کہ

ایک زمین حقیقت میں ایک شخص کی ہے لیکن اس کی دلیل اور گواہ صادق موجود نہیں ہیں اور دوسرے شخص نے اسکو زبردستی دخل کر لیا ہے۔ ایسے حال میں وہ زمین جس کی ہے وہ مقدمہ کر کے وہ جھوٹ گواہی دے لیگا یا یوں ہی اپنا حق چھوڑ دے گا۔ یہ سن کر میں چپ ہو گیا اور سمجھا کہ مفصل میں جھوٹی گواہی کی نسبت جو کچھ لوگوں نے کہا ہے سب بجا ہے۔ میرے آنے کی خبر پا کے حکیم اشرف علی صاحب متخلص بہ مست جو گیلا چھڑا میں دو تین پہر کے فاصلہ پر رہتے تھے آئے اور میرے مکان میں فروکش ہوے اور مہینوں رہ کے چلے گئے۔ انکو علم کشتی میں بھی ایسا دخل تھا کہ سارے ہندوستان میں کسی کو نہ تھا۔ [۱۵۷] یہ عبدو خلیفہ اور گھاسی پہلوان کے شاگرد تھے۔ عبدو خلیفہ بھی گھاسی پہلوان کے شاگرد تھے اور وہ خوججی صاحب دہلوی کے شاگرد تھے۔ یہ میرے استاد حافظ اکرام احمد صاحب ضیغم کے شاگرد تھے اور شعر عمدہ کہتے تھے اور بندوق و تلوار خوب لگاتے تھے اور بانک میں اچھا دخل رکھتے تھے اور بڑے باوفا و دین دار تھے۔ روزانہ پنجوقتہ نماز میں اپنے مردہ اور زندہ احباب کے لئے نام لیکے دعا مانگتے تھے۔ جب تک میں سلہٹ میں رہا یہ برابر آتے جاتے رہے، ایک بار میں بھی گیلا چھڑا میں ان سے ملنے کو گیا تھا، ان سے مجھ کو بہت سے عمدہ عمدہ نسخے ملے اور بہت سے فائدے پہنچے۔ بات یہ مشہور تھی کہ کمیا گر ہیں کیونکہ ان کا خرچ ماہانہ سو روپیہ سے کم نہ تھا اور آمد کچھ نہ تھی۔ انہوں نے اپنی زمینداری کو بیچ ڈالا تھا کہ زمینداری رکھنے سے جھوٹ بولنا اور جھوٹ گواہی دلوانا ہوگا اور بچپن سے انکو مچھلی اور تیل سے نفرت تھی، کبھی کھایا نہیں۔ دس بارہ پشت آگے

ان کے بزرگوں میں ایک بزرگ مسلمان، ہو گئے قبل ازیں یہ لوگ ہندو تھے اور حاجی سعید بخت زمیندار سلہٹ ان کے برادر عم زاد ہیں -

سلہٹ میں رہنے کے ہنگام میں مسٹر سریندر ناتھ بنرجی اسسٹنٹ مجسٹریٹ پر لفٹنٹ گورنر صاحب بہادر کے حکم سے مقدمہ قائم ہوا اور مسٹر سریندر ناتھ بنرجی معزول ہو گئے -

وہیں رہنے کے حال میں جناب اخوی صاحب قبلہ کی منجھلی صاحب زادی کی شادی کلکتہ میں شاہ سید عضد الدین حسن بن شاہ سید محیی الدین حسن [۱۵۸] صاحب باشندہ طرف ضلع سلہٹ زمیندار ہیبت نگر سے ہوئی - میں اس شادی میں شریک ہو نہ سکا - بعد ازاں جناب اخو صاحب کی بڑی صاحبزادی زوجۂ سید محمد خان بہادر کا انتقال کلکتہ میں ہو گیا -

طرف کے ایک شخص نے ایک مقدمہ کیا کہ اس کی زوجہ نے دوسرے شخص سے نکاح کر لیا ہے - اس کا یہ دعویٰ تھا کہ اس کی زوجہ دو برس ہوئے تیرہ برس کی تھی اور بالغہ تھی - اس نے خود اس سے نکاح کیا ہے اور اس عورت کا والد نہ تھا - اس کی ماں اس کو لیکے مدعی کے مکان میں گئی تھی - وہیں شادی ہوئی - میں نے اس عورت کو طلب کر کے دیکھا تو معلوم ہوا کہ اس کی عمر تیرہ برس سے زائد نہ ہوگی اور اس نے کہا کہ اب وہ بالغہ ہوگئی ہے اور دوسرے ایک شخص سے شادی کر لی ہے - مدعی اس کا شوہر نہیں ہے - لیکن گواہوں کی زبان بندی سے صاف معلوم ہوتا تھا کہ عورت اپنی ماں کیساتھ مدعی کے مکان میں دو برس تک تھی اور دو برس ہوئے شادی ہوئی تھی - میں نے سوچا کہ دو برس آگے شادی ہوئی تھی تو اس وقت

بے شک اس عورت کی عمر گیاہ برس کی ہوگی اور وہ اس وقت نا بالغہ تھی اور ماں نے اس کی شادی کی ہوگی۔ اور وہ عورت دو برس کے بعد اب بالغہ ہوئی ہے۔ اور اس نکاح کو جو اس کی ماں نے کر دیا تھا حسب حکم شرع خود فسخ کر کے دوسرے شخص سے نکاح کر لیا ہے لیکن مدعی سے جو نکاح [۱۵۹] ہوا تھا اس سے یکبارگی انکار اس لئے کرتی ہے کہ خدا جانے قانون کے مطابق اگر اس نکاح کا اقرار کرے تو شاید مجرم ہو جائے اور مدعی اس کی عمر اس وقت اس لئے پندرہ برس کے کہتا ہے کہ اگر کہے کہ شادی کے وقت کی عمر گیارہ برس کی تھی تو وہ نا بالغہ تھی اور اسکو بعد بلوغ نکاح کے فسخ کرنے کا اختیار ہے اور جب وہ عورت کچہری میں آئی اس وقت جو اس کی عمر تیرہ برس کی تھی اس میں مطلقاً کسی کو شک ہوا نہیں۔ یہ سب خیال کر کے میں نے انہیں باتوں کو اپنی رائے میں لکھدیا گو کہ کاغذات مقدمہ سے یہ بات نکلتی نہ تھی اور مدعی کے دعویٰ کو ڈسمس کر دیا۔ بعد ازاں معلوم ہوا کہ عورت مذکورہ کا والد مر جانے کے بعد اس کی ماں اور چچا سے عداوت ہوئی اور اس کی ماں اسکو ساتھ لیکے مدعی کے مکان میں گئی اور نا بالغی کے وقت میں اس کی شادی مدعی سے کر دی اور عورت مذکور چونکہ شریف زادی تھی اور مدعی شریف نہ تھا اس لئے عورت کے چچا کو یہ بات ناگوار ہوئی اور وہ اس عورت کو اور اس کی ماں کو اپنے مکان میں یعنی نیر میں لے آیا اور اس کی ماں سے کہا کہ اس نے لڑکی کی شادی غیر کفو میں کر کے ذات ماری اور خاندان کو ڈبو دیا۔ اس وقت اس عورت کو بھی خیال آیا کہ شادی مناسب ہوئی نہیں۔ اس پر ان لوگوں کے طرف کے مولوی اولاد علی صاحب سے فتویٰ پوچھا۔ انہوں نے بتلایا کہ جس وقت [۱۶۰]

وہ عورت بالغہ ہو اس وقت نکاح کو فسخ کرے، چنانچہ اس نے ویسا ہی کیا، اس پر مدعی نے نالش کی تھی - مدعی نے میرے حکم پر اپیل کی - اپیل میں بھی میرا حکم بحال ہوگیا - دیوانی عدالت میں نالش کی، وہاں بھی اس کا دعوی ڈسمس ہوگیا -

سلہٹ میں ایک دن شب کو میں پائخانہ کو جاتا تھا - آدمی لال‌ٹین لئے ہمراہ تھا - اس میں میرے سر پر چھت سے کوئی چیز سرد گری، میں یہ سمجھا کہ کسی جانور نے ہگ دیا - اس لئے ہاتھ نہیں لگایا کہ ہاتھ بھر جائے گا اور ارادہ ہوا کہ زمین سے اتر کے سر کو دھو ڈالوں گا اور میں نے دوسرے زمین پر پاؤں رکھا اس پر میرے سر پر سے ایک سانپ تڑپ کے زمین پر گرا میں نے دوسرے نوکر کو بلایا اس نے آ کر سانپ کو مارا، وہ سانپ زہر دار تھا اور ڈیڑھ ہاتھ لمبا تھا -

سلہٹ کے میوے اور چای

سلہٹ میں ایک جگہ ہے نام اس کا پنڑوہ ہے - وہاں کنولہ نہایت عمدہ ہوتا ہے اور جل ڈوب اور ایک جگہ ہے وہاں کا اننناس بغیر چینی کے کھایا جاتا ہے - خوب شیریں ہوتا ہے ایسا کنولہ اور اننناس کہیں کھانے کا اتفاق ہوا نہیں اور بنگلہ موضع میں ایک قسم کا کیلہ ہوتا ہے بہت بڑا، اس کا نام امرت ساگر ہے - اس میں یہ تکلف ہے کہ مفتح ہے حالانکہ سب کیلے قابض ہوتے ہیں - سلہٹ میں اقسام طرح کے لیمو اور اقسام طرح کے [۱٦۱] پرند جانور نظر آئے جو اور کہیں دیکھا نہیں وہاں عشبہ اور چوب چینی بھی پیدا ہوتی ہے مگر اس قدر قوی نہیں - اورنج اور چائے وغیرہ بھی بہت عمدہ ہوتی ہے - سلہٹ کی چائے کی تعریف میں ناظر محمد عبد اللہ مرحوم آشفتہ نے یہ مثنوی کہی ہے -

مثنوی در صفت چای

طرفهٔ برگی ست نور چشم بهار سایهٔ پروردهٔ ریاحین زار
تازه تر از نبات نورسته روی از چشمهٔ خضر شسته
چون بت هند سبز و خندان رو برگ پان بر نخورده لیک ازو
دارد این سبز پوش خضر سرشت سرو برگی ز لعبتان بهشت
حسن سبزش بخندهٔ نمکین جان به بیعانه گیرد از بت چین
در تماشای حسن او گل برگ محوتر خند های شادی مرگ
آهوی چین ز شکل رعنایش سر به صحرا به جوش سودایش
سوخت چون سبزهٔ گلستانش رنگ و بویش شد آفت جانش
جسم زارش فسرد تا همه تن رنگ دیگر گرفت چون سوسن
این بت چین به آب و تاب تمام جائی دارد که چای دارد نام
دلربا لیلی است و فاخته گون در غمش سرو قامتان مجنون
طوطی خامه زان بنفشه زار پر بلبل گرفته در منقار

[۱۶۲]

خط و خانش ز چرخ نیلی فام شعبه شعبه چو حرف چاپ تمام
چین پیشانیش بحسن کمال مد بسم الله کتاب جمال
زلف سنبل اسیر پیچ و خمش ورق گل نثار بر قدمش
وسمه‌اش نیل روی رنگیں را ابرویش میل چشم بدبین را
جسم مستش کبود رنگ بود نور چشم بت فرنگ بود
چشم نرگس بدیدنش شد مست سرمه دان خودش فتاد از دست
صف مژگان او به ناز و ادا همه برگشته خط ترسا
ز صفایش به حسن عالم گیر کشتهٔ ناز جوهر شمشیر
هر که را گشت سرمهٔ نازش بر نیامد ز ناله آوازش
جلوه اش چون لب مسی آلود از دل سوخته بر آرد دود

ز سیه مستیش به عشوه گری — می کنندش به شیشه همچو پری
مگر این برگ سرمه گون به چمن — آمد از نخل وادی ایمن
وه چه کاهی بقوت کوهی — دافع کلفت و هر اندوهی
برگ عیش و نشاط بزم وفاق — چاشنی بخش طبع اهل مذاق
دل افسرده‌اش به آتش و آب — گرم جوش محبت تب و تاب

[۱۶۳]

ز آفتابش چون سوخت داغ جگر — غوطه در آب زد چو نیلوفر
تا دماغش رسید از سودا — گرم بازار عشق شد هرجا
اب نوشن او چو شیرهٔ جان — چاره ساز مزاج پیر و جوان
به لطافت چکیدهٔ گل تر — درو اوصاف بادهٔ احمر
همچو آب دهان تشنه لبان — قوت روح است و قوت دل جان
آب و تابش برنگ شعر لطیف — موج خیز صفای بحر خفیف
عرق روی شاهد مضمون — جان فزای طبیعت موزون
نسخه اعتدال فکر سلیم — راحت جان هر صحیح و سقیم
گاه در شیر صبح شکر ریز — گه بآب عتیق رنگ آمیز
بمزه باده و شکر در کام — تلخ و شیرین چو بوسه با دشنام (۱)

سلہٹ میں رہنے کے ہنگام جناب گورنر جنرل بہادر اور جناب لفٹننٹ گورنر بہادر وہاں تشریف لے گئے اور شام کے بعد جلسہ ہوا - ہم لوگ بھی مدعو تھے - ان کے لئے دریا کنارے جو روشنی ہوئی تھی بہت خوبصورت تھی اور جہاز پر کی روشنی بھی بہت خوب معلوم ہوتی ہے -

---

(۱) اس شعر کے بعد مثنوی کے مزید ۲۶ اشعار ہیں - نساخ نے اپنی کتاب 'تذکرۃالمعاصرین' میں پوری مثنوی 'آشفتہ' کے تذکرے میں شامل کی ہے - 'تذکرۃالمعاصرین' کا ایک نسخہ ڈھاکہ یونیورسیٹی لائبریری (بنگلہ دیش) میں موجود ہے -

جب جہاز پر گیا تو دیکھا کہ جناب لفٹننٹ گورنر بہادر ایک کوچ پر بیٹھے ہوئے ہیں - ان کے داہنے طرف کوچ سے دو تین ہاتھ فاصلہ پر گورنر جزل بہادر کھڑے ہیں [۱۶۴] اور کمشنر صاحب بہادر بھی کھڑے ہیں اور سلہٹ کے اعلیٰ صدر امین سے گورنر بہادر بات کر رہے ہیں - مجھ کو کلکٹر صاحب بہادر نے لیکے لفٹننٹ گورنر بہادر سے میرا نام لیکے کہا کہ یہ مولوی عبداللطیف خاں بہادر کے بھائی ہیں اور بڑے شاعر ہیں - انہوں نے تعظیم دی اور ہاتھ ملایا اور مجھ کو اسی کوچ پر جس پر وہ بیٹھے ہوئے تھے بیٹھنے کو کہا - میں متامل ہوا پھر انہوں نے بیٹھنے کو کہا - میں اس کوچ پر ان کے بائیں طرف بیٹھ گیا اور ان سے باتیں کرتا رہا - جب گورنر جنرل بہادر اعلیٰ صدر امین سے باتیں کر چکے تو میں پیش کیا گیا - مجھ سے انہوں نے باتیں کیں اور پوچھا کہ آپ اس ملک کو پسند کرتے ہیں - میں نے کہا مجھ کو سلہٹ پسند نہیں ہے - اس پر گورنر جنرل بہادر نے مسکرا کر کہا کہ آپ کلکتہ کے رہنے والے ہیں آپ کو سلہٹ کیوں پسند آئے گا - بعد ازاں اور اور لوگ پیش کئے گئے - سلہٹ میں نماز روزے کا ایسا چرچا ہے کہ میں نے کہیں دیکھا نہیں - کسبیاں تک نماز پڑھتی ہیں لیکن عوام الناس اس طرح پر نماز پڑھتے ہیں کہ گویا حوائج ضروری سے فراغت کرتے ہیں - مثل اس کی یہ ہے کہ میں کشتی پر دورے میں نکلا تھا - میرا بیٹا محمد سلمہ بھی ساتھ تھا اور بہت چھوٹا تھا - اس کو رات کو اٹھا کے پیشاب کرانا ہوتا تھا - چنانچہ کشتی کے سامنے طرف تختے پر وہ روزانہ [۱۶۵] پیشاب کرتا تھا - ایک دن دیکھا کہ اسی تختے پر میرا چپراسی نماز پڑھتا ہے - مجھ کو نہایت ناگوار معلوم ہوا - میں نے اس کو ڈانٹا کیوں کہ وہ خود محمد سلمہ کو اسی جگہ بٹھلا کر پیشاب کراتا تھا -

اسی سفر میں سلہٹ کا رہنے والا ایک باورچی میرے ساتھ تھا - وہ نماز پڑھتا نہ تھا - میں نے اس سے پوچھا کہ تم نماز کیوں نہیں پڑھتے - اس نے کہا کہ وہ آگے برابر نماز پڑھتا تھا انیس بیس برس کی عمر میں وہ تاجران فیل کے ساتھ ہندوستان، رنگون و برما وغیرہ ملکوں میں گیا اور بارہ تیرہ برس کے بعد سلہٹ میں پھر کے آیا اور اپنے محلے کے لوگوں کو دیکھا کہ بڑے حرام زادے، مفسد، جھوٹے، مکار، فریبی، جعلیہ، دغا باز ہیں اور سب نماز پڑھتے ہیں - وہ سمجھا کہ نعوذ باللہ شاید نماز کے سبب سے وہ لوگ ایسے ہو گئے ہیں اس لئے اسی تاریخ سے اس نے نماز پڑھنی چھوڑ دی - یہ سن کے مجھ کو بڑا غصہ آیا - میں نے اس کو گالیاں دیں - وہ بھاگ گیا -

سلہٹ کے مچھروں کا ذکر

اسی سفر میں ایک مقام میں جہاں کا نام بھول گیا ہوں پہنچا وہاں مچھروں کی ایسی کثرت دیکھی کہ کہیں دیکھی نہیں، حالانکہ سلہٹ کے ضلع میں میں نے جتنے ملک دیکھے ہیں سب جگہ مچھر زاید ہے - وہاں کے مچھروں کے حال میں میرے دوست جناب مولوی نصیرالدین حیدر مرحوم سامی منصف سلہٹ نے یہ 'پشہ نامہ' لکھا ہے -

[۱۶۶]

پشہ نامہ

چادری از سوزن و فرشی ز خارم دادہ اند
خوابگہ امشب میان پشہ زارم دادہ اند

سرّ آن یک پشہ با نمرود معلومم نہ شد
آہ با ایمان اگر چندین ہزارم دادہ اند

از چنین بیطاقتی گر طاقت از من طاق شد
این ہمہ طاقت بگو بہرچہ کارم دادہ اند

آن همه سامان بیخوابی امشب فراهم نیاورده‌ام که اگر پارهٔ ازان باموات دم دهند سحر نادمیدهٔ صبح محشر ندمد و آن مایهٔ اسباب بیتابی بر یکدیگر نچیده‌ام که شقه ازان پیش کش سیماب کنم از معدن بیرون نیامده از خویشتن نرمد:

شب ز جوش پشه هر سو های های بود و بس
گر بفریادم رسیدی دست و پای بود و بس
بسکه میزد هر کسی بر سینه و سر دست خود
تا سحرگه خانه‌ام ماتم سرای بود و بس

مجرب است که پشه از دود میگریزد، اما دود آه ما جگر سوختگان که سرمایهٔ بنای چرخی میتوانست شد نتوانست این گره کشود و محقق است که پشه را هوای تند از جای میرود لیکن طوفان نالهٔ ما دل شکستگان که می شاید کوهی را از پا در آرد نتوانست این بلا از سر ربود -

نیم از اصحاب فیل اما بگرد من ز هر سوی
هجوم پشه چون طیراً ابابیل است پنداری
ز صوت جانگزای پشه حشری شد بپا امشب
سر خرطوم او صور سرافیل است پنداری

[۱۶۷] پشه را امشب زور بازار است و بلاهای سیاه از شش جهت سوی ماطیار است - این گردن زدنی هر چند گردنی ندارد اما هر شب خون خلقی بر گردن خود می‌گزارد و این خون گرفته را اگرچه خونی نه باشد لیکن بیخون بیگناهان صبری ندارد -

ای چرخ ز پشه در فغانم ز انصاف بر آن تو حکم بر ما
یا خون مرا بکن حرامش یا بهر منش حلال فرما

قطعه

پشه‌ها نبود که از هر سو هجوم آوردست
از کمان چرخ بر ما تیر باران کرده است
راست گر پرسی که یتمنیتش میکند است بما
آنچه از مژگان کج این دل شکاران کرده ست

سیه‌روئی، دیوانه‌خوئی، بد آوازی، حیله سازی، تیره درونی، تشنه خونی، سبک سری، تیز پری، بیحیائی، ولد الزنائی، سفاکی، بیباکی، با همه زیر چاقی بالا چاقی، زن قحبگی، قرم‌ساقی، لسبار خواری، سراپاشکمی، رنج مصوری، درد مجسمی، همخانه بودن و صاحب خانه را زدن کار اوست و بسان دشمنان خون خوردن و چون دوستان سرگوشی کردن شعار او، تا آواز او بگوش رسیده است هوش از سر پریده است - تا نیش در بن مو فرو برده است دود از دل و خون از جگر بر آورده است و نشتر فصاد اگر باین پایه جگر کاوی بودی رسم رگ کشودن از جهان برخاستی و نیش مگس شهد اگر باین پایه جانگزائی داشتی شان عسل [۱۶۸] آن چنان کاستی که کس آن را نخواستی -

مثنوی

چو حرف پشه آمد بر زبانم
زبان شد نوک خار در دهانم
چه پشه صورت قهر الهی
ازو در لرزه از مه تا بماهی
نگویم پشه تیر بیکمانی
خدنگی، ناچخی، نوک سنانی
تصور گر کنی آنرا تو هر دم
بود بیم آنکه روی قی کنی دم
سیه باطن، ز نور خود نفوری
بسان شپرها روز کوری
بروز از مردم در کناری
چو زهاد ربائی روزه داری
چون قرص مهر بر گردون شود گم
بود افطار او از خون مردم

ز بس زهریکه دارد آن ستم کیش
زبان مار باشد بی کم و بیش

نشیند بهر خون خوردن چو یرتن
نـه رویین‌تن شنـاسد، نی تهمتن

دمی کاندر هوای خون زند پر
نه جوشن کارگـر باشد نه مغفر

ز خارش چاک ها در دامن صبر
ز زهرش برقها در خرمن صبر (۱)

رگ جانهاز نیش او کشاده
چه نیشی نشتری زهر آب داده

ز بس زودیش نتوان فرق دیدن
نشستن تـا گزیدن تـا پریدن

سر نیششں بـآئینی که داند
ز خـار میتواند خون چـکاند

فلک پیوسته زین غم سر نگونست
شفق را تا نگوید پشه خونست

ز بیم آنکه روز سازدش قوت
سراپا خشک گشته خون یاقوت

مگر از نیش پشه پاشدش پاس
که بی خون او فتاده جرم الماس

اسیرش را پنـاهی نیست جای
قتیلش را نبـاشد خون بهای

طریق احتـیاطش گر ببینی
شود موی دمـاغ از راه بینی

هجوش عذر تقصیر بیـانست
سخن تـا میکنم اندر دهانست

[۱۶۹] حاجی سعید بخت صاحب عید الـفطر و عیدالاضحیٰ میں لوگوں کو کھانے کی اور ان کی مسجد مین نماز پڑھنے کی دعوت کرتے تھے لیکن حکیم اشرف علی صاحب کو اور مجھکو کبھی دعوت کی نہیں که وہ جانتے تھے کہ ہم لوگ ان کی مسجد میں نماز نہیں پڑھیں گے که عیدگاہ میں نماز پڑھنا مسنون ہے -

وہاں رہنے کے وقت معلوم ہوا کہ گریش بابو زمیندار نے اپنے مکان میں بھگ پوجا یعنی عورت کی انـدام نہانی کا پوجا بہت دھوم دھام سے کیا -

(۱) قلمي نسخه میں اس شعر کے بعد پورا ایک صفحه خالي رهگیا هے - اس سے ظاهر هے که نساخ 'پشه نامه' پورا لکھنا چاهتے تھے لیکن کسي وجه سے لکھ نه پائے - بهرحال آخری نو شعر مصنف کي کتاب 'تذکرة المعاصرین' سے ماخوذ هیں -

وہاں حضرت جلال مجرد یمنی قدس سرہ کا مزار ہے، میں نے بھی زیارت کی - اس مزار پر عورت کا جانا منع ہے اور اگر کوئی شخص کسی عورت کو بہ تغییر لباس وہاں لے جائے تو اس عورت پر ایک واقعہ سخت وہیں ہوگا - وہ اور ان کے ہمراہوں نے سن آٹھ سو ساٹھ ۸۶۰ھ میں سلہٹ کو فتح کیا تھا اور ان کا انتقال ۸۹۰ھ آٹھ سو نوے ہجری میں ہوا ہے - میں نے ان کے انتقال کی یہ تاریخ کہی (۱) -

عارف حق حضرت شاہ جلال   نیر روشن دل انوار حق
غازی دین، والی ملک ہدی   داخل حق شد پی دیدار حق
شد دل من در پی تجقیق آن   با ہمہ صحت پی اظہار حق
ہاتف غیب آمدہ با من بہ گفت   'گوہر یک دانۂ اسرار حق'
۸۹۱ھ

[۱۷۰] سلہٹ کے اکثر شرفاء اپنے نسب کو حضرت موصوف کے کسی ہمراہی تک پہنچاتے ہیں - حضرت کے مزار پر جلالی کبوتر بہت ہیں اور لوگ ان کبوتروں کو نہیں مارتے - میرے رہتے صاحب ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس اور ایک صاحب وہاں گئے اور بندوق سے کئی کبوتر مارے - درگاہ کے خادموں نے منع کیا - صاحبوں نے سنا نہیں - ان لوگوں نے صاحبوں کو ڈھیلے مارے - دونوں طرف سے مقدمہ دائر ہوا - صاحبوں پر پانچ پانچ روپے جرمانہ ہوا اور درگاہ کے خادموں کے سردار جو وہاں

(۱) یہ اشعار 'گنج تواریخ' (مطبوعہ لکھنؤ ۱۸۷۵، ص ۱۹) سے ماخوذ ہیں، کیونکہ قلمی نسخہ میں تاریخ کی جگہ خالی رہگئی ہے - حضرت جلال مجرد یمنی رحمۃاللہ علیہ پر نساخ کی مندرجہ ذیل دو اور تاریخیں ''گنج تواریخ'' میں ملتی ہیں :—

(الف) بر سال نقل و ترحیل جلال   گفت 'دل مقبول حق جنت نصیب'
(ب) سال نقل جلال اے نساخ   'صاحب معرفت' بگفت سروش

سرقوم کر کے مشہور ہیں وہ قید ہوگئے - اپیل میں [۱۷۱] قید سے رہائی پائے لیکن ڈھائی سو روپے جرمانہ ہوا - بعد ازاں ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ خواب میں دیکھنے لگے کہ ہزاروں جلالی کبوتر آتے ہیں اور ان پر حملہ کرتے ہیں اور خواب دیکھ کر نیند انکی اچٹ جاتی تھی اور جب نیند آتی تھی تب پھر وہی معاملہ ہوتا تھا - انہوں نے اپنے مسلمان ملازموں کو کہا کہ تم لوگ اس امر کے دفعیہ کے لئے جو کچھ مناسب سمجھو کرو - ان لوگوں نے تدبیر میں درگاہ میں کبوتر لا کر چھوڑی، بہت کچھ کیا - لیکن کبوتروں کا ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ کے خواب میں آنا موقوف ہوا نہیں - آخر صاحب موصوف بے خوابی سے بیمار ہوگئے اور رخصت لے کے چلے گئے - سلہٹ میں طرف کے حضرت مخدوم صاحب قدس سرہ کی اولاد میں چند شخص باہم دنگا کے مقدموں میں میری عدالت سے قید ہوگئے - اس کا مجھ کو رنج ہوا مگر میں کیا کرتا کہ مجبور تھا - بیشتر مسلمانان سلہٹ سود نہیں کھاتے اور جو سود کھاتا ہے وہ مطعون ہے -

حاجی سعید بخت صاحب اور ان کے لڑکے نہایت بد مزاج ہیں اس لئے ان لوگوں سے وہاں کے اور شرفاء سے موافقت نہیں - اکثر عداوت رہتی ہے - مجھ سے ان لوگوں سے بسبب قرابت حکیم اشرف علی صاحب کی اچھی ملاقات تھی اور ناظر محمد عبداللہ صاحب آشفتہ اور حاجی سعید بخت صاحب نے ایک عمر سے ایسی بے تکلفی کی ملاقات تھی کہ ناظر عبداللہ کے بہت سے عمدہ مادّے انہوں نے [۱۷۲] لئے اور ان پر مصرع لگائے اور چونکہ ناظر عبداللہ صاحب سے مجھ سے بھی بہت دنوں کی ملاقات تھی اور ان کو شاعری سے نہایت ذوق تھا اس لئے وہ بیشتر میرے پاس آتے تھے اور پہروں بیٹھتے تھے، اور ان کا معمول تھا کہ وہ روزانہ حاجی سعید بخت کے یہاں جاتے تھے - ایک بار ایسا اتفاق ہوا کہ

تین دن تک ناظر عبداللہ صاحب حاجی سعید بخت کے پاس گئے نہیں - روز میرے پاس آتے تھے - تین دن کے بعد جو حاجی صاحب کے پاس گئے اور انہوں نے ان سے دریافت کیا کہ تین دن تک کہاں تھے ؟ ناظر عبداللہ صاحب نے میرا نام لیا - اس پر حاجی صاحب بگڑ گئے اور ناظر عبداللہ کو بہت سخت و سست کہا، ساتھ اس کے مجھ کو بھی سخت و سست کہا - ناظر عبداللہ وہاں سے میرے پاس آئے اور سب حال کہا اور انہوں نے اس تاریخ سے حاجی صاحب کی ملاقات ترک کردی اور مجھ کو ناگوار ہوا کہ حاجی صاحب نے مجھ کو کیوں سخت اور درشت کہا، اس لئے میں نے بھی ان کی ملاقات ترک کردی - ان لوگوں کو اس سے نہایت ناگوار ہوا اور میں نے صاحب کلکٹر بہادر مسٹر سندرلاڈ صاحب سے سب حال کہدیا - وہ بولے کہ حاجی سعید بخت بوڑھا آدمی ہے - ہوش و حواس درست نہیں - آپ ان کو معاف کردیجئے اور عداوت کا حال سارے ضلع میں مشہور ہوگیا - بہت دنوں کے بعد ایک دن حاجی حمید بخت [۱۷۳] میرے مکان میں چلے آئے اور مجھ سے کہا کہ کلکٹر صاحب نے مجھ کو آپ کے پاس بھیجدیا ہے اور میرا دل صاف ہے - آپ بھی مجھ سے صاف ہوجائیے - غرض تھوڑی دیر تک وہ ٹھہر کے چلے گئے - مجھ کو فکر ہوئی کہ یہ لوگ تو اس مزاج کے آدمی نہیں ہیں کیوں آئے، اس کی تحقیقات چاہئے - آخر کلکٹر صاحب کے چپراسی سے معلوم کیا تو معلوم ہوا کہ اس روز حاجی حمید بخت صاحب کلکٹر صاحب سے ملاقات کرنے کو گئے تھے - کلکٹر صاحب نے ان سے کہا کہ سب صاحبوں میں آپ لوگوں کی بد مزاجی کی شکایت ہو رہی ہے سب صاحب لوگ کہہ رہے ہیں کہ ان لوگوں سے سلہٹ کے لوگوں سے موافقت نہیں ہے - اس کا سبب یہ ہوسکتا ہے کہ معاش لیکے تکرار ہے

یا مقدمہ ہوتا ہے یا برادری کا قضیہ ہے - مولوی عبدالغفور کلکتہ کے رہنے والے ہیں ان سے کیوں بگاڑ ہوا - ان سے بگاڑ ہونے کی وجہ آپ لوگوں کی بد زبانی اور بد مزاجی ہے - آپ کو مناسب ہے، آپ بھی جائیے اور مولوی عبدالغفور سے صفائی کیجئے - اس لئے حاجی حمید بخت میرے پاس آئے تھے - اس کے بعد ھی میری بدلی ضلع ڈھاکہ میں ۱۸۷۴ء اٹھارہ سو چوھتر عیسوی کی چھٹی جولائی میں ہوگئی اور میں سلہٹ سے چلا آیا اور گیارہ یا بارہ ماہ اکتوبر کو ڈھاکہ میں آکر چارج لیا -

محکمۂ مانک گنج (ضلع ڈھاکہ) میں قیام

بدلی کے بعد میں سلہٹ سے ڈھاکہ کو گیا اور بندوبست کے کام میں متعین ہوا - [۱۷۴] پھر ششم نومبر ۱۸۷۴ء اٹھارہ سو چوھتر عیسوی ڈھاکہ سے محکمہ مانک گنج میں گیا - یہاں کام بہت کثرت سے تھا صبح سے شام تک کام کرتا تھا اور کبھی شب کو بھی کام کرتا تھا - وھاں سید عبدالحفیظ معروف مٹرو میاں، ہم زلف نواب احسن اللہ خان بہادر، ابن مولوی محمد اسرائیل، نواسۂ سید عباس علی خان بہادر اعلیٰ صدر امین ڈھاکہ، نے اپنے ایک رعیت کو قید کیا تھا - اس مقدمہ میں دو برس سے مفرور تھے - مانک گنج میں میرے جانے کے بعد وہ حاضر ہوئے اور میری عدالت سے قید ہوگئے - اس کے ایک یا دو روز کے بعد ان کے والد ہیضہ کر کے مر گئے - ان کا مقدمہ اپیل میں دائر ہوا - حاکم اپیل نے ان کو رہا کر دیا اور لکھدیا کہ بیشک مقدمہ صحیح ہے لیکن جو ثبوت ہے وہ مٹرو میاں کو سزا دینے کے لئے کافی نہیں ہے -

وہاں باہم دنگے کا مقدمہ دو زمیندار یعنی گوبند بابو و سعادت علی خان صاحب زمیندار اٹیہ ضلع میمن سنگھ کے ہوا - اس واقعہ میں دونوں طرف کے لوگ زخمی ہوئے تھے - سعادت علی خان صاحب سے مجھ سے ملاقات تھی - انہوں نے جناب اخو صاحب قبلہ کے پاس خط لکھا کہ وہ ایک ملاقاتی خط میرے نام کا دیں کہ وہ اس خط کو لیکر مجھ سے ملاقات کرنے کو آئیں گے لیکن انہوں نے اس بات کو ظاہر کیا نہیں کہ ان کا مقدمہ میری عدالت میں ہے - ورنہ جناب اخو صاحب قبلہ ان کو ہرگز ملاقاتی [۱۷۵] خط بھی نہیں دیتے - بعد ازاں ایک دن ایک شخص جناب اخو صاحب قبلہ کا خط لیکے میرے پاس آیا - اس خط کو دیکھکر میں سمجھا کہ سعادت علی خان صاحب آئے ہوں گے - میں نے اس آدمی سے پوچھا اس نے کہا کہ سعادت علی خان صاحب نے اس کو اٹیہ سے وہ خط دیکے روانہ کیا ہے اور خود وہ اٹیہ میں ہیں اور اٹیہ اور مانک گنج چار روز کے فاصلے پر ہے - تب میں انکی غرض سمجھ گیا کہ اس خط کے منگوانے سے ان کو میری ملاقات منظور نہ تھی بلکہ یہ منظور تھا کہ اس خط کو میرے پاس بھیجدیں تاکہ میں سمجھوں کہ ان سے جناب اخو صاحب سے ربط ہے اور میں مقدمہ میں ان کی خاطر کروں - غرض اس مقدمہ میں ان کے جتنے آدمی ماخوذ تھے سب کو چھ چھ مہینے کی قید کی سزا ہو گئی اور اپیل میں بھی میرا وہ حکم بحال رہا -

مانک گنج میں رہتے ایک زن بیوہ کی چھوٹی بہن کے شوہر اور اس کے بھائی اور اس کے ماموں یعنی دو بھائی اور ان کے ماموں نے اس زن بیوہ کو اس کے گھر سے پکڑ کے قریب ایک کوس کے فاصلہ پر دریا کنارے لیگئے - ان تینوں نے اس کے ساتھ زنا بالجبر کر کے اس کو

وهیں چھوڑ کر چلے گئے۔ وہ وہاں پڑے کراہتی تھی۔ اس میں ایک ماہی گیر نے دریا سے جاتے وقت اس کو پہچانا اور اس کے گھر لا کر بھیجدیا۔ عورت مذکور نے نالش کی لیکن شرم سے یہ نہ کہا کہ اس کی چھوٹی بہن کے شوہر نے بھی اس کے ساتھ [۱۷۶] زنا کیا تھا۔ میں نے ان تینوں کو پنلکوڈ کے ۳۵۴ دفعہ کے مطابق چھ چھ مہینے کے لئے قید کر دیا۔ اپیل میں حاکم نے انکی سزا میں ایک ایک برس زیادہ کر کے اٹھارہ مہینے کر دیئے۔

وہاں میرا بیٹا ابوالقاسم محمد سلمہ سخت بیمار ہو گیا اور میں مضطر ہوا کہ کیا کروں۔ ایسے وقت حکیم غلام نبی خان صاحب دھلوی مجھ سے ملنے کو مانک گنج گئے۔ میں نے محمد سلمہ کو ان کے ہمراہ کلکتہ کو روانہ کردیا۔ بعد ازاں میں دورہ میں نکلا اور گوالندو کے مقابلہ ڈھاکہ کے علاقہ میں کشتی پر تھا۔ وہاں ایک ٹیلیگرام کلکتہ سے آیا اس کا مضمون یہ تھا کہ اگر اپنے بیٹے کو دیکھنے چاہو تو چلے آؤ' وہ روز سنیچر کا تھا۔ میں نہایت مضطر ہوا اور عملوں سے کہا کہ کیا کروں عملوں نے کہا کہ آپ بعد کچہری کے پدے' کا دریا پار ہو کے گوالندو سے کلکتہ کو روانہ ہو جایئے یکشنبہ کی صبح کو کلکتہ میں پہنچ کے لڑکے کو دیکھکر یکشنبہ کی شب کو کلکتہ سے روانہ ہو کے چلے آئیے۔ دو شنبہ کی صبح کو یہاں پہونچکر کچھری کیجئے گا۔ میں نے دیکھا کہ یہ سب صحیح ہے لیکن محکمہ چھوڑ کے جانا منع ہے اور اگر جاؤں تو روز نامچہ میں کیا لکھوں گا۔ اگر روز نامچہ میں علاقہ مانک گنج میں رہنا لکھوں تو تین روپیہ بھتی کے لینے پڑیں گے وہ روپیہ کیونکر لیکے صرف کروں گا. اور اگر ان تین روپوں کو حساب میں نہ لکھوں اور گرفت ہو اس کا کیا

جواب دونگا - اس لئے میں کلکتہ کو گیا نہیں اور لڑکے کو خدا کے حوالے کیا، حالانکہ بعض [۱۷۷] بعض حکام ایسا کرتے ہیں کہ چوری سے کہیں چلے جاتے ہیں اور کچھ کا کچھ لکھدیتے ہیں -

چنانچہ میرے مانک گنج کے رہنے کی حالت میں ضلع پٹنہ کے ایک حاکم مفصل میں تھے - وہاں سے ڈھاکہ کو گئے تھے اور ڈھاکہ سے پھر کے جاتے وقت مانک گنج میں مجھ سے مل کے گئے - مانک گنج میں مٹرو میاں کے والد منشی محمد اسرائیل اور ان چچا منشی محمد اسمعیل سے ملاقات ہوئی - یہ لوگ محکمہ مانک گنج کے علاقہ کے نامی زمیندار ہیں - مانک گنج میں میں چھ مہینے تھا - بعد ازاں ۱۸۵۵ء اٹھارہ سو پچپن عیسوی کے اپریل میں میری بدلی شہر ڈھاکہ میں ہوئی اور میں ڈھاکہ کو چلا گیا -

ڈھاکہ شہر میں تبادلہ اور رؤساے شہر سے ملاقات

ڈھاکہ میں شاہ ولی اللہ صاحب سجادہ نشیں اعظم پورہ نواب عبدالغنی صاحب سی، ایس، آئی، نواب احسن اللہ خان بہادر محمد مرزا صاحب ابن مرزا غلام پیر مرحوم نامی زمیندار ڈھاکہ و مولوی عبداللہ صاحب عبیدی، سپرنٹنڈنٹ مدرسہ ڈھاکہ، مولوی عبدالسلام صاحب فرید پوری مدرس اول مدرسہ ڈھاکہ، مولوی غلام سبحان صاحب ہیڈ مولوی ڈھاکہ کالج، سید محمد علی معروف بہ سید جان صاحب و سید محمد باقر صاحب، مولوی محمد لقمان صاحب ولایتی و چودھری غلام قدسی معروف بہ بردن میاں صاحب و سید محمود صاحب متخلص بہ آزاد و مولوی عبداللہ صاحب ابن مولوی امیرالدین صاحب مرحوم، وکیل عدالت دیوانی ڈھاکہ وغیرہ روساے ڈھاکہ سے ملاقات ہوئی - ان لوگوں سے آگے بھی [۱۷۸]

ملاقات تھی - نرائن گنج میں چند روز میں پنچ کے مقدمہ کی تجویز کے لئے ہفتہ میں ایک روز جایا کرتا تھا - اس میں ایک مقدمہ آیا اور اس مقدمہ میں نواب احسن اللہ خان بہادر پر پانچ روپیہ جرمانہ ہو گیا - پنچ میں میرے ساتھ ایک آنریری مجسٹریٹ بھی تجویز میں شریک تھے -

ایک بار دنگے کے مقدمے میں راجہ کالی نرائن رائے بہادر زمیندار بھوال کے ماموں میری عدالت سے چھ مہینے کے لئے قید ہو گئے اور اپیل میں بھی میرا حکم بحال ہو گیا -

ایک بار ننھے میاں ابن نواب عبدالغنی سی، ایس، آئی، کم قیمت کے اسٹامپ کے مقدمہ میں ماخوذ ہوئے اور میری عدالت سے انکو پچاس روپیہ جرمانہ ہوا -

ایک بار مولوی رضا کریم نواسۂ داروغہ امیرالدین مرحوم زمیندار نامی ڈھاکہ ایک رعیت کو قید رکھنے کے مقدمہ میں میری عدالت سیں پچاس روپیہ جرمانہ دے گئے -

مرزا محمد کاظم داماد سید محمد باقر صاحب نے اپنے نوکر پر سرقہ کے دعویٰ سے نالش کی تھی - وہ مقدمہ میری تجویز میں جھوٹ ٹھہرا اور حقیقت میں جھوٹ تھا - اور وہ پنلکوڈ کی ۲۱۱ دفعہ کے جرم میں ماخوذ ہو کے بڑی خرابی کے بعد چھوٹ گئے - تب سے ان سے ملاقات ترک ہو گئی [۱۷۹] -

امیرالنساء خاتون نامی، زمیندار ڈھاکہ کی ایک لونڈی بھاگ گئی تھی انہوں نے اپنے ایک غلام سے دوسرے ایک شخص پر نالش کرادی کہ

وہ لونڈی اس غلام کی زوجہ ہے اور اس کو دوسرے شخص نے آشنائی کی نیت سے بھگا لیا ہے - وہ مقدمہ دوسرے ڈیپوٹی مجسٹریٹ کی عدالت میں فیصل ہوا اور جھوٹ ٹھہرا اور مدعی پنلکوڈ کی ۲۱۱ دفعہ کے مطابق ماخوذ ہو کے وہ مقدمہ میرے پاس سپرد ہوا - اس میں امیرالنساء خاتون نے اپنے ایک معتمد شخص کے ذریعہ سے میرے پاس سفارش کی، حالانکہ وہ خوب جانتی تھیں اور خود میری زبانی سن چکی تھیں کہ میں سفارش نہیں سنتا اور سفارش پسند نہیں کرتا - اس مقدمہ میں ان کا غلام میری عدالت سے قید ہو گیا اور میں نے امیرالنساء خاتون کی ملاقات ترک کر دی لیکن انھوں نے پھر مجھ سے ملاقات کرنے کو ہزاروں حیلے نکالے، ایک نہ چلا ان سے پھر مجھ سے ملاقات نہیں ہوئی اور میرا قاعدہ ہے کہ جس مقدمہ میں سفارش ہوتی ہے اس مقدمہ میں سفارش کا ذکر لکھ دیتا ہوں - ڈھاکہ میں میرے پاس بہت سی سفارشیں ہوئیں - اس میں صرف ایک سفارش حق بجانب ہوئی تھی اور سب سفارشیں بیجا ہوئیں تھیں -

ڈھاکہ میں محکمہ منشی گنج کے علاقہ کے رہنے والے ایک پنشن یافتہ ڈیپوٹی مجسٹریٹ [۱۸۰] ہیں - ان کا نام منشی محمد کاظم ہے - وہ آگے داروغہ تھے اور نہایت متقی و پرہیزگار ہیں اور ان کے سر پر نماز کا گھٹا بھی ہے اور ہر وقت عبادت میں مصروف رہتے ہیں - ان کے نام پر ہدایت بخش نامی ایک شخص جو عام لوگوں میں ہے حسب دفعہ ۴۱۷ پنلکوڈ نوے روپے کی دغا و فریب کی بابت ایک نالش دائر کی - وہ مقدمہ بابو سیسیر ناتھ رائے بہادر ڈیپوٹی مجسٹریٹ کے اجلاس میں فیصل ہوا - اور ہدایت کا دعویٰ ڈسمس ہوگیا - انھوں نے ہدایت بخش کو حسب دفعہ ۲۱۱ پنلکوڈ اور اس کے دو گواہوں کو حسب دفعہ ۱۹۳ پنلکوڈ

فوجداری میں سپرد کیا اور یہ تینوں مقدمے میرے سپرد ہوئے اور ڈیپوٹی محمد کاظم نے ان مقدموں میں سے پہلے ہدایت بخش پر مقدمہ چلایا اور حلفاً بیان کیا کہ ہدایت بخش سے روپے لئے نہیں لیکن میرے نزدیک ثابت ہوا کہ انہوں نے ہدایت بخش سے روپے لئے ہیں لیکن کسی سبب خاص سے منکر ہوئے ہیں - میں نے ان کے مقدمہ کو ڈسمس کر دیا - اس مقدمہ کا بڑا شہرہ ہوا اور لوگوں کو ان سے نہایت تعجب ہوا - انہوں نے صاحب مجسٹریٹ بہادر کے پاس میرے حکم کی ناراضی میں موشن کیا - مجسٹریٹ صاحب بہادر نے میرا حکم بحال کردیا - پھر صاحب سشن جج بہادر کی عدالت میں موشن کیا - وہ بھی نا منظور ہوگیا اور چونکہ یہ ڈیپوٹی مجسٹریٹ متقی و پرہیزگار تھے اور ہدایت بخش عام آدمی تھا [۱۸۱] اس لئے سیسیر ناتھ بابو نے دھوکا کھایا تھا اور میرا معمول ہے کہ میں تجویز مقدمہ میں آدمی کو دیکھتا نہیں - انکی باتوں کو دیکھتا ہوں کہ باتیں سچ ہیں یا نہیں اور ان کے افعال کو بھی دیکھتا ہوں -

اس ضلع میں گھوڑا سال ایک جگہ ہے - وہاں کے زمیندار مولوی عبدالغفور صاحب کہ متقی و پرہیزگار تھے ان کی ایک لونڈی بھاگ گئی اور انہوں نے اپنے ایک غلام کے ذریعہ سے وہ لونڈی جس کے ہمراہ بھاگ گئی تھی اور اس کے نام پر پنلکوڈ کے ۴۹۸ دفعہ کے مطابق نالش کر دی - مقدمہ میرے پاس آیا - اس عورت نے اور وہ جس کے ساتھ بھاگ گئی تھی دونوں نے کہا کہ مولوی عبدالغفور صاحب زمیندار نے دونوں کا نکاح پڑھا دیا ہے اور چونکہ ان کی مولوی صاحب مذکور کے مکان میں نہایت درجہ کی تکلیف ہوئی تھی اس لئے

وہ لوگ خود بھاگ گئے - بعد ازاں مولوی صاحب مذکور طلب ہوئے اور قبل ازیں ان کے بھائی مدعی کیطرف سے گواہی دی تھی کہ اس کا شوہر مدعی ہے مولوی صاحب کی گواہی کیوقت آسامی نے ان کے ہاتھ میں قرآن شریف دیا اور انہوں نے قرآن شریف کی قسم کھا کر مدعی کے موافق کہا اور کہا کہ انہوں نے آسامی کا نکاح اس عورت کیساتھ پڑھایا نہیں حالانکہ یہ بات جھوٹ تھی - غرض گواہی دیکے کچہری کے زینے سے اترتے وقت ان کے گلے سے خون آیا اور انیسویں دن تپ آئی اور [۱۸۲] تیسویں دن مر گئے - جس کو جس قدر زاید اعتقاد ہوتا ہے وہ بہت جلد پکڑا جاتا ہے - یہ عجیب واقعہ اس ضلع میں ہوا کہ آگے اس کے یہاں کبھی ایسا واقعہ ہوا نہیں -

پہلی بار میں مانک گنج میں چھ مہینے اور ڈھاکہ میں چار برس تھا - اس عرصہ میں مسٹر لایل صاحب بہادر مجسٹریٹ ڈھاکہ نے میرے فیصل کئے ہوئے بیس مقدمے میرے حکم کو رد کرنے کے لئے ہائی کورٹ میں وقتاً فوقتاً بھیجے تھے ان میں سے میرے اٹھارہ حکم بحال ہوئے اور دو حکم رد ہوئے - ان میں سے ایک حکم ایسا تھا کہ میں نے مجرم کو ایک مہینے سزا دی تھی - وہ حکم رد ہو کے آیا اور حاکم نے اس مجرم کو چھ مہینے کی قید کی سزا دی - انہیں دنوں میں مسٹر لوئس جیکسن صاحب بہادر جج ہائی کورٹ نے جن کی رپورٹ سے میری ترقی موقوف تھی اور میرا اول درجہ کا اختیار مجھ سے لے لیا گیا تھا لیکن ان کو گورنمنٹ کی اس کاروائی سے غالباً تسکین ہوئی نہ تھی - صاحب مجسٹریٹ بہادر کے پاس لکھ بھیجا کہ چاہیں تو بذریعہ صاحب کمشنر بہادر کے میرے خلاف میں گورنمنٹ میں لکھیں لیکن مجسٹریٹ صاحب نے اس پر عمل کیا نہیں -

نواب عبدالغنی صاحب کے گھر تقریب میں شرکت

ڈھاکہ میں نواب عبدالغنی صاحب سی، ایس، آئی، کے یہاں ایک تقریب ہوئی - اس میں سے بیشتر طوائف لکھنؤ سے اور چند طوائف کلکتہ سے اور پارسی تھیٹر والی بلائی گئی [۱۸۳] تھی اور سولہ روز تک محفل رقص و سرود ہوتی رہی - اس میں معدودے چند کو سولہ روز کی دعوت ہوئی - باقی لوگوں میں اکثروں کو آٹھ آٹھ روز کی دعوت ہوئی - بعض کو چار روز، بعض کو دو روز، بعض کو ایک روز کی دعوت ہوئی - مجھ کو آخر کے آٹھ روز کی دعوت ہوئی تھی اور معلوم ہوا کہ نواب صاحب کی قرابت دار ڈپٹی مجسٹریٹ ڈھاکہ کو سولہ روز کی دعوت ہوئی تھی - جب ان کے آٹھ روز تمام ہو گئے نویں روز کے اس روز سے میری دعوت شروع ہوئی تھی میں گیا نہیں، اس لئے نواب عبدالغنی صاحب سی، ایس، آئی نے سید محمود صاحب سے کہ ان کے اور میرے مکان کے درمیان ایک راہ تھی اور روزانہ ان سے ملاقات ہوتی تھی میرا حال پوچھا کہ وہ کیوں نہیں آئے، طبیعت تو اچھی ہے - انہوں نے کہا نہ آنے کا سبب معلوم نہیں مگر طبیعت اچھی ہے - دوسرے روز سید محمود صاحب نے مجھ سے وہ بات کہی - میں نے ان سے کہا آپ نواب صاحب سے کہہ دیجئے کہ چونکہ انہوں نے اپنے قرابت دار ڈپٹی مجسٹریٹ کو سولہ روز کی دعوت کی اور مجھ کو صرف آٹھ روز کی دعوت کی اس کا سبب معلوم نہ ہونے کے سبب سے میں گیا نہیں - چنانچہ سید محمود صاحب نے اس بات کو نواب عبدالغنی صاحب سے کہا - انہوں نے کہا وہ اس بات کو نواب احسن اللہ خان بہادر سے پوچھیں گے - اس کے دوسرے روز

سید محمود صاحب سے [١٨٤] نواب صاحب نے کہا کہ نواب احسن اللہ خان بہادر سے انہوں نے کہا ھے اور وہ میرے پاس اس بارے میں خط لکھیں گے اور سید محمود صاحب سے کہا کہ وہ نواب صاحب کی طرف معذرت کر کے مجھ کو محفل میں لیجائیں - چنانچہ انہوں نے مجھ سے یہ باتیں کہیں - میں نے ان سے کہا کہ خط آجانے کے بعد جاؤں گا - نواب صاحبوں کا اخلاق مشہور زمانہ ھے - نواب احسن اللہ خان بہادر نے میرے پاس ایک خط معذرت کے بارے میں لکھا اس کی نقل یہ ھے - یہ خط ۲۴ ماہ اپریل ١٨٢٦ء عیسوی کو آیا تھا -

مولوی صاحب والا قدردان توجه کرم فرمای نیاز مندان مد الطافه

پس از سلام نیاز انضمام مدعا را رنگ بیان میدهم - زبانی سید محمود صاحب چنین خبر بگوش خورد که بان قدردان هم رقعهٔ دعوت هشت روزه کارپردازم رسانده است - چه گویم کی این خبر چه ششدرم ساخت - همانا وقوع این امر از غفلت کارپردازان و نیز از نادانی احقر بوده است - اگر قبل ازین برین واقعه وقوف دست دادی هر آئینه عذر غفلت خویش نمودی و گرد کدورت از صفحهٔ خاطر زدودی و اینک هم زبان عذر خواه بدین نمط فغان سنج است که عذر عدم دانست احقر قبول نمایند و بمحفل تشریف داده ممنون فرمایند [١٨٥]

احسن اللہ

محفل کہ ختم ہونے کو تھی تین روز رہ گئے تھے - اس وقت یہ خط آیا اور میں محفل میں شریک ہوا - پہلے نواب احسن اللہ خان بہادر صاحب نے معذرت کی اور بی مشتری کو بلوایا - انہوں نے مجرا کرنا شروع کیا - بعد ازاں بی مشتری نے جو اس محفل کی نسبت قطعہ تاریخ

لکھا تھا منگوا کر دکھلایا (۱) - بعد ازاں نواب عبدالغنی سی، ایس، آئی صاحب آئے - انہوں نے بھی معذرت کی - اس وقت بڑا لطف ہوا کہ بی مشتری اپنی ایک غزل گا رہی تھی اور ایک مصرع گاتی تھی میں دوسرا مصرع پڑھ دیتا تھا - اس پر بی مشتری مسکراتی تھی - اس غزل کا مقطع یہ تھا -

مشتری آپ سے کھٹکا ہے بہت
غیر کے ہاتھ یہ بک جائے گا

اس کے دوسرے دن بھی میں محفل میں گیا - اس روز بی مشتری نے میری یہ غزل گائی (۲)

قابو میں شب وصل میں وہ آئے ہوئے ہیں
منہ فق ہیں لٹیں بکھری ہیں گھبرائے ہوئے ہیں
آنکھوں کو جھکائے ہوئے شرمائے ہوئے ہیں
کچھ بات میری دل کی مگر پائے ہوئے ہیں
ادنی یہ شگوفہ ہے میرے داغ جگر کا
جو پھول ہیں گلزار میں مرجھائے ہوئے ہیں
شاید دل عشاق سے پھر پیچ کریں گے
گیسو تیرے رخسار پہ بل کھائے ہوئے ہیں
آئے ہیں عیادت کو بھی تو بیٹھے ہیں خاموش
ایسا نہ ہو سمجھے کوئی سمجھائے ہوئے ہیں

---

(۱) قمر جان مشتری عرف بی منجھو خیر آباد ضلع سیتا پور کی مشہور رقاصہ کا نام ہے - زندگی کا بیشتر حصہ لکھنو میں گزاری - اردو فارسی نظم و نثر اور تاریخ گوئی میں شہرۂ آفاق تھی - اطراف ہند کے مشاہیر سے بھی روشناس تھی - مشتری سے نساخ کی ملاقات لکھنو میں ہوئی تھی اور بقول رضا علی وحشت (ماہنامہ 'جادو' ڈھاکہ) دونوں کا تعلق بدرجۂ عشق پہنچ گیا تھا -

(۲) یہ غزل نساخ کے دیوان سوم موسوم بہ 'ارمغان' (مطبوعہ کانپور، ۱۸۷۷، ص ۳۵) میں موجود ہے -

[۱۸۶]

گویا دل افسردۂ عشاق ہیں اے جان
ہاتھوں میں تیرے پھول جو کمہلائے ہوئے ہیں
ہنگامہ سا ہنگامہ جو ہے راہ گزر میں
ہمسایہ میں شاید وہ کہیں آئے ہوئے ہیں
آ جاؤ کہیں جلد خدا را نہ کرو دیر
ہم جان کو لب پر ابھی ٹھہرائے ہوئے ہیں
گاہے ہے تسلی تو گہے دیتے ہیں تسکین
اب تک دل نساخ کو بہلائے ہوئے ہیں

جب مقطع آیا تو اہل محفل کو تعجب ہوا اور مجھ سے پوچھا تو میں نے کہدیا کہ غزل مذکور اخبار میں چھپی تھی شاید بی مشتری نے اخبار میں دیکھکر یاد کی تھی - پھر بی مشتری سے پوچھا گیا انھوں نے بھی وہی بات کہی -

ڈھاکہ میں منشی احمد حسین صاحب انگریزی ماسٹر مدرسہ ڈھاکہ متخلص بہ وافر و منشی عبدالغفور متخلص بہ زائر میرے شاگرد ہوئے ان کے چند شعر یہ ہیں - (۱)

[۱۸۷] انھیں دنوں میرا دیوان سوم موسوم بہ 'ارمغان' اور 'گنج تواریخ' جس میں تاریخیں ہیں مرتب ہوا اور چھپ گیا اور 'انتخاب نقص' مشتمل بہ اعتراضات جو مرزا دبیر و مرزا انیس کے مرثیوں پر ہوئے مرتب ہوا -

(۱) قلمی نسخہ میں اشعار درج نہیں ہیں -

ڈھاکہ میں سید حسین بھاگلپوری ایک بار میرے رہتے آئے - ان کے مریدوں میں بڑا ھنگامہ ھوا - ایک دن مولوی رضای ربانی سے ملنے کو گیا اور خبر دی [۱۸۸] - وہ دروازہ پر مجھ کو لینے آئے - میں گاڑی سے اتر کے ان کے ساتھ چلا - اس میں انھوں نے کہا کہ حضرت (یعنی سید حسین بھاگلپوری جن کا ذکر آگے بھی ہو چکا ھے) بھی تشریف رکھتے ھیں - اب مجھ کو مروت سے بعید معلوم ھوا کہ ان کے ساتھ نہ جاؤں - غرض میں گیا اور جا کے سید صاحب کو سلام علیک کہہ کے بیٹھ گیا - دیکھا کہ پیر صاحب ایک مسند پر بیٹھے حقہ پی رہے ھیں اور ایک بوڑھا آدمی پنکھا ھلا رہا ھے اور حافظ احمد اور خواجہ حبیب‌اللہ وغیرہ پندرہ بیس آدمی مؤدب بیٹھے ھوئے ھیں - اس میں خواجہ حبیب‌اللہ نے پیر صاحب سے اس طرح میرا تعارف کیا، ''خداوند مولوی عبدالغفور صاحب یہاں کے ڈپوٹی مجسٹریٹ ھیں اور شاعر ھیں'' - پیر صاحب مجھ سے مخاطب ھوئے اور کہا کہ آپ کے بھائی صاحب سے اور آپ سے بھی ملاقات ھے - میں نے پوچھا کہاں، مجھ کو یاد نہیں آتا - اس کے بعد انھوں نے کہا کہ میرے بھائی صاحب سے ان سے جہان آباد متعلق ھوگلی میں ملاقات ھوئی ھے کہ وہ چند روز وھاں تھے اور میری بات کہی کہ آپ ایک دن بھاگلپور میں شاہ نوری صاحب شہبازی سجادہ نشیں بھاگلپور سے ملنے گئے تھے میں بھی وھاں تھا - میں نے آپ کو وھیں دیکھا ھے - اس پر میں نے ان سے کہا کہ شاہ نوری صاحب نے مجھ سے آپ کا تعارف کیا نہیں - اس کے بعد اور باتیں ھوئیں پھر میں چلا آیا - انھوں نے جو کہا ٹھیک ھے - میں شاہ نوری صاحب سے ملنے کو بارھا گیا ھوں - وہ ایک چارپائی پر بیٹھتے تھے اور [۱۸۹] ایک بکس چارپائی پر ھوتا تھا اور ایک بڑا سا حقہ ایک مونڈھا یا چوکی پر رکھا ھوتا تھا - جب ہم لوگوں کے قسم کا آدمی

جاتا تھا تو سر و قد اٹھ کے تعظیم کرتے تھے اور ہم لوگوں کو کرسی پر بٹھلاتے تھے اور دوسرا حقہ منگوا دیتے تھے - اور پان منگواتے تھے اور بکس سے عطر اور الائچی وغیرہ نکال کے دیتے تھے - ان کا برابر یہی معمول تھا اور وہاں ایک بڑا تخت تھا کبھی اس پر شطرنجی ہوتی تھی، کبھی اس پر بوریا، کبھی خالی ہوتا تھا - اس تخت پر کبھی کبھی دو چار آدمی بیٹھے ہوتے تھے - معلوم ہوتا ہے کہ میں کسی روز وہاں گیا ہوں اور سید حسین اس تخت پر بیٹھے ہونگے - انہوں نے مجھ کو دیکھا ہوگا مگر اس وقت میں نہیں جانتا تھا کہ وہ کون ہیں - جو لوگ ہوتے تھے شاہ نوری صاحب بعض بعض شخصوں سے مجھ سے ملاقات کراتے تھے لیکن انہوں نے شاہ حسین سے مجھ سے ملاقات کرائی نہیں -

رومی زخمیوں کے علاج کیلئے چندہ جمع کرنا

روم و روس کی لڑائی کے دنوں میں درگا پوجا کی تعطیل میں کلکتہ کو گیا - پھر کے آتے وقت جناب اخو صاحب قبلہ نے مجھ سے کہا رومی زخمیوں کے علاج کے اخراجات کے واسطے چندہ کی مجلس ہونے والی ہے - تم نواب عبدالغنی صاحب سے کہنا کہ وہ بھی اس میں تائید کریں - چنانچہ میں کلکتہ سے پھر کے آیا اور ایک دن صبح کو نواب عبدالغنی سی، ایس، آئی سے ملنے کو گیا - اس وقت بہت سے لوگ تھے میں نے جناب اخو صاحب کا پیغام دیا - نواب صاحب نے کہا کہ مولوی صاحب ہم لوگوں کو چاہئے کہ ایسا کام کریں [۱۹۰] کہ عزت و آبرو کیساتھ زندگانی بسر ہو جائے - ہم پسند نہیں کرتے کہ ایک بادشاہ کی رعیت ہو کے دوسرے بادشاہ کی تائید کریں - چنانچہ نواب امیر علی خاں کو بھی یہی خیال آیا - آخر جب کلکتہ کے ٹاؤن ہال میں جلسہ ہوا اور جناب اخو صاحب نے چندہ کے

بارے میں تقریر کی - چندہ جمع ہونے لگا تو ڈھاکہ کے چند شخصوں نے
چاہا کہ یہاں بھی چندہ کی کمیٹی ہو - چنانچہ منشی غلام مصطفیٰ صاحب
وکیل میرے پاس آئے اور کہا کہ وہ مولود شریف کی مجلس کیا چاہتے
ہیں اور بعد مجلس کے چندہ کا ذکر کیا چاہتے ہیں کہ میں پہلے اس کا
ذکر کروں کہ اور کوئی شخص اس پر راضی نہیں ہوتا ہے - میں نے
اس کو قبول کیا اور میر صاحب کے داماد مولوی محمد لقمان صاحب
ولایتی نے بھی مجھ سے وہی بات کہی - مولود شریف کی مجلس مولوی
عبداللہ صاحب ابن مولوی امیرالدین مرحوم وکیل عدالت کے مکان میں
ہوئی - بعد مجلس کے میں نے روم و روس کی لڑائی کا اور رومیوں کے
زخمی ہونے کا ذکر کیا - اس پر منشی عبدالنعیم صاحب محرر عدالت
فوجداری نے کہا کہ اس بارے میں نواب عبدالغنی صاحب سے مشورہ
کرنا چاہئیے - میں نے کہا ایسے کار خیر میں کسی سے مشورہ کرنے کی
ضرورت نہیں - جس کا جی چاہے دے جس کا جی چاہے نہ دے - آپ لوگ
جو نماز پڑھتے ہیں روزہ رکھتے ہیں حج کرتے ہیں زکوۃ دیتے ہیں فقراء
اور مساکین کو دیتے ہیں - اس میں جب کسی سے مشورہ نہیں کرتے
تو ایسے امر میں بھی مشورہ کرنے کی ضرورت نہیں - اس پر منشی
نور بخش [۱۹۱] صاحب زمیندار نے کہا کہ بے شک اس امر میں مشورہ
کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور انہوں نے کاغذ لیکے ڈیڑھ سو روپے لکھدیئے
اور لوگوں نے جن کو جتنا دینا تھا لکھا اور ایک کمیٹی مقرر ہوئی -
اور مولوی عبداللہ صاحب سپرنٹنڈنٹ مدرسہ ڈھاکہ کے متعلق روم سے خط و
کتابت کرنے کا کام ہوا - غرض کئی دنوں میں تین چار ہزار روپئے
جمع ہوگئے - ایک دن مدرسہ کی کمیٹی تھی اور مولوی عبداللہ صاحب
اور میں بھی اس میں شریک تھا - جلسہ برخاست ہونے کے بعد ہم لوگ

اٹھے اور چلے آئے تھے۔ اس میں مسٹر پیکاک صاحب بہادر کمشنر ڈھاکہ نے ہم سے اور مولوی عبداللہ صاحب سے پوچھا کہ چندہ میں کتنے روپئے جمع ہوئے۔ ہم لوگوں نے تعداد بتلائی۔ صاحب موصوف نے کہا بہت کم روپے جمع ہوئے۔ اس سے بہت زائد جمع ہونا چاہئے تھا۔ چند دنوں کے بعد معلوم ہوا کہ نواب صاحب نے بھی سفیر سلطنت روم مقیم بمبئی کے پاس ہزار روپے بھیجدیئے تھے۔

•

انہیں دنوں وھابیوں کے ایک مولوی، مولوی عظیم الدین نامی اور حاجی رشید میرے مکان میں آئے۔ ان سے میں نے چندہ کے واسطے کہا اور کہا کہ اس ملک میں مسلمانوں میں نماز بھی بہت ہے اور روزہ بھی بہت ہے۔ حج بہت ہے، نکاح بہت ہے، طلاق بہت ہے، یعنی شرعی کام بہت مروج ہے۔ صرف ذرا سا ایمان نہیں ہے۔ اس پر دونوں مسکرائے [۱۹۲] اور مولوی عظیم الدین نے اس بات کو مولوی عبداللہ صاحب وغیرہ لوگوں سے کہا۔ بعد اس کے مولوی نعمان صاحبؒ نے بارہا مجھ کو کہا ہے کہ جس قدر غور کرتا ہوں تمہاری بات کی تصدیق ہوتی جاتی ہے اور کئی بار اس مضمون کو میرے پاس خط میں بھی لکھ بھیجا تھا۔

تنخواہ میں اضافہ

ڈھاکہ میں میرے دوست مولوی عصمت اللہ صاحب انسخ اپنا دیوان موسوم بہ 'سخن بے مثال' اصلاح کے لئے لیکے آئے۔ ایک مہینے تک میرے مکان میں ٹھہرے رہے۔ ان دنوں میں تین سو روپے پاتا تھا۔ اور وہ برابر دیکھتے تھے کہ مبلغ مذکور میرے خرچ کو کافی نہیں ہے۔

اس لئے انہوں نے جاتے وقت مجھ سے کہا کہ اگر میں کہوں تو وہ میری ترقی تنخواہ کے لئے کچھ پڑھیں - میں نے ان کو پڑھنے کو کہا - وہ کلکتہ کو چلے گئے اور لکھا کہ عیدالفطر قریب ہے - بعد عیدالفطر کے قاعدہ کے موافق ماہ ثابت میں پڑھنا شروع کریں گے - چنانچہ انہوں نے پڑھنا شروع کیا اور مجھ کو خبر بھی دی - میں نے جناب اخو صاحب کو لکھا کہ وہ میری ترقی کے لئے کچھ تدبیر کریں - انہوں نے مجھ کو لکھ بھیجا کہ ابھی تمہاری ترقی کی کوئی صورت ہو نہیں سکتی ہے - مولوی عصمت اللہ صاحب چالیس روز عمل کر کے یکتالیسویں دن میرے پاس خط لکھا کہ کل شب کو ایک بزرگ کو خواب میں دیکھا - انہوں نے کہا کہ تم جس مطلب کے واسطے یہ عمل کر رہے ہو تمہارا مطلب بر آئے گا - لیکن تم اس عمل کو ابھی چھوڑو نہیں اور بھی اکیس روز [۱۹۳] تک پڑھو - انہوں نے مجھ کو لکھا کہ وہ اور بھی اکیس روز تک پڑھیں گے - عمل کے پینتالیس دن جناب اخو صاحب قبلہ نے اسی دن کے گورنمنٹ گزٹ میں میری ترقی تنخواہ کی خبر دیکھ کر مجھ کو تار دیا - اس سے ظاہر ہے کہ ان کو گزٹ دیکھنے کے آگے ترقی کی خبر ملی نہ تھی اور یہ ترقی بسبب اسی عمل کے ہوئی تھی -

ڈھاکہ کی سماجی زندگی

ڈھاکہ میں مولود خوانی ٹھیک مرثیہ خوانی کے طور پر راگ اور سُر کے ساتھ ہوتی ہے اور شرعاً یہ جائز نہیں - میں نے بہت لوگوں کو منع کیا اور بعض بعض لوگوں نے اس کو چھوڑ دیا - ایک بار ایک شخص نے مجھ کو مولود شریف کی مجلس میں جانے کی دعوت کی - میں نے ان سے کہا کہ مجھ کو لمبی داڑھی والے بوڑھے آدمی کا گانا پسند نہیں

کہ وہ گانا بھی نہیں جانتے - آپ طوائف کو بلوایئے اس کا گانا ہو تو میں سن سکتا ہوں - یہ بات سن کے وہ چلے گئے -

ڈھاکہ میں ایک نیچ قوم ہے کٹی کہلاتی ہے اور وہ لوگ وہاں چاول بیچا کرتے ہیں - وہ لوگ بیشتر وہابی ہیں اور ان میں بعض بعض مقدور والے ہیں - چمڑے کا کاروبار کرتے ہیں -

ڈھاکہ میں اور ایک قوم ہے پیر پرست - ان کا عقیدہ اس قسم کا ہے کہ پیر کے ہاتھ پر بیعت کرنے ہی سے اس کو بہشت میں داخل کرنا خدا پر فرض ہو جائیگا - اور وہ لوگ پیر کو [۱۹۴] خدا و رسول سے بڑھکر جانتے ہیں - بعض مردود نے کہا کہ اللہ میاں جب کسی کام میں اٹکتے ہیں تو ان کے پیر سے کہتے ہیں ان کا پیر اس کام کو انجام دیتا ہے نعوذ باللہ منہا - ان کو اللہ تعالیٰ سے یا رسول‌اللہ سے کچھ غرض نہیں ہے جو کچھ ہے پیر ہے اور نماز و روزہ وغیرہ امر و نہی سے کچھ غرض نہیں - مرید ہونے کے بعد جو گناہ چاہیں کریں کچھ مضائقہ نہیں - صرف پیر کو کچھ دیا کریں - بے تکلف نجات ہو جائیگی - ان میں سے ایک حافظ احمد ہیں - ان سے مجھ سے بڑی ملاقات تھی - میں نے ان سے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ ڈھاکہ کے بعض بعض شخص اپنے پیر کو خدا سمجھتے ہیں - اس پر انہوں نے مجھ سے کہا کہ تم بھی اپنے پیر کو خدا سمجھو - مگر کسی پر اس بات کو ظاہر نہ کرو - نعوذ باللہ منہا اور یہ لوگ اپنے پیر کو عالم‌الغیب جانتے ہیں - ایک دن مولوی عبیداللہ صاحب کے مکان پر حافظ احمد صاحب سے مجھ سے اس بارے میں بڑی گفتگو ہوئی - وہ اپنے پیر کو عالم‌الغیب کہتے تھے - اس پر میں نے ان کو کہا کہ جو شخص ایسا عقیدہ رکھے وہ کافر ہے - اس روز سے میں نے ان کی ملاقات اللہ کے واسطے ترک کردی - ان لوگوں کے پیر بھی

جاهل هیں اور مرید لوگ پیروں کو سجدہ کرتے هیں اور اس کا نام قدم بوسی رکھا ھے - ان کے پیروں میں ایک شخص شاہ نجیب اللہ شہبازی نامی تھے - انہوں نے اپنے مریدوں کو بتلایا تھا کہ نماز میں رکوع کے وقت سبحان ربی العظیم کے بعد بادشاہ نجیب اللہ اور سجدہ میں سبحان ربی الاعلی کے بعد بادشاہِ نجیب اللہ پڑھا کریں (نعوذ باللہ منہا) - اس مسلئہ کو

[۱۹۵] خواجہ عبدالغفار صاحب نے مولوی محمد نعمان سے دریافت کیا تھا - انہوں نے کہا کہ جو ایسا کریگا وہ کافر و مشرک ہوگا - یہ بات مجھ سے مولوی محمد نعمان صاحب نے کہی تھی -

ڈھاکہ میں عورت و مرد دونوں میں تماشہ بینی اور شراب کا بہت چرچا ھے اور بیشتر مسلمان مہوس هیں اور شراب پینے میں مطلق عیب نہیں ھے -

بہت سے وکیل اور مختاروں سے معلوم ہوا کہ پیچیدہ مقدموں میں جب کسی کو گواہی دینی پڑتی ھے تو پہلے اظہار کا ایک مسودہ تیار ہوتا ھے اور گواہ اس کو یاد کر لیتا ھے - بعد ازاں گواہی دیتا ھے - یہاں اور سارے پوربی بنگالہ میں جھوٹ گواہی دینے کا اور جھوٹ کہنے کا بڑا رواج ھے اور عیب نہیں -

ڈھاکہ میں رہنے کے حال میں نواب مبارک علی شاہ بہادر مرشد آبادی اور حکیم غلام رضا خان صاحب دھلوی ڈھاکہ کے سیر کو آئے تھے اور میرے مکان میں ٹھہرے تھے - پھر سلہٹ کو چلے جاتے تھے -

دھلی کا تیسرا سفر

ڈھاکہ میں رہنے کے دنوں میں ولیعہد پرنس آف ویلز بہادر کلکتہ میں رونق افروز ہوئے اور بڑا دربار ہوا - میں بھی اس میں شریک تھا - اس دفعہ کلکتہ میں بہت سے امراء و رؤسای ھند و بنگالہ سے ملاقات ہوئی

جنکے ناموں کی تفصیل موجب طول کلام ہے - [۱۹۶] ڈھاکہ سے ایک بار میں رخصت لیکے تبدیلی آب و ہوا کیلئے دہلی کو گیا تھا - وہاں سے لکھنو، فیض آباد ہوتا ہوا بنارس کو گیا - وہاں نواب محمد حسن خان صاحب کے مکان پر ٹھہرا اور بنارس کی سیر کر کے کلکتہ ہوکے ڈھاکہ کو چلا آیا - اس دفعہ دہلی میں شہزادہ مرزا عبدالغنی صاحب متخلص بہ ارشد سے ملاقات ہوئی - ایک دن میں اور وہ حکیم محمود خان صاحب کے مطب میں جاتے تھے - راستے میں ایک جگہ بار برداری کے بہت سے گدھے لدے ہوئے کھڑے تھے اور راستہ بند ہوگیا تھا - میں نے مرزا صاحب سے کہا کہ آپ کے دہلی میں گدھے بہت ہیں - مرزا صاحب سنکے مسکرانے لگے - اس دفعہ دہلی کے رہنے کے ہنگام میں میں نے حکیم غلام نبی خان صاحب سے گفتگو کی اور کہا کہ وہ کلکتہ میں آ کر مطب کریں اور وہ راضی ہو گئے - بعد ازاں جب میں کلکتہ آیا تو معلوم ہوا کہ نواب مہدی صاحب رئیس چیت پور بیمار ہیں - اس میں نواب صاحب موصوف سے حکیم غلام نبی خان صاحب کے بارے میں گفتگو ہوئی اور حکیم صاحب کی تنخواہ ڈیڑھ سو روپے مقرر ہوئی - بعد ازاں ان کو خبر دی گئی - وہ دہلی سے کلکتہ میں آئے اور خوب خوب علاج کیا - ابھی حکیم صاحب موصوف مہاراجہ دربھنگہ کی سرکار میں ہزار روپیہ ماہانہ پر نوکر ہیں -

بیربھوم میں تبادلہ

میں ڈھاکہ میں چار برس تک رہا - بعد ازاں میری بدلی بیربھوم میں ہوئی - میں نے ۱۰ اپریل ۱۸۷۹ء ڈھاکہ میں چارج دیکر کلکتہ ہوکر اٹھائسویں ماہ اپریل [۱۹۷] ۱۸۷۹ء (اٹھارہ سو اناسی عیسوی) کو بیربھوم

میں جاکے چارج لیا - وہ جگہ نہایت گرم ہے - وہاں سید عبداللہ صاحب کرمانی سے ملاقات ہوئی - وہ حضرت شاہ عبداللہ کرمانی قدس سرہ کی اولاد میں ہیں اور حضرت شاہ شرف الدین یحیٰ منیری کے مریدوں میں تھے - ان کا مزار اس ضلع میں موضع خوش ٹکڑی میں ہے - وہاں منشی عبدالسبحان صاحب زمیندار سے ملاقات ہوئی تھی - وہاں اور لوگوں سے بھی ملاقات ہوئی - بیربھوم سے تین کوس کے فاصلے پر ایک مجذوب فقیر صاحب کمال ہیں - بارہا ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان کی کرامتوں کا شہرہ ہے اور ان کی خدمت میں مرشد آباد کی نواب زادی اور دور دور کے لوگ بھی آتے ہیں - چنانچہ میرے وہاں رہتے مولوی عبدالملک صاحب مصاحب نواب محمد علی خاں سابق، نواب ٹونک، بنارس سے آئے تھے اور میرے مکان پر ٹھہرے تھے اور ان سے مجھ کو تعجب ہوا کہ وہ غیر مقلد یعنی وہابی تھے اور انہوں نے مجھ سے بیان کیا کہ وہ جو شاہ صاحب سے ملنے گئے تو ان پر ایک ہیبت طاری ہوئی تھی اور وہ کہتے تھے کہ یہ علامت اولیاء اللہ کی ہے کہ ان کی ہیبت دل میں سما جاتی ہے - شاہ صاحب موصوف کی بہت سی کرامتیں وہاں مشہور ہیں اور بعض کرامت میں نے بھی دیکھی ہے -

وہاں میرے جانے کے بعد ایک مقدمہ ٢١١ دفعہ کا میرے پاس آیا - میں نے اسامی کو دورہ سپرد کیا - میرے عملہ نے کہا کہ آج تک اس ضلع میں ٢١١ دفعہ کے مطابق کسی شخص کو سزا ہوئی نہیں یعنی [١٩٨] جو اسامی دورہ سپرد ہوا ہے وہ وہاں سے چھوٹ گیا ہے اور جس اسامی کو خود مجسٹریٹ نے سزا دی ہے وہ اپیل میں رہا ہوگیا ہے - میں نے بہت سے پرانے مقدمات نکلواکے دیکھے - سب کا یہی حال تھا -

دو چار روز کے بعد ایک دن وہاں کے وکیل سرکار نے مجھ سے کہا کہ آپ کی عدالت کا اول مقدمہ ہے جو صاحب سیشن جج کی عدالت میں جاتا ہے۔ یہ اچھا نہیں کیونکہ وہاں ۲۱۱ دفعہ کا مقدمہ کا اسامی برابر چھوٹ جاتا ہے۔ بعد ازاں انہوں نے یہ بھی کہا کہ اگر جج صاحب اسامی کو چھوڑ دیں گے تو آپ کی رائے کو رد کیونکر کریں گے کہ آپ کی رائے بہت مضبوط ہے اور سخت موجہ ہے۔ میں سنکے چپ رہا۔ جب دورہ کا دن آیا صاحب سیشن جج بہادر نے اس مقدمہ کے اسامی کو تین سال کی قید کی سزا دی۔ یہ اول مقدمہ تھا اور صاحب سیشن جج بہادر نے مجھ کو پورا اختیار دینے کے لئے گورنمنٹ میں لکھا اور مجھ کو پورا اختیار پھر مل گیا۔

وہاں ایک مقدمہ خون کا ہوا اور میرے پاس سپرد ہوا اور گواہوں نے گواہی دی کہ مہلوک علی‌الصباح مسجد سے نماز پڑھ کے آتا تھا۔ راستے میں اسامی نے اس کے پیچھے سے جاکے اس کے گلے میں انگوچھا لگا کے گرا دیا اور انگوچھے کو مروڑا کہ اس کا دم نکل گیا۔ اسی وقت اور دو تین شخصوں کو بلایا اور اسکی نعش کو لیکے ایک درخت میں لٹکا دیا تاکہ لوگ سمجھیں کہ اس نے خود پھانسی لگا کے خودکشی کی ہے اور عملہ پولیس نے ایسے آدمی سکھا کے [۱۹۹] اس مقدمہ میں چالان کئے کہ ان لوگوں نے کہا کہ وہ لوگ قاتل کیساتھ اس کے کہنے پر نعش کو درخت میں لٹکا دیا تھا۔ اور مشہور ہوگیا تھا کہ قاتل نے مہلوک کو مار ڈالا ہے اور قاتل مہلوک کا بھتیجا تھا اور دونوں میں برابر سے عداوت تھی۔ اور دونوں میں بہت سے مقدمات ہوئے تھے اور برابر قاتل جیتتا تھا اور مہلوک ہارتا تھا۔ میں نے جو گواہوں کا اظہار لیا تو مجھ کو

ان کا بیان غلط معلوم ہوا اور معلوم ہوتا تھا کہ سکھائی باتیں کہتے ہیں اور میں جو مختاران مدعی اسامی کی طرف سے کچھ کہتا تھا ان کو اور میرے عملوں کو ناگوار معلوم ہوتا تھا کہ ان کو یقین تھا کہ اسامی نے مہلوک کو مار ڈالا ہے - اس مقدمہ میں سول سرجن کی زبان بندی کی ضرورت تھی - اس لئے ایک اور تاریخ مقرر ہوئی اور اس روز سول سرجن نے گواہی دی - انہوں نے بیان کیا کہ مہلوک نے خودکشی کی تھی - اس پر اہالیان پولیس چھوٹے بڑے سب ناراض ہوئے اور سبب یہ تھا کہ سول سرجن اسی ملک کے رہنے والے تھے اور ولایت میں امتحان دے کے سول سرجن ہوئے تھے - بعد ازاں مقدمہ تیار ہوگیا - تب میں نے صاحب مجسٹریٹ بہادر سے ملاقات کی اور اس مقدمہ کا ذکر آیا - میں نے کہا کہ وہ مقدمہ اس قابل نہیں ہے کہ دورہ سپرد کیا جائے کیوں کہ دورہ میں اسامی چھوٹ جائے گا - مجسٹریٹ صاحب نے کہا کہ مشہور ہے کہ اسامی نے مہلوک کو مار ڈالا ہے - میں نے کہا کہ شہرت ثبوت میں داخل نہیں ہے - اس پر مجسٹریٹ صاحب نے [۲۰۰] مجھ سے کہا کہ آپ کا جو جی چاہے کیجئے - میں اس مقدمہ کو پھر دیکھوں گا - بعد ازاں میں نے اس مقدمہ کو ڈسمس کیا - اس وقت مجسٹریٹ صاحب نے اس مقدمہ کو منگوا کر رائے پڑھوا کے سنے اور اس مقدمہ کو انگریزی چٹھی کے ساتھ سپرنٹنڈنٹ پولیس کے پاس بھیجدیا - دوسرے روز سنا کہ خود مجسٹریٹ صاحب گیارہ بجے شب کو اس مقدمہ کی تحقیقات کے لئے مفصل میں گئے ہیں - تین چار روز کے بعد مجسٹریٹ صاحب تشریف لائے اور تحقیقات سے معلوم ہوا کہ مہلوک نے خودکشی کی تھی اور پولیس نے جھوٹی گواہی بنائی تھی - انہوں نے ان گواہوں پر حسب دفعہ ۱۹۳ پنلکوڈ جھوٹی گواہی دینے کا مقدمہ قائم کر کے سب کو دورہ سپرد کردیا اور

مجھ سے حالات بیان کئے - میں نے کہا کہ اس مقدمہ کا مدعی جو مہلوک کا بھائی تھا سزا پا نہیں سکتا کہ اس نے اور گواہوں کی زبانی مار ڈالنے کا حال سنکے نالش کی تھی - بعد ازاں وہی شخص دورہ سے چھوٹ گیا، باقی سب گواہ قید ہوگئے - اس مقدمہ کی تحقیقات میں جتنے عملہ پولیس تھے سب بدل دیئے گئے - یہاں کے صاحب ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ کی بھی بدلی ہوگئی - اس کے بعد سے صاحب مجسٹریٹ بہادر میرے کام کو بہت پسند کرتے تھے اور کام وہاں بکثرت تھا لیکن آسان، اور صاحب مجسٹریٹ نے بعض بعض چٹھیوں میں صاحب کمشنر بہادر کے پاس میرے بارے میں لکھا ہے کہ یہ عہدہ دار جتنا کام کرتا ہے آدمی اتنا کام نہیں کرتا - اس [۲۰۱] ضلع میں نیچ قوم بہت ہیں یعنی ڈوم، چمار، چنڈال، سونتال، بوری وغیرہ اور یہ سب زن و مرد شراب پیتے ہیں -

بیربھوم چھوٹا سا ضلع ہے - اس میں قریب سات سو بھٹوں کے ہے - وہاں کے لوگ سیدھے ہیں اور فریب اور مقدمات کے پیچ بہت کم جانتے ہیں - بیربھوم میں رہنے کے وقت مولوی نجف علی خان صاحب 'خستہ' جن کا ذکر قبل ازیں ہو چکا ہے بنارس سے ملنے کو آئے تھے اور کئی روز تک میرے مکان میں ٹھہرکے تشریف لے گئے - بیربھوم میں میرے ملاقاتی شیخ احمد بخش صاحب لکھنوی نے میرے واسطے ہزاروں خربزے بھیجے تھے - میں نے وہاں حکام کو اور سب عملوں کو اور جن لوگوں سے میری ملاقات تھی سب کو دیئے - سبھوں نے تعریف کی - وہاں کے جوائنٹ مجسٹریٹ صاحب نے مجھ سے کہا کہ ایسا خربزہ کبھی کھانے میں آیا نہیں اور میں نے بھی ویسا شیریں خربزہ کبھی کھایا نہیں حالانکہ میں خود چودہ پندرہ بار لکھنؤ میں گیا ہوں - کئی بار خربزہ کی فصل میں بھی گیا تھا -

بیربھوم سولہ مہینے رہا - وہاں سے میری بدلی ضلع ہوگلی میں ہوئی اور میں نے گیارھویں ستمبر کو بیربھوم میں چارج دیکر اٹھارھویں ماہ مذکور کو ہوگلی میں جاکے چارج لیا -

ہوگلی اور اسکے بعد ڈھاکہ میں تبادلہ

وہاں پنشن یافتہ اعلیٰ صدر امین مولوی نذیر الدین خاں بہادر اور شہزادہ امیر الدین صاحب [۲۰۲] ابن شہزادہ بشیر الدین صاحب سے ملاقات ہوئی اور مولوی اشرف الدین صاحب متولی امام بـاڑہ ہوگلی سے ملاقات ہوئی - میں نے ان کو ان کے لڑکپن میں دیکھا تھا - ہوگلی میں جانے کے بعد دس گیارہ روز کے بعد میں وہاں کے تپ وبائی میں اول یا دوئم ماہ اکتوبر میں مبتلا ہوگیا اور اور ڈاکٹر صاحب کو دکھایا - انہوں نے کہا کہ یہ تپ چار مہینے کے درمیان زایل نہ ہوگی - غرض کام بھی کرتا رہا -

میں جس محلہ میں رہتا تھا وہاں بیشتر رومن کیتھولک لوگ رہتے تھے اور ہندو تھے اور مسلمان غریب آدمی بھی رہتے تھے - اکثر بیماری کے حال میں شب کو ایسا خیال بھی گزرا ہے کہ اگر میں مر جاؤں تو یہاں آخر وقت جو مجھ کو کلمہ پڑھائے ایسا بھی کوئی نہیں ہے اور میرے نوکر سب بیمار ہوکے چلے گئے، فقط فقیر بخش خانساماں میرے ساتھ رہا - وہ بھی سخت بیمار تھا اور کئی نوکر وہاں رکھ لئے - وہ بھی بیمار تھے - آخر کو بذریعہ ڈاکٹر کے سرٹیفکٹ کے چھ مہینے کی رخصت لیکے کلکتہ میں گیا اور غلام نبی خان صاحب دہلوی کا علاج کیا اور بعد خرابی بسیار شفا پائی - حکیم صاحب نے میرا علاج نہایت عمدہ طور سے کیا - بعد ازاں میری بدلی پھر ڈھاکہ میں ہوئی اور میں نے ششم

جون ۱۸۸۱ء (اٹھارہ سو اکیاسی) میں ڈھاکہ جاکے چارج لیا۔ اس دفعہ میں تین برس ڈھاکہ میں رہا۔ اس عرصہ میں نواب عبدالغنی صاحب سی، ایس، آئی اور ان کے قرابت داروں کے درمیان جو مقدمہ تھا وہ طے ہوگیا [۲۰۳] یعنی صلح ہوگئی اور یہ دونوں فریق کے واسطے خوب ہوا۔ یہ صلح اس طرح پر ہوئی کہ لفٹننٹ گورنر ایشلی ایڈن بہادر ڈھاکہ میں تشریف لائے اور جہاز پر دربار ہوا۔ ہم لوگ بھی مدعو تھے اور ہم لوگ دریا کے کنارے ایک بوٹ پر تھے اور جہاز دوخانی سے لوٹ آنے سے ہم لوگ جہاز پر جائیں گے۔ وہاں بابو گنگا چرن سرکار رائے بہادر سپرنٹنڈنٹ جج بھی تھے اور مقدمہ مذکور انہیں کی عدالت میں دائر تھا۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ لفٹننٹ گورنر بہادر اگر دونوں فریق سے صلح کرنے کو کہہ دیتے تو بہت اچھا تھا اور صلح ہوجاتی لیکن اس کا ذکر کون نکال سکتا ہے۔ میں نے کہا آپ خود اس کا ذکر چھیڑیئے۔ انہوں نے کہا کہ مجھ کو اس ذکر کا کرنا مناسب نہیں۔ میں نے مولوی عبیداللہ صاحب اور ایک وکیل بابو نے جو وہاں موجود تھے سبھوں نے کہا کہ اس کا ذکر آپ ہی کو کرنا مناسب ہے کہ مقدمہ آپ ہی کے پاس ہے۔ بعد ازاں ہم لوگ جہاز پر گئے۔ انہوں نے خود لفٹننٹ بہادر سے اس کا ذکر کیا اور خواجہ عبدالعلیم صاحب بھی بلائے گئے اور دونوں فریق میں صلح کی بات ہوئی اور اسی روز شب کو نوشت و خواند ہوکے صلح ہوگئی۔

انہیں دنوں میں مولوی کبیرالدین احمد صاحب کلکتہ سے ڈھاکہ کو گئے تھے ان سے جناب اخو صاحب سے عداوت ہے۔ وہ ایک دن تیسرے پہر کو مجھ سے ملنے کو گئے [۲۰۴] اور مجھ سے کہا کہ میں جو آپ کے مکان میں آپ سے ملنے کو آیا ہوں۔ اس سے آپ ناراض تو نہیں۔

اس پر میں نے ان سے ہنسی سے کہا کہ مسا را چہ ازیں قصہ کہ گاو آمد و خر رفت - اس پر مولوی صاحب مذکور اور احباب جو اس وقت موجود تھے سبھوں نے ہنس دیا - کلکتہ میں بھی میں نے ان پر کلباً کبیراً کی پھبتی کہی تھی -

ڈھاکہ میں شہزادہ مرزا رحیم الدین دھلوی متخلص بہ حیا کی صاحب زادی سے ملاقات ہوئی - ان کو شطرنج میں کمال تھا - کچھ شعر بھی کہتی تھی -

مدنی پور میں تبادلہ

اس دفعہ تین برس بعد میری بدلی مدنی پور میں ہوئی اور ششم ماہ جولائی ۱۸۸۴ء (اٹھارہ سو چوراسی عیسوی) میں ڈھاکہ میں چارج دیکر ۲۹ ماہ مذکور کلکتہ ہوکے مدنی پور میں جاکے چارج لیا - وہاں شاہ عبدالباسط صاحب حضرت شاہ راجہ معروف بہ حضرت چندن شہید کی اولادوں میں ہیں - ان سے اور مولوی محمد علی صاحب وکیل و مولوی مبارک علی صاحب وکیل برادران بزرگ مولوی عبیداللہ عبیدی صاحب و مولوی سید محمد خان صاحب زمیندار وغیرہ لوگوں سے ملاقات ہوئی - یہ ضلع بھی مثل ضلع بیربھوم کے ہے اور اسی قسم کے لوگ یہاں ہیں - مگر یہ ضلع بہت بڑا ہے - یہاں کے لوگ بھی سیدھے [۲۰۵] ہیں اور اس ضلع کے لوگ اوڑیہ بھی جانتے ہیں اور لہجہ بھی یہاں کا کچھ اوڑیہ سے ملتا ہوا ہے اور لوگ بہت غریب ہیں - میرے پاس جو کہار نوکر تھے یہ لوگ اپنی تنخواہ روزانہ لیتے تھے - میں نے شاہ چندن شہید اور حضرت بالا شہید قدس سرھما کی مزار کی زیارت کی ہے - مدنی پور میں لنگور بہت ہیں - میں نے ایک

خط میں میرے دوست جناب مولوی عبیداللہ صاحب مدنی پوری کو لکھا کہ مدنی پور میں آدمی کم ہیں لنگور بہت ہیں اس پر انہوں نے جواب میں لکھا کہ بہت شہر میں گدھے بہت ہوتے ہیں ۔

مدنی پور میں رہنے کے حال میں میرے احباب میں مولوی عبیداللہ مرحوم، حکیم اشرف علی مرحوم، نواب ضیاء الدین خان مرحوم دھلوی، حافظ نعمت اللہ مرحوم واعظ کا انتقال ہوگیا ۔ مجھ کو ان لوگوں کے مرنے کا بہت رنج اور صدمہ ہوا ۔ مدنی پور میں چودہ مہینے تک رہا ۔ بعد ازاں تپ وبائی میں مبتلا ہونے کے سبب سے دوم ماہ اکتوبر ۱۸۸۵ء (اٹھارہ سو پچاسی عیسوی) کو تین مہینے کی رخصت لیکے دھلی کو گیا ۔ قبل ازیں میں اور تین بار دھلی کو گیا تھا لیکن اس دفعہ جو گیا تو دیکھا کہ وہاں کے بعض بعض ہندو مسلمان انگریزی کپڑے پہننے لگے ہیں ۔ اس دفعہ دھلی میں نواب مرزا خان داغ سے خوب ملاقات رہی ۔ ایک بار انہوں نے ہنسی ہنسی میں مجھ سے کہا کہ آپ نے [۲۰۶] دغا کی ۔ میں نے کہا کہ نساخ میں تو دغا نہیں بلکہ داغ میں دغا ہے ۔ داغ دغای مجسم ہے ۔

دھلی میں بدایون کے کرنل حشمت علی خان صاحب کرنل فوج مہاراجہ جودھ پور سے بھی ملاقات ہوئی ۔ بڑے ظریف آدمی ہیں ۔ یہ بھی دھلی میں علاج کرنے کے لئے آئے تھے ۔

تیسری بار ڈھاکہ میں تبادلہ

دھلی میں اخباروں میں دیکھا کہ نواب صدیق حسن خان اپنے عہدہ سے معزول ہوئے اور خطاب نوابی و سلامی ان سے چھین لی گئی ۔ علاج کر کے صحیح ہوگیا اور رخصت کے کئی دن باقی رہتے کانپور، لکھنؤ،

آله آباد ہوتا ہوا کلکته میں آیا - معلوم ہوا که میری بدلی ڈھاکه میں ہوگئی ہے - چنانچه میں ڈھاکه کو گیا اور ۳۱ ماہ دسمبر ۱۸۸۵ء (اٹھارہ سو پچاسی) کو چارج لیا اور کام شروع کیا - گیارہ یا بارہ جنوری ۱۸۸۶ء (اٹھارہ سو چھیاسی) کو بھوپال سے جناب اخو صاحب قبله نے مجھ کو تار دیا که وہ قایم مقام وزیر ریاست بھوپال مقرر ہوئے - اس خبر کے سننے سے بہت دوست آشنا ہندو مسلمان خوش ہوئے - میں شکر خدای تعالی کا بجا لایا - اس عرصه میں محکمه منشی گنج کے ڈیپوٹی مجسٹریٹ نے تین ہفته کی رخصت لئے اور میں ان کے کام پر مقرر ہوا اور پندرھویں ماہ فروری کو منشی گنج میں جا کے چارج لیا - وہاں رہنے کا مکان [۲۰۷] ایک قلعه پر ہے اور بہت خوبصورت ہے - وہ قلعه برگیوں کے اور مرہٹه کے خوف سے قبل تسلط صاحبان انگریز بنایا گیا تھا -

ان دنوں چند مقدمے کئی زمینداروں میں منشی گنج کے محکمه میں دایر تھے - ایک دن ڈاک میں ایک خط آیا - اس میں میرے برادر زادے مولوی ابوالفضل محمد عبدالرحمان بیرسٹر - اٹ - لا نے بابو سری ناتھ کنڈو کو ایک ملاقاتی چٹھی میرے نام کی دی تھی که وہ اس چٹھی کو لے کر مجھ سے ملاقات کریں - وہ چٹھی میں نے پڑھ کر سرشته دار سے پڑھوائی اور بابو سری ناتھ کنڈو کے مختار عام سے کہا که بابو سری ناتھ کنڈو نے یه خط کلکته سے منگوایا ہے اور وہ خود ملاقات مجھ سے ملاقات کرنے کے لئے کرنے کو آئے نہیں - خط مذکور کو ڈاک پر بھیجدیا - اس کے کیا معنی - مختار مذکور ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگا - میں نے اس سے کہا که آپ چھتیس برس سے مختاری کرتے ہیں اور اس کے مطلب کو سمجھتے نہیں، تعجب ہے - میں آپ کو سمجھا دیتا ہوں - یعنی بابو سری ناتھ کنڈو کے

کئی مقدمے سنگین میری عدالت میں دایر ہیں اور انہوں نے اس خط کو ملاقات کرنے کے بہانے سے منگوا بھیجا ہے تاکہ میں سمجھوں کہ میرے برادر زادہ سے ان سے خصوصیت ہے اور میں ان کے مقدمہ میں ان کی خاطر کروں ورنہ اور کوئی وجہ اس خط کے ڈاک پر بھیجنے کی [۲۰۸] نہیں ہے اور یہ قاعدہ بھی نہیں ہے کہ ملاقاتی خط خود نہ لاوے اور ڈاک پر بھیجدے اور میں نے یہ بھی کہدیا کہ بابو سری ناتھ کنڈو کو اس خط کے بھیجنے سے ذرہ بھر نفع نہ ہوگا کہ انہوں نے جس خیال سے بھیجا ہے وہ خیال باطل ہے - مختار مذکور سنکے چپ ہوگیا -

بعد ازاں میں کشتی پر مفصل کو چلا گیا - کئی دن کے بعد ایک مولوی صاحب جن سے مجھ سے آگے بھی ڈھاکہ میں ملاقات ہوئی تھی اور وہ گانٔوں میں وعظ کیا کرتے تھے مجھ سے ملنے کو آئے اور کہا کہ وہ کارتک پور میں تھے - خاص کر کے مجھ سے ملنے کو آئے ہیں - اس وقت میں کچہری کرنے کو کشتی سے اتر کے خیمہ میں جاتا تھا - میں نے ان سے کہا کہ مجھ کو اس وقت فرصت نہیں ہے - وہ چلے گئے اور اسی روز پھر شام کے بعد میری کشتی پر آئے اور ادھر ادھر کا ذکر کر کے مجھ سے کہا کہ ایک عورت نے ان کے ایک خلیفہ کے نام پر جھوٹ نالش کی ہے اور پولیس نے اس مقدمہ میں ان کے خلیفہ کو بمنزلہ اسامی چالان کیا ہے - میں نے کہا اگر جھوٹ مقدمہ ہے تو ان کا خلیفہ چھوٹ جائیگا اور اگر اس پر جرم ثابت ہوگا تو وہ قید ہو جائیگا - مولوی صاحب نے کہا کہ اگر جرم ثابت ہو تو اس کو قید نہ کر کے جرمانہ کر کے رہا کردیا جائے تو بھی اچھا ہے - میں نے کہا کہ جرم ثابت ہوگا تو وہ شخص ضرور قید ہو جائیگا - [۲۰۹] انہوں نے کہا کہ اگر

ایسا ہوگا تو بڑا ضرر ہوگا - میں نے کہا کہ ان کا ضرر ہو تو ہو کچھ چارہ نہیں - بعد ازاں مولوی صاحب اس روز چلے گئے - دوسرے روز وہ مقدمہ پولس سے آیا اور گواہوں کے اظہار سے ثابت ہوا کہ ایک شخص کی زوجہ کو خلیفۂ مذکور اور دو تین آدمی مل کے اس کے گھر سے پکڑ کے لیگئے اور اس سے زنا بالجبر کر کے چھوڑ دیا - وہ عورت اور اس نے زنـا کا ذکر شرم سے کیا نہیں اور جس وقت اس کو پکڑ کے لیجاتے ہیں اس وقت سوائے تین عورتوں کے اور کوئی گھر میں موجود نہ تھا - میں نے اس پر پنلکوڈ کی ۳۷۶ دفعہ کا جرم قایم کیا - اس نے گواہ صفائی قرار دیئے - میں نے گواہ کے نام سے ایک تاریخ مقرر کر کے سمن دیا اور خلیفۂ مذکور کو حوالات میں رکھا - بعد ازاں تین ہفتہ تمام ہوگئے - میں ڈھاکہ کو چلا آیا اور سفارش کی بات اجلاس پر سب سے کہدی اور کاغذ مقدمہ میں بھی لکھدی -

میری رائے یہ ہے کہ جو حاکم ہے زیا ہے وہ اپنے اختیار سے کچھ نہیں کر سکتا ہے کہ بارہا ایسا اتفاق ہوا ہے کہ بعض بعض مقدموں میں اسامی کو چھوڑ دینے کو جی چاہتا تھا لیکن اسامی کو سزا ہو ہی جاتی تھی اور بعض بعض مقدموں میں اسامی کو سزا دینے کو جی چاہتا تھا مگر آخر میں ایسی صورت نکلتی تھی کہ اسامی چھوٹ جاتا تھا اور یہی حال کلکٹری کے مقدموں کا بھی ہوتا تھا [۲۱۰] کہ سلہٹ، بریسال وغیرہ پورب کے ضلع کے لوگوں کو نہ خدا کا خوف ہے نہ رسول کا خوف ہے، نہ آدمیوں کا خوف ہے اور نہ محبت، نہ مروت کچھ نہیں - زن و شوہر میں، باپ بیٹی میں، ماں بیٹی، بھائی بھائی میں، بہو بہو میں جو محبت ہونا چاہئے نہیں ہے - سب کو فقط روٹی کی فکر ہے - ہر شخص

چاھتا ھے کہ جو کچھ ھے میرے ھاتھ آوے اور دوسرے عزیز و اقرباء میرے دست نگر ھوں - بیشتر لڑکے اپنے والدین کو ستاتے ھیں - بیشتر مرد اپنی زوجہ کے کابین کی فکر میں رھتے ھیں - جب پاتے ھیں پھاڑ ڈالتے ھیں -

ڈھاکہ میں طلاق بالخیار کا بڑا رواج ھے یعنی عورتوں کے ھاتھ میں طلاق ھے اور اگرچہ شرعاً جایز ھے لیکن بعض محل و موقع پر اس سے بڑے فساد اٹھتے ھیں - یہ رواج سلھٹ میں بھی ھے مگر کم ھے اور سلھٹ والے ڈھاکہ والوں کے مقلد ھیں - میں نے دھلی سے سلھٹ تک اور کہیں یہ بات دیکھی نہیں -

ایک باغ میں کسی تہوار میں ھر قسم کے لوگ جمع ھوئے تھے اور سیر کرتے تھے - جا بجا ناچ بھی ھوتا تھا اور تماشے بھی ھوتے تھے - لوگ دیکھتے پھرتے تھے - اس میں ھم لوگ چند شاعر ایک طرف سے دوسری طرف جاتے تھے اس میں چند بزرگان کشمیر ھم لوگ جدھر جاتے تھے اس طرف سے آتے تھے - اس میں ایک بزرگ نے ھم لوگوں سے مخاطب ھو کے .... (۱)

(۱) قلمی نسخہ یہیں ختم ھو جاتا ھے -

اشاریے :

اشخاص

الف

ابو اسماعیل ۱
ابو عبداللہ ۱
ابوالفضل محمد عبدالرحمن ۱۷۵
ابی عبداللہ خان بہادر، میر ۱۲۱
احمد بخش سوداگر ۹۶
احمد حسین، منشی ۱۵۸
احمد علی، مولوی ۹۶
اظہر مرحوم، مولوی ۵
اشرف علی، ڈاکٹر ۹۶
اشرف علی، میر ۹۶
آغا محمد، حکیم ۳۶
آغائی صاحب ۹۶، ۹۷
اکبر بادشاہ ۹۶
الائچی رام طالب ۵۲، ۵۳
الکزنڈر (الکزنڈر کمشنر) ۵۸
امجد علی خان ۷۶
امجد علی، مولوی ۷۶
امداد علی خان بہادر، مولوی ۱۰۵، ۱۱۵
امیرالدین صاحب، مولوی ۱۲، ۱۳
امین اللہ خان (منشی عمو خان) ۹۳
انعام اللہ خان بخشی ۹۳
اولاد علی، مولوی ۱۳۵
ابوالحسن ۷۵
ابو عبیداللہ قیرانی ۲
ابوالقاسم محمد ۹۲
احسن اللہ خان بہادر، نواب ۱۴۷، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۵، ۱۵۶
احمد، مولوی ۵۵، ۸۵
احمد کبیر، حافظ ۳۰
اشرف الدین، مولوی (متولی امام باڑہ ہوگلی) ۱۷۱
اشرف علی، میر ۱۲
آغا احمد اصفہانی ۸۹
اکالی شاہ بزرگ ۵۸، ۶۲
اکبر علی ۳۰، ۳۱
الزبیتھ (زوجۂ کاول صاحب) ۱۸
الٰہی بخش (پیشکار) ۳۰
امجد علی لکھنوی ۳۱
امداد علی بحر ۹۶، ۹۷
امیر خسرو ۹۴، ۹۵
امیر علی خان بہادر، نواب ۳۲، ۱۶۰
امیرالنساء خاتون ۱۵۱، ۱۵۲
امین الدین، منشی (پیشکار) ۱۱، ۵۱
انور مرزا ۹۴
ای۔ بی۔ کاول ۱۷، ۱۸، ۲۱، ۲۲، ۲۳،

اے۔ پی۔ گریٹ صاحب ۱۰۸

۴۶، ۴۷، ۸۸، ۳۴،

ایشلی ایڈن (لفٹننٹ گورنر) ۱۷۲

ب

باقر لکھنوی ۳۱

بالا شہید، حضرت ۱۷۳

بلاق چندر رائے ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۷

بہرام بغدادی، سید ۲، ۳

پ

پرنس - آف - ویلز (ولیعہد انگلستان) ۱۶۵

پڑاق شاہ مجذوب ۳۹

پیرو خانساماں ۳

پھیرو داس جوہری ۲۷

پیرو میاں سجادہ نشیں ۷۶

پیکاک صاحب (کمشنر ڈھاکہ) ۱۶۲

ت

تاج علی خان ۱۰۱

تجمل علی، میر (زمیندار) ۵۲، ۵۳

ث

ثمین الدین احمد (صدر امین) ۵۱، ۵۷

ج

جارج کمبل (لفٹننٹ گورنر) ۱۳۰

جامی، مولانا ۷۳

جمیل لکھنوی، مولوی ۱۱۸

جوان بخت مرزا معروف بہ مرزا جہاندار شاہ ۷۷

جوہر علی دیوان ۱۳۱

جیون سنگھ کھتری، لالہ ۵۴

چ

چرنجیت رائے ۱۰۶، ۱۰۷

چودھری دوست محمد خان ۷۶

ح

حاجی محمد محسن ۸

حافظ احمد ۱۵۹، ۱۶۴

حالی، الطاف حسین ۹۴
حسن عسکری (سرشتہ دار) ۱۰۷
حسن عسکری، مولوی ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵
حشمت علی خان، کرنل ۱۷۴
حضرت جلال مجرد یمنی ۱۴۴
حکیم احمد مرزا ۶۷
حکیم مہدی ۱۱۵، ۱۱۶،
حمید بخت سامی ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۶، ۱۴۷
حسن خاں (شعبدہ باز) ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶
حسن مرزا، حکیم ۱۳
حسن نواز ناظر ۱۳۲
حضرت ترکمان ۹۵
حضرت سرمد ۹۵
حکیم شریف خاں دہلوی ۱۱۹
حمیدالدین ناگوری ۹۵
حیدر خاں دہلوی ۱۳۲
حیدر علی، حکیم ۱۳
حیدر (منشی مصطفے حیدر) ۱۰۳

خ

خاقانی ۸۳
خالد بن ولید ۱
خلیل میاں (منجم) ۱۱۸
خواجہ امان اللہ ۹۴
خواجہ حبیب اللہ ۱۵۹
خواجہ حسین علی خان ۳۰، ۳۱
خواجہ عبدالحلیم ۱۲
خواجہ عبدالغفار ۱۶۵
خواجہ علی یوسف خان ۳۹
خواجہ میر درد ۹۵
خواجہ ناصر عندلیب ۹۵
خواجہ نبی بخش ۹، ۱۰
خوججی صاحب دہلوی ۱۳۳
خالد بن نصر ۱
خان محمد ۶۶
خواجہ اسد قلق ۳۹
خواجہ بدرالدین ۹۴
خواجہ حسن جان ۳۴
خواجہ سلطان جان ۳۱، ۳۴
خواجہ عبدالعلیم ۱۷۲
خواجہ عزیزالدین ۳۹
خواجہ علیم اللہ ۱۲
خواجہ میرن جان ۳۰، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸
خواجہ وزیر ۶۹
خورشیدالدولہ بہادر، نواب ۸۴

د

درشن سنگھ ۱۰۶، ۱۰۷
درگا بابو ۱۱۷
دوست علی خلیل ۶۷، ۷۰، ۷۱

ڈ

ڈلرمیل صاحب (کمشنر بھاگلپور) ۱۳۰

ر

رام چرن (مختار) ۲۱
رسل صاحب ۱۴، ۲۲، ۲۳
رشید، حاجی ۱۶۲
رضای ربانی، مولوی ۱۰۹
رضی الدین خان بہادر ۵۱
رمضان علی، قاضی ۱۱۳
رئیس الدین، مولوی ۱۲، ۲۵
رحیم بخش، مولوی ۹۵
رشیدالنبی، مولوی ۹، ۳۵
رضا کریم، مولوی (زمیندار ڈھاکہ) ۱۵۰
رضوان علی ۶
رمضان‌اللہ، مولوی ۸
روساک صاحب ۱۲۵
ریکس کلکٹر صاحب ۹۴
ریلی، کرنل ۳۰

س

سرفراز علی خان ۱۰۴
سریندر ناتھ بنرجی ۱۳۴
سعد الدین احمد خان طالب ۹۳
سکھ لال بوس ۵۰
سلامت اللہ خان بہادر ۱۲
سلطان شہزادہ اعظم‌الدین ۴۶
سہراب جنگ، نواب ۱۱۲
سید اسد الدین حیدر ۹۶
سید حسین بھاگلپوری ۱۵۹، ۱۶۰
سری ناتھ کنڈو ۱۷۵، ۱۷۶
سعادت علی خان ۱۴۸
سعید بخت، حاجی ۱۳۱، ۱۳۴، ۱۴۳، ۱۴۵، ۱۴۶
سلطان شمس‌الدین التمش ۹۵
سندرلینڈ، مسٹر ۱۴۶
سید احمد عرب ۴۰، ۴۲، ۴۴
سید جان، میر ۱۲
سید محمد خان ۱۳۴

سید محمد خان ۱۷۳
سید محمود آزاد ۱۰۰، ۱۰۵، ۱۰۶
سید مہدی ۱۱۳
سیسر ناتھ رائے بہادر ۱۵۲، ۱۵۳
سید محمد خان بہادر ۹۶
سید موسیٰ رضا ۱۱۳
سید ولایت علی خان ۱۱۲
سینٹ جارج، کپتان ۱۷، ۱۹، ۳۶، ۳۷، ۳۸

ش

شاہ احمد ۱
شاہ بدیع الدین احمد ۱
شاہ چندن شہید ۱۷۳
شاہ خلیل احمد ۱۲۳
شاہ سید عضدالدین حسن ۱۳۴
شاہ شرف الدین یحییٰ منیری ۱۲۳
شاہ طریق اللہ مجذوب ۳۸
شاہ عباس صفوی ۲
شاہ عبدالرحیم، مولانا ۹۵
شاہ عبدالقادر، مولانا ۹۵
شاہ محسن علی ۱۲۱
شاہ مہر علی (رح) میدنی پوری ۷۶، ۷۷
شاہ نجیب اللہ شہبازی ۱۶۵
شاہ ولی اللہ ۹۵
شاہ ھرے بھرے (رح) ۹۵
شفیع الدین مفتی ۸۴، ۹۴، ۵۳
شمس الدین، مولوی ۱۲
شہزادہ اعظم الدین سلطان ۳۶
شہزادہ امیرالدین ۱۷۱
شاہ باقی باللہ ۹۵
شاہجہاں ۲
شاہ حسین علی خان ۱۰۳
شاہ رفیع الدین، مولانا ۹۵
شاہ سید محی الدین ۱۳۴
شاہ صوفی غلام حیدر ۸۶
شاہ عالم بادشاہ ۷۷
شاہ عبدالباسط ۱۷۳
شاہ عبدالعزیز، مولانا ۹۵، ۱۱۹
شاہ غلام حمید ۱۲
شاہ مرشد علی القادری (رح) ۷۷
شاہ نوری شہبازی ۸۹، ۱۵۹، ۱۶۰
شاہ وجیہہ اللہ ۱۲
شاہ ولی اللہ (سجادہ نشیں اعظم پورہ ڈھاکہ) ۱۲، ۱۵۰
شمس الدین محمد ۱
شہاب الدین خاں ثاقب ۹۳
شہزادہ الٰہی بخش ۹۴
شہزادہ بشیرالدین توفیق ۳۶، ۱۷۱

شہزادہ رحیم الدین دہلوی ۳۷

شیخ احمد بخش ۱۷۰

شیخ عبدالوہاب ولایتی ۱۳۲

شہزادہ مرزا رحیم الدین حیا دہلوی ۱۷۳

شیخ رحیم اللہ مختار ۳۱

شیخ محمد باقر فنا ۹

شیخ محمد حسین مرشد ۲۷

ص

صفدر جنگ، نواب ۸۲

صوفی محمد انصر ۱۳۲

صوفی محمد دائم ۸۶

ض

ضیاء الدین خان، نواب ۹۳، ۹۴، ۱۷۴

ضیغم، حافظ اکرام احمد ۹، ۱۰، ۲۵، ۴۰، ۴۱، ۴۶، ۱۱۹، ۱۳۳

ط

طہماسپ مرزا صفوی سلطان ۹۶

طریق اللہ جیسوری۔ ۳۱

ظ

ظفرالدولہ نواب علی اصغر خان اصغر ۳۹

ظہورالحسن خیر آبادی، مولوی ۹۴

ظہیرالدین ۱۲

ظہیر مرزا نواب ۹۴

ع

عالم علی منشی ۳۱

عباس علی خان بہادر ۱۴۷

عبدالجبار، مولوی ۲۲، ۲۳

عبدالحق خیر آبادی، مولانا ۱۳۱

عبدالحق محدث دہلوی ۹۵

عبدالحمید ۳

عباس علی خان بہادر ۱۲

عبدالباری ۳، ۷

عبدالحفیظ (مٹرو میاں) ۱۴۷، ۱۵۰

عبدالوہاب ۱، ۲

عبدالحلیم، شیخ ۳۷

عبدالحمید خان بہادر میر ۱۱

عبدالحئ، منشی ۱۰۷
عبدالرحمان ۱۲۰
عبدالرحیم صبا ۱۳
عبدالسبحان، منشی ۱۶۷
عبدالستار یسین، مولوی ۱۳۱
عبدالعزیز ۱
عبدالعظیم (گرامی میاں) ۱۲
عبدالغفار اختر ۱۳
عبدالغفور، مولوی (زمیندار گھوڑا سال، ضلع ڈھاکہ) ۱۵۳، ۱۵۴
عبدالقادر، مولوی (زمیندار) ۱۳۱، ۱۳۲
عبداللہ خان بہادر (منصف) ۱۲
عبداللہ کرمانی، سید ۱۶۷
عبداللہ لکھنوی، مولوی ۱۲۸
عبداللہ، مولوی (سپرنٹنڈنٹ مدرسہ ڈھاکہ) ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۷۲
عبدالنعیم الائچی پوری ، منشی ۵۸، ۵۹، ۱۶۱
عبیداللہ عبیدی، مولوی ۱۶۴، ۳۶، ۱۵۰، ۱۷۳، ۱۷۴
عصمت اللہ انسخ، سید ۲۸، ۶۹، ۱۶۱، ۱۶۳
علی مہدی خان، سید ۹۶
عمر دراز صاحب، سید ۱۱۶
عین الدین ۱، ۲
عبدالرحمان ۱، ۲
عبدالرحیم دہریہ ۳۶
عبدالرسول ۱، ۲
عبدالستار بردوانی ۳۱
عبدالسلام فرید پوری، مولوی ۱۵۰
عبدالعزیز عرب ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳
عبدالعلی، مولوی ۱۲، ۱۳
عبدالغفور زائر، منشی ۱۵۸
عبدالغنی، نواب ۱۲، ۲۶، ۱۵۰، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۵۷، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۷۲
عبداللہ ۱
عبداللہ خان بہادر، مولوی(صدالصدور) ۹۳
عبداللہ کرمانی شاہ ۱۶۷
عبداللہ، مولوی ۱۵۰، ۱۶۱، ۱۷۲
عبدالمالک، مولوی ۱۶۷
عبدالمجید خان، میر ۱۱
عبدو خلیفہ ۱۳۳
عبیداللہ خان مہر ۹۶
عزالدین حکیم، مولوی ۱۱۸
عزت اللہ، منشی ۴۹، ۵۰، ۵۳، ۵۴
عضدالدین (نساخ کے بھانجے) ۱۳۲
عظیم الدین، مولوی ۴۸، ۱۶۲
علی مہدی، سید ۱۲
عنایت علی، منشی ۱۲
عین الدین حیدر خان بہادر ۱۲

غ

غالب (مرزا غالب دہلوی) ۹۳، ۹۴

غلام پیر، میرزا ۱۲، ۱۳، ۱۵۰

غلام حسین مرزا گلاگیتی ۲۶

غلام سبحان، مولوی (ڈھاکہ کالج) ۱۵۰

غلام قدسی چودھری ۱۵۰

غلام مرتضیٰ خان، حکیم ۹۳، ۹۴

غفور خانساماں ۷۹

غلام حسین خاں، نواب ۹۴

غلام رضا خان دہلوی، حکیم ۱۶۵

غلام علی آغا جان صاحب ۱۲

غلام علی شاہ ۹۵

غلام عیسیٰ ۳۱، ۳۲، ۳۹

غلام مصطفیٰ، منشی ۱۶۱

غلام نبی خان دہلوی، حکیم ۱۴۹، ۱۶۶، ۱۷۱

ف

فدا علی، منشی (وکیل) ۹۶، ۱۱۳

فرزند علی، مولوی ۱۰۷، ۱۰۸

فضل احمد، مولوی ۳۰

فدا علی، مولوی ۳۲

فریدالدین خان بہادر، مولوی (وکیل) ۱۲۰

فضل حسین، مولوی ۱۱۲

فقیر بخش خانساماں ۱۱۶، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۷۱

ق

قاری محمد جاوید ۱۳۲

قاضی غلام مخدوم ۱۲

قائم علی، منشی ۵۸

قطب الدین بختیار کاکی (رح) ۹۵

قاضی رمضان علی ۱۱۸

قاضی فقیر محمد ۱

قربان علی، حکیم ۱۲، ۱۳

قطب دانشمند ۱

ک

کالے میاں ۹۴

کالی ناتھ رائے ۵۰

کالی نرائن رائے بہادر، راجہ (زمیندار، بھوال) ۱۵۱
کنگر (ہیڈ ماسٹر مدرسہ) ۲۹
کمبل صاحب بہادر (کمشنر راجشاہی) ۸۱
کمپ (مسٹر کمپ صاحب جج) ۶۴

گ

گارسن ڈی ٹیسی ۸۸
گریش بابو (زمیندار) ۱۴۳
گوبند بابو (زمیندار) ۱۴۸
گرانٹ صاحب ۴۷
گنگا چرن سرکار، رائے بہادر ۱۷۲
گھانسی پہلوان ۱۳۳

ل

لطف علی خان، نواب سید، ۹۳
لوئیس جیکسن (جج ہائی کورٹ) ۱۲۸، ۱۳۰، ۱۵۴
للت نرائن دیو ۱۰۴
لائل صاحب بہادر (مجسٹریٹ ڈھاکہ) ۱۵۴

م

ماڈ کشن صاحب سیشن جج ۱۰۰
مبارک علی شاہ بہادر مرشد آبادی ۱۶۵
مجھو بیگ عاشق ۹۷
محمد اسرائیل، منشی ۱۴۷
محمد اشرف ۱
محمد اشرف بہاری، مولوی محرر ۱۲۷، ۱۲۸
محمد اصغر، مولوی ۸
مبارک علی خان نواب ۸۳
مبارک علی وکیل، مولوی ۱۷۳
مجنون ۸۳
محمد ۱
محمد اسمعیل (برادر منشی محمد اسرائیل صاحب) ۱۵۰
محمد اشرف، مولوی (جوائنٹ مجسٹریٹ) ۱۲۹
محمد اطہر، منشی (وکیل) ۷۶

محمد اکبر، مولوی ۸
محمد باقر، سید ۱۵۰
محمد حسن شیخ ۲۸
محمد راحق شہبازی، مولوی ۸۹
محمد سلمه (پسر نساخ) ۱۲۱، ۱۳۹،
۱۴۹
محمد عالم، مولوی ۸
محمد علی خان رشکی، نواب ۶۴
محمد علی خان، مولوی ۱۲
محمد علی، مولوی ۱۷۳
محمد فضل صاحب، منشی ۹۳
محمد کاظم مرزا (داماد سید محمد
باقر صاحب) ۱۵۰
محمد لقمان ولایتی، مولوی
۱۵۰، ۱۶۱
محمد مرزا (ابن غلام پیر صاحب) ۱۵۰
محمد مصطفیٰ خان نواب شیفته
۹۳، ۱۲۰
محمد یار خان ۲۸
محمود ۱
محمود صاحب، حکیم ۱۶۶
مرزا خرم بخت ۷۷
مرزا عبدالغنی ارشد ۱۶۶
مست، حکیم اشرف علی ۱۳۱، ۱۳۳،
۱۴۳، ۱۴۵، ۱۷۴
محمد اکمل خان ۱۲
محمد جعفر خان ۱۲
محمد حاذق شہبازی وکیل ۸۹
محمد رسول‌الله صلی‌الله علیه وسلم ۷۸
محمد شریف، مولوی ۱۲
محمد صابر، قاضی ۴، ۵
محمد عبدالله حاجی، ناظر، آشفته ۱۳۱،
۱۳۶، ۱۴۵، ۱۴۶
محمد علی سید (معروف به سید جان) ۱۵۰
محمد فاضل، منشی (داروغه) ۵۰، ۵۱
محمد فیض، مولوی ۷
محمد کاظم، منشی (سابق دراوغه ڈپٹی
مجسٹریٹ) ۱۵۲، ۱۵۳
محمد محسن، مولوی ۱۳۱
محمد مراد، مفتی ۱۲
محمد مستقیم خواجه ۸
محمد واحد، میر ۳۸
محمد هادی مجموعه دار ۱۳۲
محمد یار خان (پیشکار) ۵۰
محمود خان، حکیم ۹۳، ۹۴
مرزا انیس ۱۵۸
مرزا دبیر ۱۱۲، ۱۲۰، ۱۵۸
مرزا مظهر جانجانان ۹۵
مستنصر بالله، مولوی ۱۱۷
مسیح الدین تمنا ۳۵، ۳۶

مشتری بی ۱۵۶، ۱۵۷
مظہرالحق (پسر نساخ) ۹۲
معتصم باللہ، منشی ۱۲
معین الدین صفدر خان بہادر ۲۵
مفتی صدرالدین خان بہادر، آزردہ
منشی اسماعیل حسین منیر ۱۲۰
منشی امیر مرحوم (زمیندار) ۳۵
منشی دلاور علی ۱۲، ۱۳
منشی سراج الدین ۳۰، ۳۱
منشی یوسف علی ۱۲
مولوی خدا بخش خان ۱۱۲
مولوی کبیرالدین احمد ۱۷، ۱۷۲،
۱۷۳
مولوی محمد عبداللہ مدرس، لکھنوی
۱۲۱
میرزا امیر جان ۸
میرزا محمد علی بیگ ۲۷
میر محمد علی تالپور ۲۶
میر محمد واحد چشتیہ ابوالعلای
دانا پوری ۱۵، ۱۶
مشیت اللہ، مولوی ۷۶
مظہر علی (ڈپیوٹی کلکٹر) ۵۱
معظم حسین میر ۱۲
مغل علی میرزا ۴۰
ممتاز محل، ملکہ ۹۶
منشی اعظم الدین کاکوری ۷۵
منشی بقاء اللہ ۲، ۳
منشی دیانت حسین بہاری ۱۲۳
منشی سلامت علی ۵۶
منور حسین، منشی ۱۰۴، ۱۰۵
مولوی دلیل الدین خان بہادر ۹۴، ۷۱،
۱۱۲
مولوی کرامت علی جونپوری ۸، ۵۴
مہاراج سنگھ ۱۵۰
میر تقی صاحب تحصیلدار ۱۱۸
میرزا کوچک ۱۲
میر محمد تقی ۱۲
میر محمد نواب صاحب ۱۱۲
میر مونس ۱۱۲

ن

نادر مرزا لکھنوی ۶۷
نجم الدین نادر ۱۲۳
نجف علی خان خستہ، مولوی ۷۵، ۷۹،
۸۸، ۱۷۰

نذیر الدین خان بہادر مولوی
صدر امین ۱۷۱
نساخ، عبدالغفور متخلص بہ نساخ
۱، ۱۲، ۱۷، ۳۸، ۵۲، ۷۱، ۷۲،
۷۴، ۸۳، ۱۳۸، ۱۴۳، ۱۴۰، ۱۴۴،
۱۴۷، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹
نظام الدین اولیاء (رح) ۹۵
نعمان مولوی ۱۶۲، ۱۶۵
نعمت علی خان بہادر ۹۷
ننھے میاں (ابن نواب عبدالغنی
صاحب) ۱۱۵
نواب صدیق حسن خان ۱۷۴
نواب علی قلی خان ۱۲۱، ۱۲۸
نواب محمد حسن خان ۱۶۶
نواب مرزا خان، داغ دہلوی ۱۷۴
نواب مہدی صاحب (رئیس چیت پور)
۱۶۶
نور بخش منشی ۱۶۱
نور علی، دیوان ۱۲، ۱۳

نذیر حسین، مولوی، سورج گڑھی ۴۶
نرسنگھ میاں، خواجہ عبدالحلیم ۱۲
نسیم اسحاق (یہودی) ۲۷، ۷۴
نصر ۱
نصیر الدین حیدر سامی، مولوی ۱۴۰
نصیر الدین منصف ۱۳۲
نظر علی ۵۵
نعمت اللہ، حافظ ۱۷۴
نعیم الدین، خان بہادر ۱۲
نواب سہراب جنگ ۱۲۱
نواب شرف الامراء مدراسی ۹۶
نواب عبداللطیف خان بہادر ۱، ۳، ۴، ۵،
۶، ۱۰، ۱۱، ۱۴، ۲۹، ۴۷، ۴۸، ۶۱،
۷۵، ۹۵، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۴، ۱۳۹،
۱۴۷، ۱۴۸، ۱۶۰، ۱۶۳، ۱۷۲،
۱۷۴، ۱۷۵
نواب میر صاحب ۱۲
نور شاہ ۳۹
نولکشور، منشی ۹۶

و

واجد علی داروغہ ۹۶، ۹۷
واحد علی، مولوی ۱۳
وارث علی، منشی ۱۳
واعظ ۱

واحد اللہ خان، مولوی ۶
وارث علی خان، مولوی (ڈپوٹی مجسٹریٹ)
۱۰۷
واغر ۱

واقدی ۲
وحید الدین مولوی، خان بہادر ۸۹، ۱۰۷، ۱۲۱، ۱۲۸
وزیر علی لکھنوی، نواب ۲۸
ولایت حسین، مولوی ۱۱۵
وحشت (رضا علی وحشت) ۱۰۷
وحید صاحب، مولوی ۳۲
وزیر علی، شیخ، مسلسل ۱۲۳
وفا حکیم مرزا، بزرگ شیرازی ۲۹
ولید ۱

ہ

ہارس صاحب (جوائنٹ مجسٹریٹ) ۶۱
ہدایت بخش ۱۵۲، ۱۵۳
ہمایون بخت مرزا ۷۷
ہاروی صاحب (مجسٹریٹ) ۴۹، ۵۷، ۶۳
ہرچندر گھوش ۵۰، ۵۱، ۶۲
ہنری ونسنٹ بیلی ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۳۶، ۳۷، ۴۷، ۴۸

ی

یعقوب یہودی ۴۷، ۷۵
یوسف علی خان ۹۳

نام مقامات

الف

آره (ضلع شاه آباد) ۸۰، ۱۰۶، ۱۰۷

اعظم پوره ۸۶

آگره ۹۶

اله آباد ۹۳، ۱۲۰

انگاریه ۵۴

اڑیسه ۴۰

افریقه ۱۲۵

الائچی پور ۱۱۷

امرتسر ۵۲

اورنگ آباد (دکن) ۴۹

ایران ۲

ب

بارک پور ۴۲، ۴۷

بانکا ۸۸، ۹۰، ۹۲، ۹۳، ۹۹، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷

بڑوپوا موضع ۵۶

بغداد ۲

بلیا ۱۱۸

بنگاله ۲، ۶۴، ۶۵، ۸۰، ۹۷، ۱۶۵

بہار ۸۹، ۱۱۷، ۱۳۲

بھوپال ۱، ۱۷۵

بھوسنه ۲

بیربھوم ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲

باره کھاده ۲

بدایون ۱۷۴

برما ۱۴۰

بریسال ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۱۲۱، ۱۷۷

بنارس ۴۴، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۷۰

بنگله موضع ۱۳۶

بھاگلپور ۳۱، ۸۹، ۹۳، ۱۰۰، ۱۰۲، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۸، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۹، ۱۵۹

بیست و چہار (۲۴ پرگنه) ۳۵، ۷۱

پ

پٹنہ ۹۳، ۱۰۷، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۲۱، ۱۵۰
پورنیہ ۱۲۳
پنجاب ۵۳
پنڑوہ (مقام سلہٹ) ۱۳۶
پیروز پور ۶۵

ت

ترہٹی بازار ۲۵

ٹ

ٹونک ۱۶۷

ج

جودھپور ۱۷۴
جہان آباد (متعلقہ ہوگلی) ۱۵۹
جئے پور ۱۰۳
جوڑا گھاٹ ۷
جہانگیر نگر ۱
جیسور ۵۶
جل ڈوب (سلہٹ کا ایک مقام) ۱۳۶

چ

چھپرہ ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰
چندر نگر ۴۷
چین ۱۳۷
چانک ۲۴

ح

حسین آباد لکھنؤ ۹۷
حسین آباد (ضلع چھپرہ) ۱۱۹

خ

خوش ٹکری موضع ۱۶۷
خیر آباد ضلع سیتا پور ۱۰۷

د

دانا پور ۱۰۷، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۳،
دربھنگہ ۱۶۶
دکن ۷۹
دمشق ۲
دہلی ۲، ۳۶، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۱۲۰، ۱۶۵، ۱۶۶

ڈ

ڈھاکہ ۱، ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۲۵، ۳۷، ۵۷، ۵۸، ۶۱، ۸۶، ۱۱۶، ۱۳۱، ۱۳۸، ۱۴۷،
۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۲، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴،
۱۶۵، ۱۶۶، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸

ر

راجشاہی ضلع ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۹،
۸۱، ۸۴، ۸۶، ۸۸، ۸۹
راجہ بینی ۲
راجہ پور ۲، ۴، ۵، ۱۰، ۱۱، ۵۶، ۵۷
رام پور بوالیا ۷۵
رانچی ۱۲۴
رنگون ۱۴۰
روس ۱۶۰، ۱۶۱
روم ۱۶۰، ۱۶۱

س

سارن ۱۰۷
سکھپالدیا ۲
سلہٹ ۵، ۶، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۳،
۱۳۴، ۱۳۶، ۱۳۸، ۱۳۹،
۱۴۰، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۷،
۱۶۵، ۱۷۷، ۱۷۸
سندربن ۶۶
سندھ ۵، ۲۶،
سوپول ۱۰۲
سیالدہ ۳۵
سیتا پور ضلع ۱۰۷

ش

شام ۲، ۴۷
شکار پور ۱۱۸

ط

طرف ۱۴۵

ع

عظیم پورہ ۱۲
علی گڈھ ۹۳

غ

غازی پور ضلع ۱۱۸، ۱۱۹

ف

فتح آباد ۱
فرید پور ۲، ۴، ۸۶
فرانس ۸۸
فیض آباد ۱۶۶

ق

قاضی بازار سلہٹ ۱۳۱

ک

کارتک پور ۱۷۶
کربلا ۲، ۹۷
کشمیر ۱۷۸
کانگا محلہ ۳
کمرلا ۷
کولو ٹولہ ۳۹، ۴۳
کانپور ۹۶، ۱۵۷، ۱۷۴
کشٹیا ۸۴
کلکتہ ۱، ۳، ۴، ۵، ۸، ۹، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۸، ۳۰، ۳۱، ۳۹، ۴۰، ۴۶، ۴۷، ۶۲، ۶۶، ۶۷، ۶۹، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۹، ۸۰، ۸۴، ۸۶، ۸۸، ۹۰، ۹۳، ۹۵، ۹۷، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۲۰، ۱۲۵، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۴، ۱۳۹، ۱۴۷، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۵، ۱۶۰، ۱۶۳، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۵

گ

گھانر ہاٹ ۸۶
گوالندو ۱۴۹

گورکھپور ۳۶
گیا ۸۹، ۱۰۳
گھوڑا سال (ضلع ڈھاکہ) ۱۵۳
گیلا چھڑا ۱۳۳

ل

لچھمی پور ۱۰۴
لشکر دیبھہ ۲
لکھنؤ ۳۹، ۶۷، ۶۹، ۹۰، ۹۶، ۹۷، ۹۹، ۱۲۰، ۱۵۵، ۱۵۷، ۱۶۵، ۱۷۰، ۱۷۴

م

مانگ گنج ۱۴۷، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۴
مچھوا بازار ۲۷، ۴۴
مدنی پور ۱۷۳، ۱۷۴
مدینہ ۲
مصر ۲، ۴۷
مگھ بازار ۱۲
منیر ۱۱۱
مٹیا برج ۶۶، ۶۷، ۷۱، ۸۸، ۱۰۴
مدرسۂ عالیہ کلکتہ ۳، ۵، ۶، ۷، ۳۰، ۱۳۱
مرشد آباد ۷۵، ۷۹، ۸۰، ۸۲، ۸۴، ۸۶، ۸۷، ۱۶۷
منشی گنج ۱۵۲، ۱۷۵
مونگیر ۱۰۱، ۱۰۵، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱

ن

ناتور ۷۶
نرائن گنج (ضلع ڈھاکہ) ۱۵۱

و

ولایت (انگلستان) ۸۸

ہ

ہند ۳۷، ۱۵۷، ۱۶۵
ہوڑہ ۶۶، ۷۴
ہندوستان ۲، ۴۹، ۱۳۳، ۱۴۰
ہوگلی ۶، ۷، ۸، ۹، ۲۵، ۱۷۱
ہیبت نگر ۳۴

ی

یورپ ۱۶۶

نام کتب

الف

ابر گہربار (مثنوی) ۹۴
ارمغان (دیوان نسّاخ) ۱۵۷
اشعار نسّاخ (دیوان) ۷۲
انتخاب نقص (دیوان نسّاخ) ۱۵۸

ب

بکاؤلی ۱۸
بوستان خیال ۹۴
بیتال پچیسی (ہندی) ۲۱

پ

پند نامۂ عطار ۷۵

ت

تذکرة المعاصرین ۱۳۸، ۱۴۳
تذکرۂ سخن شعراء ۲۵

ج

جامع التواریخ ۱، ۳

چ

چشم فیض ۷۵، ۸۸
چہار درویش ۱۸

خ

خمسۂ خسرو ۱۸

د

دفتر بے مثال ۷۵، ۸۸
دیوان حافظ ۱۸
دیوان سودا ۱۸، ۱۹

ز

زیچ بہادرخانی ۷۶

س

سخن بے مثال ۱۶۲
سخن شعراء ۸۸، ۱۲۳
سفرنگ دساتیری ۷۶

ش

شرح مُلّا ۷، ۸
شاہد عشرت ۸۸

ف

فتوح الشام ۲
فتوح المصر ۲

گ

گلستان ۱۸
گنج تواریخ ۱۴۴، ۱۵۸

م

مرغوب دل ۸۸
مطلع الانوار ۱۸
مغازی الرسول ۲
مقامات حریری ۷۶
منتخب النجوم ۳
میزان ۷

ہ

ہفت قلزم ۸۴

—*—

فہرست مندرجات

شمار نمبر		صفحہ
(۱)	حسب و نسب و ولادت	۱
(۲)	والدین کا انتقال	۳
(۳)	تیرنا سیکھنا	۵
(۴)	ابتدائی تعلیم	۵
(۵)	خط ناخن کی مشق	۸
(۶)	شعر و شاعری سے ابتدائی شوق	۹
(۷)	محرری کی ملازمت اختیار کرنا	۱۰
(۸)	بہتر اور مستقل ملازمت کی جستجو	۱۴
(۹)	مشہور مستشرق ای۔ بی۔ کاول کا نساخ سے اردو اور فارسی سیکھنا	۱۷
(۱۰)	۱۸۵۷ کا غدر اور کلکتہ	۲۳
(۱۱)	مولوی رشیدالنبی اور حافظ ضیغم سے ملاقات	۲۵
(۱۲)	علم جفر، نجوم، رمل اور عملیات کا سیکھنا	۲۶
(۱۳)	مشاہیر وقت کے ساتھ شطرنج کی بازیاں کھیلنا	۲۹
(۱۴)	شاہ طریق اللہ مجذوب اور دیگر اشخاص سے ملاقات کا حال	۳۸
(۱۵)	حسن خاں شعبدہ باز سے دلچسپ مقابلہ	۴۰
(۱۶)	عہدۂ ڈیپوٹی مجسٹریٹ پر تقرری	۴۶
(۱۷)	بریسال میں اپنے عہدے کا چارج لینا اور وہاں کی بعض دلچسپ باتیں	۴۹
(۱۸)	تعطیل میں اپنے آبائی وطن راجہ پور کا سفر	۵۶
(۱۹)	ڈیپوٹی مجسٹریٹی کے امتحان میں کامیابی	۵۷
(۲۰)	بریسال میں بندوبست کا کام	۶۲
(۲۱)	ضلع بریسال اور وہاں کی سماجی زندگی	۶۳
(۲۲)	ہوڑہ میں تبادلہ اور مٹیا برج کے مشاعرے میں شرکت	۶۶
(۲۳)	مولانا جامی کی زمین میں نساخ کی ملمع	۷۳
(۲۴)	ضلع راجشاہی میں تبادلہ	۷۵

(۲۵) راجشاهی میں برمو گیانیوں سے مباحثه ۷۷

(۲۶) راجشاهی میں کمشنر بهادر کی آمد ۸۱

(۲۷) مرشد آباد میں نواب صفدر جنگ سے ملاقات ۸۲

(۲۸) رباعیات فارسی ۸۳

(۲۹) اشعار اردو ۸۳

(۳۰) قطعه ۸۴

(۳۱) قیام راجشاهی کے دوران طوفانوں کی تباهکاریوں کا حال ۸۴

(۳۲) بانکا (بهاگلپور) میں تبادله ۸۹

(۳۳) نامه بزبان دری ۹۰

(۳۴) غزل در صنعت تلمیع ۹۱

(۳۵) ابوالقاسم شمس کی پیدائش ۹۲

(۳۶) علاج کیلئے دهلی کا سفر اور مرزا غالب سے ملاقات ۹۳

(۳۷) لکهنو میں قیام ۹۶

(۳۸) قیام بانکه کے دوران بعض دلچسپ مقدموں کا ذکر ۹۹

(۳۹) ضلع سارن (چهپرا) میں تبادله ۱۰۷

(۴۰) چهپرے میں مختلف رؤساء سے ملاقات ۱۱۵

(۴۱) علاج کیلئے دهلی کا سفر ۱۲۰

(۴۲) مونگیر میں تبادله ۱۲۱

(۴۳) مونگیر میں ایک فرنگی سے مذهبی بحث ۱۲۶

(۴۴) سلهٹ میں تبادله اور وهاں کے لوگوں کا حال ۱۳۱

(۴۵) سلهٹ کے میوے اور چای ۱۳۶

(۴۶) مثنوی در صفت چای ۱۳۷

(۴۷) سلهٹ کے مچهروں کا ذکر ۱۴۰

(۴۸) محکمه مانک گنج (ضلع ڈهاکه) میں قیام ۱۴۷

(۴۹) ڈهاکه شهر میں تبادله اور رؤسائے شهر سے ملاقات ۱۵۰

(۵۰) نواب عبدالغنی صاحب کے گھر تقریب میں شرکت ۱۵۵
(۵۱) روسی زخمیوں کے علاج کیلئے چندہ جمع کرنا ۱۶۰
(۵۲) تنخواہ میں اضافہ ۱۶۲
(۵۳) ڈھاکہ کی سماجی زندگی ۱۶۳
(۵۴) دھلی کا تیسرا سفر ۱۶۵
(۵۵) بیربھوم میں تبادلہ ۱۶۶
(۵۶) ھوگلی اور اسکے بعد ڈھاکہ میں تبادلہ ۱۷۱
(۵۷) مدنی پور میں تبادلہ ۱۷۳
(۵۸) تیسری بار ڈھاکہ میں تبادلہ ۱۷۴

—:O:—

صحت نامہ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۱۰	واعظ	واغر
۲	٦	مکہ	عکہ
۲	۱۷	حاصل کیا	حاصل کی
۵	۲۰	پرگنہ کی طرف	پرگنہ طرف
٦	۱۸	پکار کی	پکار کے
۷	٦	کبھیں	کبھی
۱۱	۲	ششن	سشن
۱۱	۱۷	کہ	اگر
۱۱	۱۳	میر عبدالحمید خان	میر عبدالمجید خان
۱۵	فوٹ نوٹ کی آخری سطر	مندرجہ بالا عبارت کو متن کتاب سے	مندرجہ بالا عبارت متن کتاب سے
۱۵	٦	یہیں	نہیں
۱٦	۱۱	ڈپوٹی مجسٹریٹی اثر آثار	ڈپوٹی مجسٹریٹی کا اثر آثار
۱۷	۱۵	منشی لوگ جو آتے ھیں	منشی لوگ جو بھی آتے ھیں
۱۷	۱۹	بڑی	بہت
۱۹	۱۳	مجھ کو غصہ آگیا	مجھ کو بہت غصہ آگیا
۱۹	۲۲	مجھے	مجھ سے
۲۰	۱	فارسی اور اردو	فارسی و اردو
۲۰	۲۱	پڑھنے	بھرنے
۲۱	۲۱	لیا	کیئے
۲۲	۱	گزرا تھا	گزرے تھے
۲۲	۷	کمہار	کہار
۲۳	۲۲	اور ان کو	اور میں ان کو

۲۴	۱۱	پھر میرا گھر میں آنا نہ ہوگا	پھر شاید میرا گھر میں آنہ نہ ہو
۲۴	۱۲	جو گھر سے نکلا	میں جو گھر سے نکلا
۲۵	۴	ہر طرف امن ہوگیا	ہر طرح سے امن ہوگیا
۲۵	۹	بالکل	مطلق
۲۵	۱۱	چلا گیا	چلا آیا
۲۵	۱۴	پڑھی	پڑھا
۲۵	۲۲	مقطع	مطلع
۲۶	۱۶	بڑے خوش نویس تھے	بڑے عالم اور خوش نویس تھے
۲۶	۱۸	میر محمد علی تالپر اور وغیرہ	میر محمد علی تالپور وغیرہ
۲۷	۳	حساب کو	حساب کے
۲۷	۸	محمد حسین لکھنوی	محمد حسن لکھنوی
۲۷	۱۶	معلوم ہو کہ بڑے عاقل ہیں	معلوم ہوا کہ وہ بڑے عاقل ہیں
۲۷	۲۲	کہ مرشد کو	کہ وہ مرشد کو
۲۸	۲	دبکئی چھوڑ دیا	دبکئی کا کام چھوڑ دیا
۲۸	۱۳	ان سے کہا تھا	ان سے کہتا تھا
۲۸	۱۶	نکال لینے کو	نکالنے کو
۲۸	۱۹	با وفد	باوفا
۳۰	۳	اس	اسی
۳۰	۱۴	موصوف	مذکور
۳۱	۴	بوڑھے چند	بوڑھے بوڑھے چند
۳۴	۳	ان کے ساتھ	اسکے ساتھ
۳۴	۷	اپنے ساتھ روپے رکھوں	اپنے ساتھ کچھ روپے رکھوں
۳۴	۱۵	خواجہ سلطان صاحب	خواجہ سلطان جان صاحب
۳۵	۹	گھوڑا باندھ دے	گھوڑا کھول کے باندھ دے

۳۵	۱۲	سائس	سایل
۳۵	۱۳	حقه وغیره	حقه وغیره بھی
۳۷	۱۶	میں نے شطرنج کھیلا نہیں	میں خود شطرنج کھیلا نہیں
۳۷	۲۰	میں شطرنج کے سوائے پچیسی	میں شطرنج کے سوا تخته نرد، چوپڑ پچیسی
۳۸	۸	بیٹھتے	بیٹھے
۳۸	۹	میر محمد واجد کی	میر محمد واجد صاحب کی
۳۹	۷	اور خواجه علی یوسف خان صاحب	اور راجه یوسف علی خان صاحب
۳۹	۱۹	پیدا هوتی هے	پیدا نہیں هوتی
۳۹	۲۱	نہیں کھائی	نہیں کھایا
۳۹	۲۲	صحیح و سالم تھا	صحیح تھا
۴۰	۲	کھایا گیا	کھایا کیا
۴۰	۴	اس میں کمی هوئی	اس میں کچھ کمی هوئی
۴۰	۱۶	اڑا نه سکے اور مجھ سے فرمایا	اڑا نه سکے اور دوسرا کلیه بتایا جس سے وہ کوئی چیز منگوا نه سکے
۴۱	۵	هرگز آنے نه دیں گے	هرگز وهاں آنے نه دیں گے
۴۱	۱۲	رکھدی	رکھدیا
۴۱	۱۴	راضی هوا	راضی نه هوا
۴۱	۱۶	مکاسیر کی ایک شیشی	مکاسیر تیل کی ایک شیشی
۴۱	۱۷	اس پر راضی هوئے	اس پر بھی راضی هوئے
۴۱	۱۸	احمد عرب سے کہا که انھوں نے	احمد عرب سے کہا انھوں نے
۴۱	۲۳	خبر	چیز
۴۱	۲۴	کیونکر شیشه	کیونکر یه شیشه
۴۲	۲	اس کو خیال هوا	اس کو ضرور هوا

۴۲	۵	پیچھے ہے	پیچھے بیٹھا ہے
۴۲	۲۰	اکھن طرف کی کھڑکی کے دروازے	دکھن طرف کے دروازے
۴۳	۵	روپے اڑیں گے	روپے اڑ گئے
۴۳	۸	بدرو تھی	بدرو ہے
۴۳	۹	اس	اسی
۴۳	۱۴	اور وہ	اور اگر وہ
۴۳	۱۷	چیز کو لانے کو	چیز کے لانے کو
۴۴	۶	روپوں کو	روپیوں کو
۴۵	۱۱	اس کاغذ	اسی کاغذ
۴۷	۹	اس لئے میرے واسطے	اس لئے وہ میرے واسطے
۴۷	۱۶	ڈیپوٹی مجسٹریٹ کے عہدہ	ڈیپوٹی مجسٹریٹی کے عہدہ
۴۷	۱۷	ڈیپوٹی مجسٹریٹ کے عہدہ کے لئے درخواست کی آگے	ڈیپوٹی مجسٹریٹی کے عہدہ کے لئے. درخواست کرنے کے آگے [۵۵]
۴۸	۱۱	خطوط پڑھے - بڑے جلیل القدر	خطوط بڑے بڑے جلیل القدر
۴۸	۱۳	اور بعض مقام میں	اور بیشتر مقام میں
۴۸	۱۶	[۵۵]	[۵۶]
۴۸	۲۳	مسٹر صاحب بہادر	مسٹر کمپ صاحب بہادر
۴۹	۲۱	اس وقت	اسی وقت
۵۰	۲	ہرچند گھوش	ہرچندر گھوش
۵۰	۱۹	میرے عملے کے لوگ نہایت ہوشیار	میرے عملے نہایت ہوشیار
۵۰	۲۰	پیش کار محمد یار خان نے	پیش کار محمد یار صاحب نے
۵۱	۱۸	اسسٹنٹ	اسیسر
۵۲	۳	حق بجانب ان کی	حق بجانب ان کے
۵۳	۲۱	اس وقت	اسی وقت

٥٥	٨	نہیں ہیں	نہیں ہے
٥٥	٨	اس وقت	اسی وقت
٥٥	١٠	کمہار	کہار
٥٥	١٨	آخر اس کمہار نے اس کو نکالا تو دیکھا کہ	آخر اس کمہار نے اسکو نکالا تو دیکھا گیا کہ
٥٥	١٩	کمہار	کہار
٥٦	١٠	اس	اسی
٥٦	١۴	جاتا رہتا تھا	جاتا رہتا
٥٦	١٨	ایک بوڑھے کو لائے اور آدمی ملا نہیں	ایک بوڑھے آدمی کو لائے اور کہا کہ اور آدمی ملا نہیں
٥٧	١٣	سرکار	سرکاری
٥٧	١٥	کلکٹر مجسٹریٹ	کلکٹر و مجسٹریٹ
٥٨	١۴	اس	اسی
٥٨	١٩	مسٹر	مسٹر بکلنڈ
٥٩	٢	کمشنر صاحب	کلکٹر صاحب
٥٩	١٢	اور چھوڑ دیا جائیگا	اگر چھوڑ دیا جائیگا
٥٩	٢٠	متعجب رہے	متعجب ہوئے
٥٩	٢١	اس	اسی
٦٠	٢	سوال بتلایا	سوال کا جواب بتلایا
٦٠	١٢	اور کمشنر صاحب	اور میں کمشنر صاحب
٦١	٩	جنٹ مجسٹریٹ	جوائنٹ مجسٹریٹ
٦١	١٩	دونوں میں کسی سے عداوت	دونوں میں کیسی ہی عداوت
٦٢	٢٠	ہرچند گھوش	ہرچندر گھوش
٦٣	٢	ان کی	ان کے سرشتہ
٦٣	٦	اس بازار	اسی بازار
٦٣	١٠	ہم لوگ کے	ہم لوگوں کی
٦٣	١۴	اس نشان	اسی نشان

۶۴	۵	دیتو نامی	دینو نامی
۶۴	۶	بناتے تھے	بناتے ھیں
۶۴	۲۳	آپ روٹی کھاتے ھیں	آپ فقط روٹی کھاتے ھیں
۶۶	۵	ڈیپوٹی کمشنر	ڈکیتی کمشنر
۶۶	۱۳	جب تک میں رھونگا	جب تک میں وھاں رھونگا
۶۶	۱۴	تین بار ساڑھے تین مہینے تک تھا	تین یا ساڑھے تین مہینے تک تھا
۶۷	۱۴	لیکن میں گیا نہ تھا اور جاتا کیونکر مجھکو	لیکن چونکہ میں گیا نہ تھا اور جاتا کیونکر کہ مجھکو
۶۹	۷	ایک دن	ایک ساتھ
۶۹	۲۱	چونڑ	چوتڑ
۷۰	۳	کہ خواجہ وزیر کا دیوان دیکھا نہیں	کہ انہوں نے خواجہ وزیر کا دیوان دیکھا نہیں
۷۴	۱۶	ازالہ حیثیت عرفی کے نالش سیول کوڈ کے	ازالہ حیثیت عرفی کی نالش پنل کوڈ کے
۷۴	۱۹	یعقوب چھوڑ نہ دے	یعقوب اسکو چھوڑ نہ دے
۷۵	۲	یعقوب سزا ہو جائے گی	یعقوب کو سزا ہو جائے گی
۷۵	۳	یعقوب کو قید ہو جائیگا	یعقوب قید ہو جائیگا
۷۵	۷	ایک بات جھوٹ نہ کہیں	ایک بات بھی جھوٹ نہ کہیں
۷۵	۱۲	بڑی دھوم ھے	بڑی دھوم تھی
۷۵	۱۶	چشم فیض	'چشمۂ فیض'
۷۵	۱۹	وھاں ابوالحسن صاحب	وھاں حکیم ابوالحسن صاحب
۷۵	۲۱	دھوڑی	ڈیھوڑی
۷۶	۱۰	پیرو میاں	پیرو میاں صاحب
۷۷	۴	ان پر	اس پر
۷۷	۲۰	میں نے اس سے پہلے کہا	میں نے ان سے کہا

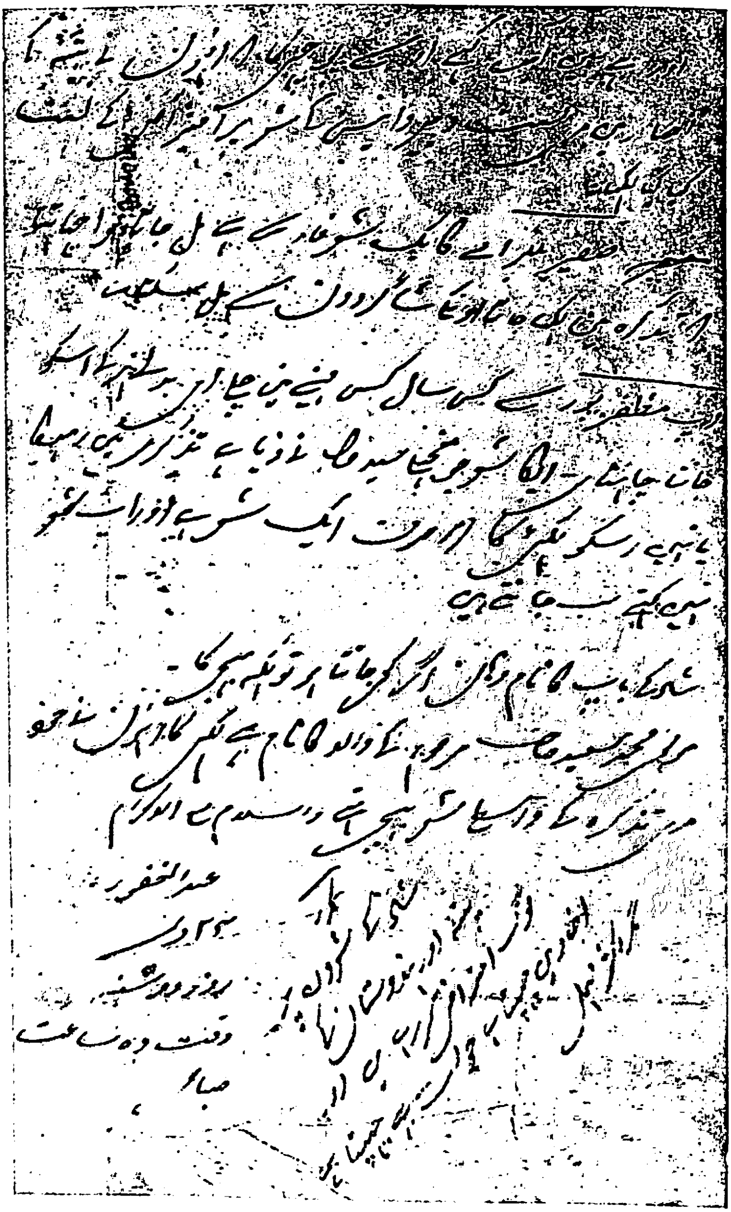
۷۸	۱۵	کہا کہ انہیں ان عورتوں کو دینا تھا	کہا کہ نہیں ان عورتوں کو چھوڑ دینا تھا
۷۸	۱۸	خوب مائل کیا	خوب قایل کیا
۷۹	۲	اس وقت ایسے	ایسے وقت
۸۱	۸	اور سب جوائنٹ مجسٹریٹ	اور جوائنٹ مجسٹریٹ
۸۱	۲۱	سرکار	سرکلر
۸۲	۸	انکی صورت سے اچھی طرح دریافت کرلیا تھا ۔	انکی صورت سے دریافت کر لیا تھا ۔
۸۲	۱۵	بتکلیف	تکلیف
۸۴	۱۸	پہنچ جاونگا	پہنچ جائیگا
۸۶	۱۵	وہ تعویذ پچیس برس سے	وہ تعویذ قریب پچیس برس سے
۸۶	۱۸	مرشد آباد کو جانا تھا	مرشد آباد کو جاتا تھا
۹۳	۱۰	دھلی میں جاتے پٹنہ میں	دھلی میں جاتے وقت پٹنہ میں
۹۳	۱۴	مولوی عبداللہ خان بہادر	مولوی عبیداللہ خان بہادر
۹۴	۵	خواجہ بدرالدین صاحب ابن میاں کالے صاحب	خواجہ بدرالدین صاحب مہرکن و میاں غلام نظام الدین صاحب ابن میاں کالے صاحب
۹۶	۱۰	داروغۂ واحد علی صاحب	داروغہ واجد علی صاحب
۹۶	۱۴	عبیداللہ خان مہر	عبداللہ خان مہر
۹۷	۶	داروغۂ واحد علی صاحب	داروغہ واجد علی صاحب
۹۹	۱۹	رسی لگاکر مار ڈالا جا سکتا ھے	رسی لگاکر آدمی کو مار ڈالا جا سکتا ھے
۱۰۴	۱۸	اس سے اور تحقیق معلوم ہوا کہ	اس سے اور اور باتوں سے تحقیق معلوم ہوا کہ
۱۰۶	۱۷	بانکے سے بھاگلپور تک کے	بانکے سے بھاگلپور تک کہ
۱۰۷	۱۹	ڈپٹی مجسٹریٹ	ڈیپوٹی مجسٹریٹ

۱۰۸	۴	اس روز فوجداری دو مقدمے	اسی روز فوجداری کے دو مقدمے
۱۰۸	۱۶	اسیسر ڈپٹی کلکٹر	اسیسر ڈیپوٹی کلکٹر
۱۰۸	۱۷	لکھ لیجئے	لکھ بھیجئے
۱۰۹	۳	چنانچہ میں پھر	چنانچہ میں نے پھر
۱۰۹	۱۵	میں نے کہہ دیا	میں نے ان سے کہہ دیا
۱۰۹	۱۶	غرض میں	غرض میں نے
۱۱۰	۲۱	جتنے ڈپٹی کلکٹری آئے وہ لوگ اور کلکٹری کے سب عملے بلکہ	جتنے ڈیپوٹی کلکٹر آئے وہ لوگ اور کلکٹری کے سب عملے اور فوجداری کے سب عملے بلکہ
۱۱۱	۵	اس امر کا	ایسے امر کا
۱۱۱	۸	آخر ایک بات ٹھہری	آخر ایک بات ٹھہرائی
۱۱۱	۱۷	پتہ نقشہ	پتہ نقشہ میں تھا
۱۱۱	۱۸	دریا گنگ	دریای گنگ
۱۱۲	۴	بڑے بڑے گھانس ہوتے تھے	بڑی بڑی گھانس ہوتی تھی
۱۱۲	۱۶	چونکہ وہ زمینداروں کے دخل میں تھی	چونکہ وہ زمین زمینداروں کے دخل میں تھی
۱۱۳	۱۶	انکے نیل کی کوٹھیاں	انکی نیل کی کوٹھیاں
۱۱۴	۲۳	تو سیاست ہو نہیں سکتی ہے	تو بخوبی سیاست ہو نہیں سکتی ہے
۱۱۶	۱۱	پیسے لا کر	وہ پیسے لا کر
۱۱۶	۱۴	ولی ہوں ' کامل ہوں'	ولی ہوں، کامل ہوں
۱۱۶	۱۹	وهیں تاڑی پیئے	وهیں تاڑی پی
۱۱۷	۲۳	اور رؤسای بہار سے	اور اور رؤسای بہار
۱۱۸	۳	مشرب باسلام	مشرف باسلام
۱۱۹	۷	قد سرہ	قدس سرہ
۱۲۰	۷	باتیں ہے	باتیں ہیں
۱۲۲	۹	میاں صاحب	بھائی صاحب

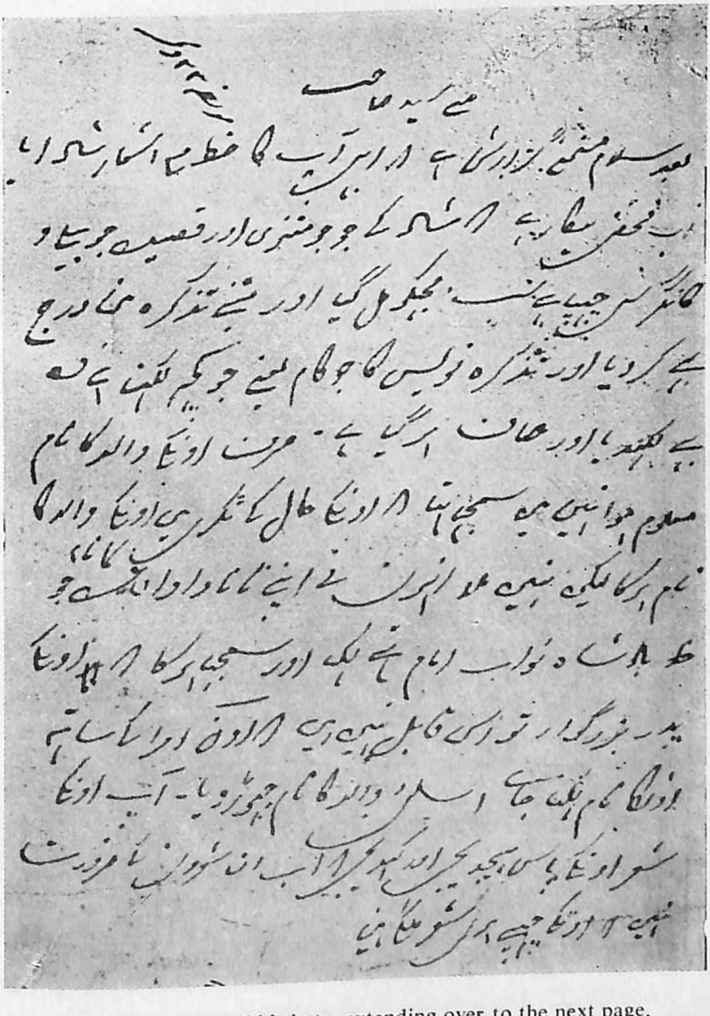
۱۲۳	۲۱	مقدمه کر کے	مقدمه دایر کر کے
۱۲۴	۲۲	نہیں	تھیں
۱۲۵	۱	کمہار	کہار
۱۲۵	۲۲	اسکی عقلی دلیل	اسکی کوئی عقلی دلیل
۱۲۶	۱۴	دیکھے	دیکھئے
۱۲۷	۱۸	اسٹاپ	اسٹامپ
۱۲۷	۱۹	نکال لینے میں	نکالنے میں
۱۲۸	۷	میں چھٹی میں معذرت کا مضمون لکھا تھا - وهی بیان کیا	میں نے چٹھی میں معذرت کا جو مضمون لکھا تھا وهی بیان کیا
۱۲۸	۸	آب	آپ
۱۳۱	۱۳	جہاں تک گیا	چھاتک تک گیا
۱۳۱	۱۶	ٹھرایا	ٹھہرایا
۱۳۲	۱۵	جھوٹ کیوں گواهی دیتے هیں	کیوں جھوٹ گواهی دیتے هیں
۱۳۲	۱۶	دو ممتاز شخص تھے ایک ساتھ بول اٹھے	دو ممتاز شخص ایک ساتھ بول اٹھے
۱۳۳	۱۹	بات یه مشہور تھی	یه بات مشہور تھی
۱۳۴	۱۹	که عورت	که وه عورت
۱۳۵	۸	شادی کے وقت کی عمر	شادی کے وقت اسکی عمر
۱۳۵	۲۲	اس پر ان لوگوں کے	اسپر ان لوگوں نے
۱۳۶	۹	اس پر میرے سر پر سے	اسی وقت میرے سر پر سے
۱۳۷	۱۳	در متقار	در منقار
۱۳۷	۱۵	خانش	خالش
۱۳۹	۱	جب جہاز پر گیا	میں جب جہاز پر گیا
۱۳۹	۳	گورنر جزل بہادر	گورنر جنرل بہادر
۱۳۹	۸	میں متامل هوا پھر انہوں نے	میں متامل هوا تو پھر انہوں نے

١٣٠	٩	میں نے اسکو گالیاں دیں - وہ بھاگ گیا	میں نے اسکو گالیاں دیں اور ڈانٹا - وہ بھاگ گیا
١٣٠	١٣	سب جگہ مچھر زاید ھے	سب جگہ سے مچھر زاید ھے
١٣١	١	دم دھند	وام دھم
١٣٢	٣	کہ یتمنیتش میکند است بما	کہ نیشش میکند است بما
١٣٣	١٧	نماز نہیں پڑھیں گے کہ عیدگاہ میں نماز پڑھنا مسنون ھے	نماز نہیں پڑھیں گے بلکہ عیدگاہ میں نماز پڑھیں گے کہ عیدگاہ میں نماز پڑھنا مسنون ھے
١٣٥	٢	رھائی پائے	رھائی پائی
١٣٥	٧	ان لوگوں نے تدبیر میں درگاہ میں کبوتر لا کر چھوڑی	ان لوگوں نے نذریں چڑھائیں - کبوتر لا کر چھوڑی
١٣٦	٢٢	معلوم کیا	دریافت کیا
١٣٧	١	یا مقدمہ ھوتا ھے	یا مقدمہ معاملہ ھوتا ھے
١٣٧	٣	آپ بھی	آپ ابھی
١٣٧	١٣	معروف مٹرو میاں	معروف بہ مٹرو میاں
١٣٨	١	مقدمہ دو زمیندار	مقدمہ درمیان دو زمیندار
١٣٨	٣، ٨، ٩، ١٦	جناب اخو صاحب	جناب اخوی صاحب
١٣٨	١٠	سعادت علی خان صاحب آئے ھوں گے	سعادت علی خان صاحب بھی آئے ھوں گے
١٣٩	١	پڑے کراھتی تھی	پڑی کراھتی تھی
١٣٩	١٢	گوالندو کے مقابلہ	گوالندو کے مقابلہ میں
١٣٩	٢٢	پھنتی	بھتے
١٥٠	٧	اور ان چچا	اور انکے چچا
١٥٢	١٧	دروغہ	داروغہ
١٥٣	٣	ھدایت بخش سے روپئے لئے نہیں	ھدایت بخش سے انھوں نے روپئے لئے نہیں
١٥٣	٢١	ان کی،	انکو

۱۵۴	۱۷	اور حاکم نے	اور دوسرے حاکم نے
۱۵۴	۲۱	کہ چاھیں تو	کہ وہ چاھیں تو
۱۵۵	۳	اس میں سے بیشتر طوائف لکھنو	اس میں بی مشتری طوائف لکھنو
۱۵۵	۱۱	نویں روز کے اس روز	نویں روز کہ اس روز
۱۵۶	۴	نواب صاحب کی طرف معذرت کر کے	نواب صاحب کی طرف سے معذرت کر کے
۱۵۶	۱۶	نمط	نمط
۱۵۹	۲	ایک دن مولوی رضای ربانی سے ملنے کو گیا ـ	ایک دن میں مولوی رضای ربانی سے ملنے کو گیا ـ
۱۶۰	۴	اور وھاں ایک بڑا تخت تھا	اور وھاں ایک طرف بڑا ایک تخت تھا
۱۶۰	۱۳، ۱۷، ۲۲	اخو صاحب	اخوی صاحب
۱۶۱	۶	مولوی محمد لقمان صاحب ولایتی	مولوی محمد نعمان صاحب ولایتی
۱۶۱	۲۰	مولوی عبداللہ صاحب	مولوی عبیداللہ صاحب
۱۶۲	۲، ۱۲	مولوی عبداللہ صاحب	مولوی عبیداللہ صاحب
۱۶۳	۵، ۱۴	اخو صاحب	اخوی صاحب
۱۶۵	۵، ۶	بادشاہ نجیب اللہ	یا شاہ نجیب اللہ
۱۶۵	۱۷	نواب مبارک علی شاہ بہادر	نواب مبارک علی خان صاحب بہادر
۱۷۰	۱۰	نہیں کرتا	نہیں کر سکتا
۱۷۰	۱۵	بنارس سے ملنے کو آئے تھے	بنارس سے مجھ سے ملنے کو آئے تھے
۱۷۲	۲۱	اخو صاحب	اخوی صاحب
۱۷۴	۲۰	چھین لی گئی	چھین لئے گئے
۱۷۵	۴	اخو صاحب	اخوی صاحب



Reproduction of the same letter showing the author's signature at the end.



Facsimile of Nassākh's letter extending over to the next page,
with reference to the foot-note of the previous page.

name in the first person. He states at the very outset that he has undertaken to compile his life-story at the request of friends. Apart from this internal evidence, there is the irrevocable fact that the author himself had announced the writing of this Autobiography on the title page of his fourth *Dīwān*, called *Armaghānī*, which was written in 1884 and completed in 1886. Moreover, the account of Nawāb 'Abdul Laṭīf's family history in contemporary press is found identical with that given by Nassākh himself in the present book. Further, as mentioned above, an independent confirmation of the authenticity of the *Khudnawisht's* authorship is available in Professor Cowell's statement about his efforts to learn Persian and Hindusthani in Calcutta from a Munshī who is no less a person than Nassākh whose own account of his meetings with the Professor tallies in toto with that of the eminent Orientalist. Even a cursory glance at the pages of the present work will convince the reader that the author writes hurriedly and without any preconceived plan. He compiles his notes as if he is writing his diary, frequently leaving gaps which he intended to fill later on. This clearly shows that the Autobiography is not only Nassākh's own but it is written in his own handwriting, a documentary evidence of which is available as result of a discovery of a letter written by 'Abdul Ghafūr Nassākh to Nawāb Sayyid Muḥammad Āzād. A facsimile of the letter, included in this edition, points to the striking resemblance of calligraphy of the letter with that of the present work.[1]

The *Khudnawisht* conforms to the definition of an autobiography as a work of art or historiography representative of the period or culture in which it is produced. The present work is essentially representative of the time and environment of the author. But at times it appears that the narrative is inspired by a fictional impulse of the writer to select only those events and experiences in his life which build up an image of an intensely self-conscious aristocrat. It seems as if Nassākh's character had little or no defect or weakness. All that he relates about his own life reflects some sort of greatness and reveals only those traits of character which go to present the man in flawless colours. In spite of this demerit, the book is an indispensable mine of information about persons and personalities of the Muslim community of Bengal during the later half of the nineteenth century which incidentally coincides with the general awakening of the Muslims of Bengal.

1. The original letter is in the custody of Dr. Syed Sabir Hasan of S. L. K. College, Sitamarhi (Bihar) who has been kind enough to provide me with a reprograph (See next page) of it to enable me to prove that the *Khudnawisht* is an autograph copy of the author. Dr. Hasan further informs me that the envelop of the original letter, which is also in his possession, bears the postal date stamp of 24th December 1888.

affected places.[1] People of the city in general got extremely apprehensive and many of my friends were thinking of going out of the city. Taking advantage of my acquaintance with the Professor I used to collect from him correct information which I passed on to my friends. In the meantime we were informed that on the following day arms would be taken back from Sepoys at Barrackpore. If they surrender, it is alright ; otherwise, it was feared that they would rush at Calcutta. During those days most of the terror-stricken Europeans and Eurasians used to spend their nights in ships. On the next day in the afternoon I left home carrying two pairs of dresses and all the money I had, being ready to stay out if the rebellous soldiers turned on the city. As I left home I witnessed that the city of Calcutta was almost deserted and a general consternation prevailed among the people. After making frequent calls on Cowell I finally came to know that the Sepoys of Barrackpore had surrendered their arms. The good news, which I personally conveyed to some of my friends to their great relief, spread to surrounding areas of Colootola and Tiretta Bazar and brought peace and tranquility to the vexed residents of the city'.

Nassākh gives a very graphic description of the great cyclone of 1864 which hit lower parts of Bengal, a celebrated event of the time.[2] The author was then posted at Rajshahi and was on the Padma river travelling in a boat when the devastating storm broke out on the night of the 4th of October 1864. He saved himself by anchoring his 18 ft. boat at an uninhabited island on the river, returning on the morrow to Rajshahi to find his house destroyed by the impact of the cyclone. On his coming to Calcutta on the following day he witnessed greater havoc caused to life and property in the city as result of the storm. In this connection he speaks of a family amulet which he always carried during his journeys and which proved to him as a charm against all evils and mishaps. The amulet, the author asserts, had saved him from many storms in his life.

Doubts[3] expressed by some about the authorship of the work seem to be unfounded, since the unique book itself opens with the author's

1. The text, pp. 23-25.
2. The text, pp. 84-86.
3. Such doubts were originally expressed by S. M. Hasan in his Urdu article on the unique manuscript in the Urdu monthly *NIGÁR*, Lucknow, April and May, 1959 followed by his English article, entitled *A Note on Some Urdu Manuscripts of the Asiatic Society of Bengal*, Journal of the Asiatic Society Vol. X 1968. Cf. also Dr. Md. Sadrul Haque, *NASSÁKH* : *Hayāt-o-Taṣnif*, Karachi, 1979, pp. 272-279.

them ; so he would really be glad if Nassākh could go to Cowell to teach him Persian. The captain further assured Nassākh that as both he and Cowell were poets, they would probably like each other.

As soon as he met him, Nassākh continues, Cowell called his wife, Elizabeth and asked him to fetch *Khamsa-i-Khusrau* telling her that a new Munshī had come ; Nassākh at once understood why the College Munshīs who had previously gone to Cowell were sent away by him. To test them, Cowell had asked them, as he did put to Nassākh also, difficult questions from standard works and they must have failed to satisfy him with their answers because their knowledge ordinarily did not extend beyond the narrow limits of text books such as '*Chahār Darwīsh*', '*Bakāolī*', '*Gulistān*' and '*Diwān-i-Saudā*' etc. which were the titles generally studied by Europeans in those days. Although he rejected the Munshīs, Nassākh observes, Cowell on account of his high-mindedness always refrained from giving out the real cause of his disapproval of them. Cowell enquired from him too the meanings of several verses of Amīr Khusrau, Ḥāfiẓ and Saudā and was much pleased with the answers Nassākh gave him.[1]

The author refers to a very lively discussion that he had with Professor Cowell regarding the latter's interest and purpose in learning the Indian languages. He quotes Cowell as saying : "I do not want to obtain certificates, but I wish to acquire Persian and Urdu learning". The noted Sanskritist and linguist used to bring books from the Asiatic Society for reading with his teacher Nassākh who remarks that meanings of certain Persian verses would often move his eminent pupil to strong emotion and he would often thump the table in excitement, exclaiming that such themes were not to be found in other languages. His wife, Elizabeth, also shared her husband's enthusiasm for the oriental languages.

'During the days when I was teaching Cowell', says Nassākh, 'the Sepoy Mutiny broke out in 1857 and Calcutta was among the most

1. The author's description (The text, pp. 17-23) finds a remarkable corroboration in Cowell's statement about his tutor included in *Life and Letters of Edward Byles Cowell*, London, 1906, p. 131 : 'I enjoy my Munshi very much ..I am reading Hindusthani with him every other morning from 10 to 12. He comes in his white dress and turban, and makes his *salām* as he enters ; we talk Hindusthani only adopting English (which he knows well) when I am utterly at a loss to express myself or to understand him.'

affected places.[1] People of the city in general got extremely apprehensive and many of my friends were thinking of going out of the city. Taking advantage of my acquaintance with the Professor I used to collect from him correct information which I passed on to my friends. In the meantime we were informed that on the following day arms would be taken back from Sepoys at Barrackpore. If they surrender, it is alright; otherwise, it was feared that they would rush at Calcutta. During those days most of the terror-stricken Europeans and Eurasians used to spend their nights in ships. On the next day in the afternoon I left home carrying two pairs of dresses and all the money I had, being ready to stay out if the rebellous soldiers turned on the city. As I left home I witnessed that the city of Calcutta was almost deserted and a general consternation prevailed among the people. After making frequent calls on Cowell I finally came to know that the Sepoys of Barrackpore had surrendered their arms. The good news, which I personally conveyed to some of my friends to their great relief, spread to surrounding areas of Colootola and Tiretta Bazar and brought peace and tranquility to the vexed residents of the city'.

Nassākh gives a very graphic description of the great cyclone of 1864 which hit lower parts of Bengal, a celebrated event of the time.[2] The author was then posted at Rajshahi and was on the Padma river travelling in a boat when the devastating storm broke out on the night of the 4th of October 1864. He saved himself by anchoring his 18 ft. boat at an uninhabited island on the river, returning on the morrow to Rajshahi to find his house destroyed by the impact of the cyclone. On his coming to Calcutta on the following day he witnessed greater havoc caused to life and property in the city as result of the storm. In this connection he speaks of a family amulet which he always carried during his journeys and which proved to him as a charm against all evils and mishaps. The amulet, the author asserts, had saved him from many storms in his life.

Doubts[3] expressed by some about the authorship of the work seem to be unfounded, since the unique book itself opens with the author's

---

1. The text, pp. 23-25.
2. The text, pp. 84-86.
3. Such doubts were originally expressed by S. M. Hasan in his Urdu article on the unique manuscript in the Urdu monthly *NIGÁR*, Lucknow, April and May, 1959 followed by his English article, entitled *A Note on Some Urdu Manuscripts of the Asiatic Society of Bengal*, Journal of the Asiatic Society Vol. X 1968. Cf. also Dr. Md. Sadrul Haque, *NASSÁKH : Hayāt-o-Taṣnif*, Karachi, 1979, pp. 272-279.

them ; so he would really be glad if Nassākh could go to Cowell to teach him Persian. The captain further assured Nassākh that as both he and Cowell were poets, they would probably like each other.

As soon as he met him, Nassākh continues, Cowell called his wife, Elizabeth and asked him to fetch *Khamsa-i-Khusrau* telling her that a new Munshī had come ; Nassākh at once understood why the College Munshīs who had previously gone to Cowell were sent away by him. To test them, Cowell had asked them, as he did put to Nassākh also, difficult questions from standard works and they must have failed to satisfy him with their answers because their knowledge ordinarily did not extend beyond the narrow limits of text books such as '*Chahār Darwīsh*', '*Bakāolī*', '*Gulistān*' and '*Diwān-i-Saudā*' etc. which were the titles generally studied by Europeans in those days. Although he rejected the Munshīs, Nassākh observes, Cowell on account of his high-mindedness always refrained from giving out the real cause of his disapproval of them. Cowell enquired from him too the meanings of several verses of Amīr Khusrau, Ḥāfiẓ and Saudā and was much pleased with the answers Nassākh gave him.[1]

The author refers to a very lively discussion that he had with Professor Cowell regarding the latter's interest and purpose in learning the Indian languages. He quotes Cowell as saying : "I do not want to obtain certificates, but I wish to acquire Persian and Urdu learning". The noted Sanskritist and linguist used to bring books from the Asiatic Society for reading with his teacher Nassākh who remarks that meanings of certain Persian verses would often move his eminent pupil to strong emotion and he would often thump the table in excitement, exclaiming that such themes were not to be found in other languages. His wife, Elizabeth, also shared her husband's enthusiasm for the oriental languages.

'During the days when I was teaching Cowell', says Nassākh, 'the Sepoy Mutiny broke out in 1857 and Calcutta was among the most

1. The author's description (The text, pp. 17-23) finds a remarkable corroboration in Cowell's statement about his tutor included in *Life and Letters of Edward Byles Cowell*, London, 1906, p. 131 : 'I enjoy my Munshi very much ... I am reading Hindusthani with him every other morning from 10 to 12. He comes in his white dress and turban, and makes his *salām* as he enters ; we talk Hindusthani only adopting English (which he knows well) when I am utterly at a loss to express myself or to understand him.'

Of the people of Lakhnow he says :[1]

یہاں کے اکثر لوگ زبانی محبت دکھلاتے ھیں لیکن دل میں کچھ نہیں ھے - لکھنو کے لوگ باتیں خوب بناتے ھیں -

'Most of the people of Lakhnow express verbal sympathy, devoid of sincerity. The Lakhnowis are very talkative and loquacious.

About the people of Delhi Nassākh has this to say :[2]

دھلی کے لوگ عموماً اچھے ھیں - دل و زبان ایک ھے،

'People of Delhi are generally good. Their hearts and tongues conform to each other'.

Similarly, the author's comments on the inhabitants of Sylhet, Dhaka, Barisal and other places are very much in the nature of undeniable facts given by an eye-witness commentator. Indeed, these opinions of Nassākh provide the reader with intimate glimpses of the social life of the common people. Though the author's observations are intensely subjective in outlook, they contain surprising revelations about people and places from the eyes of a keen observer and a critic,—a fact which at once lends the book the character of a contemporary history.

It would doubtless interest many to know that 'Abdul Ghafūr Nassākh acted as a tutor to the eminent Sanskritist, Professor Edward Byles Cowell, Principal of Calcutta's famed Sanskrit College, who later on imparted instruction in Persian to the celebrated English translator of 'Umar Khayyām's *Rubaiyyāt*, Edward Fitzgerald. It was at the express desire of Captain St. George, the Secretary of the Fort William College, Nassākh writes in his work, that he agreed to teach Professor Cowell Persian, otherwise teaching was an occupation for which he had no fascination.

Before giving him the letter of introduction with which he eventually went to see Cowell at the Spences' Hotel and was appointed by him as his Munshi, Captain St. George told Nassākh that Cowell, who had arrived from England only a few days earlier, wanted some one to teach him Persian, and that he had till then sent to him one after another all the Munshis of his College, whom Cowell having rejected had again asked for another man but did not state his reasons for disapproving

1. The text, p. 97.

2. The text, p. 95.

Armaghān which appeared in 1886, contained the announcement of the compilation of the Autobiography. This leads us to believe that the author had very much desired to have it published in his lifetime, as he had done in respect of his other writings. Unavoidable circumstances must have compelled him to leave it incomplete and unpublished. But since the book does not record any event beyond February 1886, it can be reasonably stated that it was completed about that time.

The author does not follow any system in the arrangement of his narrative, whether chronology or subject classification. Most of his statements appear to be products of flashes of his memory. He goes on writing as he tries to recollect occurrences in a subjective manner. The meticulous descriptions suggest that he must have maintained diaries of events which he considered notable.

Nassākh leaves a wide gap in the genealogical account of his family which is given in the beginning of the work. While he mentions such ancient names as Haḍrat Khālid bin Walīd, Haḍrat Muhājir, Haḍrat 'Abdur Raḥmān, he passes on to 'Abdullāh al-Qairānī who expired in Damascus in A. H. 548, and then he hops over to nearly five centuries before connecting the link to his ancestor Shāh 'Ainuddīn who came to Delhi in A. H. 1032 during the reign of Emperor Jahāngīr. Similarly, he omits many details about his educational career which later helped him in getting a respectable job under the government.

On the contrary Nassākh has taken extraordinary care in giving a detailed description of some events which are of no great objective significance. Being a habitual traveller, Nassākh would visit different places in Bengal and Bihar, though mostly on official duty and also some far-off places like Delhi and Lakhnow. His Autobiography contains revealing accounts of people and places. For example, he remarks about the litigant people of Barisal thus :[1]

بریسال میں جتنے پیچیدہ اور مشکل مقدمات میں نے دیکھے آجتک ایسا مقدمہ
کہیں دیکھا نہیں - وھاں جعل کی بڑی کثرت ہے -

'I have not come across such complicated and difficult court cases anywhere else as I have seen in Barisal. Forgery is rampant there'.

1. The text, p. 50.

knowledge of the art and critical judgment as well as his superiority over his Lakhnowi counterparts in matters of external embellishments of the verse.

That Nassākh was almost a born poet can be ascertained from his own statement that he had started composing verses from the age of six or seven years. At the age of twenty, Nassākh had already begun initiating pupils in the art of versification. At a mushā'ira held in 1853, when the poet was hardly twenty years old, he had his first pupil Khwāja Nabī Bakhsh, '*Maḥzūn*', reciting a ghazal in the presence of Ḥāfiẓ Ḍaigham, the doyen of Urdu poets and Nassākh's own master. Nassākh, as an acknowledged poet of the day, had a very wide circle of admirers spread over a large area on account of his professional wanderings and poetic fame, apart from numerous pupils in the poetic art. The present work gives the most revealing account of the poets and writers of Urdu and Persian with whom Nassākh came in contact in the course of his professional life. Various places of his postings, however brief the tenure, were as if turned into centres of literary activities and rendezvous of versifiers of the area. This phenomenon incidentally accounts for the propagation of Urdu language and poetry in the far-flung districts such as Sylhet, Barisal and Mymensingh where there was no dearth of noted poets of Urdu and Persian, vying with each for maximum respectability.

The *khudnawisht*, having a book size of $6 \times 10\frac{1}{2}$ inches, does not have any original pagination, and page numbers have been added in different hands. The manuscript, however, ends abruptly and has several pages missing here and there, and pages have been numbered afresh for the purpose of preparing the text. The paper used is ordinary and the script employed is a sort of cursive *nasta'līq*. Each page consists of 15 lines, each line measuring about six inches. Several pages have blank spaces left, which indicates that the author wanted to fill them up later. Most of the blank spaces were obviously left for inserting quotations of verses later which the author could not ultimately do. The manuscript has neither an introduction nor a colophon nor the headings.

The Autobiography is apparently incomplete and the author very much wanted to complete it but somehow or other could not do it. Though no date is given in the text about the compilation of the book, it was most probably written in or after 1886, because the last event mentioned in the book, i. e., appointment of Nawāb 'Abdul Laṭīf as Minister in Bhopal occurred in that year. It may be pointed out that Nassākh's anthology entitled,

rare mastery over Arabic, Persian and Urdu. Being a prolific writer Nassākh was the author of a number of poetical works in Urdu and Persian, all of which were published during his life time, except this Autobiography. In poetry he was the pupil of Ḥāfiẓ Rashīn-un-Nabī Waḥshat of Rampur and had also learnt lessons from the well-known contemporary scholar, mystic and alchemist Ḥāfiẓ Ikrām Aḥmad Ḍaigham, apart from having friendly relation with the leading stalwarts of the Urdu world at that time such as Ghālib, Āzurda and Shīfta. His main poetical compositions consist in his four anthologies, namely, *Daftar-i-Bīmiṣāl*, *Ash'ār-i-Nassākh*, *Armaghān* and *Armaghānī*, which together reflect the combined influences of both the Delhi and Lucknow schools of Urdu poetry.[1] Nassākh's poems elicited rich compliments from Ghālib who, in a personal letter to the poet, praises him in high terms, comparing him to the celebrated versifier Nāsikh of Lakhnow—a compliment of which any Urdu poet could well feel proud. Nevertheless, the artistic flourishes of Nassākh's verses clearly betray the poet's allegiance to the Lakhnow school of versification,[2] which mainly resulted from the poet's personal contacts with the Lakhnowi poets who accompanied the deposed king of Awadh, Wājid 'Alī Shāh, to Calcutta.

The oft-quoted controversy centring round Nassākh's adverse criticism of the verses of two of the greatest poets of Lakhnow, Mīr Anīs and Mīrzā Dabīr, is still considered a landmark in the history of Urdu literature. Once Nassākh was severely criticized by some who termed some of his expressions as incorrect and inelegant, which stung the poet of Bengal into a legitimate defensive action. By quoting chapters and verses from the best poets of Delhi and Lakhnow, he not only proved that the expressions in question were perfectly right but also exposed the disgraceful ignorance of his opponents whom he further shamed by pointing out that even the best known Lakhnow poets such as Anīs and Dabīr have erred against certain outstanding rules of Urdu poesy. Yet all through this encounter Nassākh was never impelled by personal motives in his criticism, which at once underlines the poet's perfect

1. Hasrat Muhānī, the noted Urdu poet and critic of the modern age, remarks about Nassākh's Dīwān : 'This is no doubt a nosegay, but one composed of paper flowers.' (Cf. Journal of the Moslem Institute, Calcutta, Vol. IV, No. 1, 1908, p. 6)

2. Nassākh's masterly use of the niceties of prosody has been highly spoken of by critics and memoir-writers. Thus Nawāb Siddiq Ḥasan Khān (See Sham'-i-Anjuman) cites the following verse of the poet which could be read in thirty two different ways.

بازوی او شاخ ثمن چشمان او تیغ قضا   گیسوی او رشک ختن مژگان او تیر جفا

beaten known stalwarts of the game in straight contests. His habits were simple, likes and dislikes sharp and propensities essentially moralistic. He would never allow his moral principles to be abandoned for any professional exigencies. By creed he was an orthodox Sunni of the Ḥanafī school, puritinical in outlook but always rational in controversial matters. That he was a God-fearing man, keeping a close watch on his words and deeds in his day-to-day life is amply evident from his many personal transactions which he mentions in his book. We also have a glimpse of his mystical bent of mind in his association with saints and savants of the day whose favours he often solicited by visiting them in his hours of difficulty. Nassākh was not only rigidly conscious of his strict adherence to the religious law, but he also tried to appear to be so. Numerous are the instances in the Autobiography which illustrate that Nassākh never succumbed to temptations of bribes and illegal gratification and never indulged in misuse of position and corrupt practices which were not uncommon in his days. In the words of Sambhu Chunder Mukherjee, the noted editor of the weekly *Reis and Rayyat* and a family friend, "'Abdul Ghafūr *Naśsākh* was an able and conscientious public servant. In private, he was not only most amiable, polite and simple, but a man of the purest life. He was a man of true piety and incorruptible integrity—a genuine chip of the old block of Islam".[1]

The Autobiography reflects the author's early struggles for a respectable career, commensurate with his family traditions, his wide social contacts with almost all the notables of the day wherever he went, a consistent picture of his distinguished poetic career, the extensivenes of his fame as a poet *per excellence* of Urdu and Persian, his exemplary character, marked by intense honesty, his reverence for the pious and ascetic persons, his diverse interest in learning various arts and games; all these bits go to make a typical personality of a 19th century Muslim intellectual and nobleman that Nassākh really was.

Indeed, the name of 'Abdul Ghafūr Nassākh stands out prominent among the literary luminaries of Bengal in the 19th century; he is, in fact, unanimously regarded as the 'Father of Urdu poetry in Bengal'. As a poet, his reputation was considerable; as a literary critic he commanded universal respect and as a biographer he had few equals. Although born and brought up in the heart of Bengal amidst surroundings hardly congenial to the study of languages, Nassākh acquired a

1. Cf. *Reis and Raiyyat*, dated 15th June 1889.

Little does the author tell us about his childhood and early education, though he speaks at length of some of his tutors, such as Maulvī Ramīzuddin of Chittagong, Maulvī Azhar of Sylhet, Maulvī Muḥammad Faiḍ of Comilla, who instructed him in the traditional system of education before the young 'Abdul Ghafūr was sent to school. He acquired a good knowledge of English, along with a smattering of Bengali and Hindi. apart from being highly proficient in Arabic, Persian and Urdu. In 1853, 'Abdul Ghafūr started his struggle for entering upon a professional career and it was not until 1860 that he succeeded in getting the post of a Deputy Magistrate through the combined strength of his talent, his family position and his elder brother's (Nawāb 'Abdul Laṭīf) enormous influence. A conscientious and intelligent officer, he commanded both esteem and affection from all and sundry. He was a many-sided man and became the centre of attraction wherever he went.

While posted in Rajshahi, 'Abdul Ghafūr married the daughter of Mīrzā Humayūn Bakht, the grandson of the Moghul Emperor Jahāndār Shāh. From Rajshahi he was transferred to Banka in Bhagalpur, where in 1867 was born his only son Abūl Qāsim Muḥammad, poetically surnamed 'Shams', who was destined to carry the torch of poetical succession through to Khān Bahādur Raḍā 'Alī 'Waḥshat' (d. 1956) in modern times.

In the course of his nearly thirty years of service life, 'Abdul Ghafūr was posted in various stations such as Barisal (1860), Howrah (1863), Rajshahi (1863), Bhagalpur (1866), Saran (1866), Monghyr (1870), Sylhet (1871), Dacca (1874, 1875, 1881, 1885), Birbhum (1879), Mednipur (1884) and Munshiganj (1887). During one of his four visits to Delhi, he had a memorable meeting with Mīrzā Ghālib, who was a great admirer of Nassākh's verses. Nassākh retired on the 1st of February 1889 on completing 55 years of age and died at Calcutta on Friday the 14th June 1889. His tomb is situated on a plot of land south of the Park Circus maidan in South-east Calcutta.

In the light of his Autobiography Nassākh appears as a man of colourful personality, but the artist in him always outshone other aspects of life. Even in his early formative years, 'Abdul Ghafūr showed a remarkable degree of aptitude for learning many arts like astrology, geomancy (رمل), making amulets (جفر), jugglery (شعبده بازی), cooking and the art of writing with nails, apart from receiving instruction in the traditional courses of education. It is interesting to note that he had become a chess grand-master in his early youth, having

INTRODUCTION

Abū Muḥammad 'Abdul Ghafūr Khān Khālidī, commonly known as 'Abdul Ghafūr *Nassākh*, was born in the Kalinga area of Central Calcutta on the Ist of Shawwāl, A.H. 1249, corresponding to the 31st of January 1834. He belonged to a noted Qāḍī family of Eastern Bengal, which traced its descent from the famed Generalassimo of Islam, Khālid bin Walīd, who won the sobriquet of 'Saifullāh' ("Sword of God"). The descendants of Khālid lived in Baghdad as respected theologians and saints till one of them named Shāh 'Ainuddīn Muḥammad migrated to Delhi during the reign of Emperor Jahāngīr in A.H. 1032 in the wake of Shāh 'Abbās's seige of Baghdad. After Shāh 'Ainuddīn's death in Delhi in A.H. 1041, his son 'Abdur Rasūl became the first member of the family to go to Bengal on being appointed Qāḍī of sarkar Fatehabad, chaklah Bhoosnah, (modern Faridpur district of Bangladesh) which at that time belonged to the territories of *Bara Bhuyyas* of Bengal. He married the daughter of Quṭub Dānishmand of Lashkardia, grand-daughter of Mājlis Bāyazīd, zamindar of Fatehabad. After his death his son Qāḍī 'Abdul Wahhāb obtained a sanad from Emperor Aurangzīb for twelve *khadas* of rent-free land in Mauza Rajapur and established himself there, naming the place as Barakhadia. This newly-settled Muslim family of ecclesiastics and jurists lived in affluence and honour as country gentlemen, enjoying obedience of their tenants and dependents and respected for their learning and piety in the surrounding territory. With a phenomenal growth of family tree over the years, the inherited property by an operation of the Muslim law of inheritance became too small for their sustenance till the succeeding descendant Qāḍī Faqir Muḥammad, father of 'Abdul Ghafūr, left his ancestral home in 1816 to seek his fortune in Calcutta, which was the seat of the government in those days. Since law was the only field open to respectability on account of the independence and dignity of the profession, Qāḍī Faqīr Muḥammad first enrolled himself as an assistant to his uncle-in-law, Munshī Baqā'ullāh, who was an eminent pleader in the Sudder Dewany Adalat in Calcutta, on whose death he was appointed to the post of Vakil, which he filled with great distinction for twenty eight years. Besides being a lawyer, he was a man of letters with a historical bent of mind. His Persian work, *Jāmi-'ut Tawārīkh*' ("Universal History") is a really meritorious production, well-written, condensed and accurate. Qāḍī Faqīr Muḥammad, who died at Rajapur in 1844, left several sons, the youngest of whom was our author, 'Abdul Ghafūr.

It needs to be pointed out that for a Bengali, born and brought up in an environment far removed from centres of Urdu poetry such as Delhi and Lakhnow, it was no mean achievement to win adequate recognition from acknowledged belletrists of the Urdu language, including the eminent French Orientalist Garcin de Tassy who wrote favourable notices of the poet's verses in his *Monthly Reviews* published from Paris. Indeed, Nassākh was the only Urdu litterateur who tried to synthesize the best of the two traditional schools of poetry and succeeded in creating a new school of his own which continues to be alive to this day.

While preparing the edition, I carried out a vain search for other copies of the work. Though it is not known how the present copy found its way to the Society's archives, it is quite probable that the unique document was later deposited to the Society by some of the author's European acquaintances having connection with the Society or by his own brother, Nawāb 'Abdul Laṭīf who survived him by four years. It needs to be mentioned that for the sake of felicitous reading the orthographical archaism of this century-old text had to be dispensed with to the required limit.

For making the *Khudnawisht* available to a wider readership, I wish to present an English translation of the text at a future date.

I am indebted to the Council of the Asiatic Society for taking up the publication of the work and particularly to Professor Jagannath Chakravorty who was instrumental in seeing the title through the press, initially as the Society's Publication Secretary and now as its General Secretary. While craving the indulgence of the readers not to feel irritated by the printing errors that have unfortunately gone unnoticed, I hope that the edition will prove to be a worthy addition to the Bibliotheca Indica Series, in which it is being published.

Calcutta,
30th July, 1986

Abdus Subhan

PREFACE

Though there is hardly any dearth of literature on the so-called Bengal Renaissance of the nineteenth century, there is little that can give us an idea of the awakening among the Muslims who formed no mean part of the urban elite of the undivided province. While the present work does not seek to remove that desideratum, it at least provides us with glimpses of the intellectual life of the Bengali Muslims as it postrays the personal career of Abdul Ghafur Nassākh, which incidently spans the most formative period in the emergence of the Muslim identity in Bengal.

Ever since my initiation into original research some thirty years ago, I have constantly felt tempted to work on this most precious hitherto unpublished Urdu manuscript belonging to the Asiatic Society. But my preoccupations always kept me away from turning seriously to the job. In the meantime, all the researchers who have chanced to use the manuscript have invariably stressed the need for preparing a critical edition of the text, which I ultimately took up at the persuasion of Mr. Moquitul Hasan of the National Library, Calcutta, who contributed the first detailed notice of the work for Lakhnow's erstwhile Urdu monthly, *Nigār*, in 1959. In fact, the book deserved early publication in order to acquaint the enquirers with the biography of this literary colossus who stands head and shoulders above the contemporary stalwarts of Urdu literature in point of creative fecundity, poetic excellence and critical acumen. Though the *Khudnawisht* mainly centres round the author's personal life, the numerous incidental references to notable persons, places and happenings serve to heighten its intrinsic value as a dependable source-book reflecting the aspirations of the Muslim intelligentsia of Bengal in the later half of the nineteenth century.

In my Introduction affixed to the edited text, I have given an outline of the life and times of 'Abdul Ghafūr Nassākh and indicated the extent of his contributions to Urdu literature. I have tried to focus attention on the author's many-sided personality which presented a rare combination of an administrator, poet, biographer and critic.

FOREWORD

The *Khudnawisht Sawāniḥ Ḥayāt-i-Nassākh* comprises the autobiography of Maulvī 'Abdul Ghafūr (1834-1889), poetically surnamed *Nassākh*, a pioneer of Urdu literary writings in Bengal and younger brother of Nawāb 'Abdul Laṭīf (1824-1893), noted educationist and precursor of Muslim modernism in Bengal. Like his illustrious contemporary Bankim Chunder Chatterjee (1838-1894), 'Abdul Ghafūr belonged to the British administrative service, being posted as Deputy Magistrate at various places throughout the province of Bengal. But his fame chiefly rests on his numerous literary writings in Urdu which speak volumes of his excellence as a poet and writer of this language. His poetic proficiency elicited respectful attention from such traditional centres of Urdu poetry as Delhi and Lucknow. Indeed, for a native of Bengal it was highly creditable for Nassākh to be looked upon by poets of Northern India as an authority in matters of Urdu poetry.

Besides writing the story of his life, Nassākh gives a vivid picture of the social life of the people he met and places he visited, as also the eye-witness accounts of significant events of the time, such as Calcutta's reaction to the outbreak of the Sepoy Mutiny in 1857 and the great Cyclone of 1864, with its resultant devastation in and around Calcutta. Of special interest is the author's account of the efforts of Professor Edward Byles Cowell, the greatest Sanskritist of the time and Principal of Calcutta's pride, the Sanskrit College, to learn the Persian and Hindusthani languages from Maulvī 'Abdul Ghafūr.

It is a proud privilege for the Asiatic Society to bring out the critical edition of the Autobiography prepared from a unique manuscript by Dr. Abdus Subhan, Fellow of the Asiatic Society and a distinguished scholar. An English translation of the text, when published, will, I hope, further enhance the utility of the work. I am sure the present edition, which happens to be Society's earliest Urdu publication, will constitute a valuable contribution to the advancement of knowledge about the period and the personality which it deals with.

Calcutta,
11th August, 1986.

Jagannath Chakravorty
General Secretary

CONTENTS

	Page
Foreword	vii
Preface	ix
Introduction	xi
Errata	۲۱۲—۲۰۲
List of textual contents	۲۰۱—۱۹۹
Indices	۱۹۸—۱۷۹
Urdu Text	۱۷۸—۱

SYSTEM OF TRANSLITERATION

ا ...... a	ض ...... ḍ
آ ...... ā	ط ...... ṭ
ب ...... b	ظ ...... ẓ
پ ...... p	ع ...... ʻ
ت ...... t	غ ...... gh
ث ...... s̱	ف ...... f
ج ...... j	ق ...... q
چ ...... ch	ک ...... k
ح ...... ḥ	ل l
خ ...... kh	م ...... m
د ...... d	ن ...... n
ذ ...... dh	و ...... u, ū, w
ر ...... r	ه ...... h
ز ...... z	ء ...... ʼ
	ی ...... ī, y
س ...... s	ى ...... ā
ش ...... sh	ُ ...... u
ص ...... ṣ	ِ i

B. I. Series 314

First Published in 1986.

Published by
PROF. JAGANNATH CHAKRAVORTY,
General Secretary,
THE ASIATIC SOCIETY
1, Park Street,
Calcutta-700016.

Printed by
MAQSOOD HASAN,
NEW ASIAN PRINTERS
29/7, Phears Lane,
Calcutta-73.

Price : Rs. 60.00

BIBLIOTHECA INDICA
A COLLECTION OF ORIENTAL WORKS

THE

KHUDNAWISHT SAWANIH HAYAT-I-NASSAKH

(AUTOBIOGRAPHY OF ABDUL GHAFUR NASSAKH)

URDU TEXT

Edited by
ABDUS SUBHAN

THE ASIATIC SOCIETY
CALCUTTA